

ابن صofi

جاسوسی دنیا

- 82 - الٹی تصویر

- 83 - چمکیلا غبار

- 84 - انوکھی رہنمی



متعلق پوچھا ہے کہ وہ بھی اور بجل ہے یا نہیں کیونکہ ویسی ہی ایک کہانی
گجراتی میں بھی ان کی نظروں سے گذری ہے.... گزارش ہے کہ ”خون کا
دریا“ کی کہانی سو فصدی میری ہی تخلیق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی گجراتی
لکھنے والے بھائی نے میری گردن پر چھری پھیر دی ہو۔ اردو میں جو چھریاں
پھیری جا رہی ہیں وہ تو آپ کی نظروں کے سامنے ہی ہیں۔ بعض اوقات تو
ایسا بھی ہوا ہے کہ میری کتابوں کا ہندی میں ترجمہ ہوا، اور ہندی سے وہ پھر
اردو میں منتقل ہوئیں لیکن اس تیری جون میں مصنف کا نام تک ایک
صاحب نے پوچھا ہے! ”زبڑ کی عورت“ میرے ناول ”بے گناہ مجرم“ کا
ہندی ترجمہ ہے۔ کسی صاحب نے اردو میں اس کا دوبارہ ترجمہ کر ڈالا۔
میرے ساتھ ایسے لطیفے ہوتے ہی رہتے ہیں اور میں ان سے کافی محفوظ ہوتا
ہوں، دیکھنے تا میرے پُر اسرار کرداروں ہی کی طرح بعض اوقات یہ کم بخت
کتابیں بھی بھیس بدلت کر آکھڑی ہوتی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ
میں شرلاک ہومز کی طرح کو کیں کا انگلش لے لوں یا عمر ان کی طرح چیزوں
سے خغل فرماؤں۔

ابن صفحہ

۲۱ مارچ ۱۹۵۹ء

پیشہ

”الٹی تصویر“ حاضر ہے۔ کہانی آپ خود ہی پڑھ لیں گے اس لئے اس
کے سلسلے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ البتہ کاغذ کے متعلق اتنی گزارش ضرور
ہے کہ آپ فی الحال کاغذ کی اچھائی رہائی دیکھنا چھوڑ دیجئے۔ اس بار اچھا کاغذ
مل گیا حاضر ہے۔ آئندہ بھی اگر اچھا ہی ملا تو بجل سے ہر گز کام نہ لیا جائے
گا۔ خدا خواستہ ہمارے یہاں نہ کاغذ کا قحط ہے اور نہ اس کی پیداوار ہی میں کمی
ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ تر کاغذ اہم ترین قوی ضروریات پر صرف ہو رہا ہے اس
لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم مقاعدت کریں۔

میں اپنے پڑھنے والوں کا بے حد مشکور ہوں کہ وہ مجھے میری خامیوں
سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کے خطوط کے فرد افراد اجوابات لکھنا
پہلے بھی میرے بس سے باہر تھا اور اب بھی ہے۔ ویسے بعض خطوط کے
جو اجابات اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ پیش لفظ میں کرنا پڑتا
ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے میرے ناول ”خون کا دریا“ کے

بہر حال وہ مٹشن بھی تھا اور ذہن کے کسی گوشے میں بے اطمینانی بھی لہر لے رہی تھی۔ اس ابھن کا باعث یہ تھا کہ یہ کوئی اشتہاری ملازمت نہیں تھی بلکہ اس کا علم اسے اشناقی ہوا تھا۔ ایک دن ملازمت کی تلاش میں کمی گھٹنے جو یاں ملختے کے بعد ایک چائے خانے میں جا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد قریب ہی کی ایک میز پر دو آدمی آبیٹھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ ”بھی ملازمت ہی کھل تو ہے نہیں کہ گھر بیٹھے مل جائے گی، کچھ جدوجہد کرو لوگوں کے پاس بیٹھو اٹھو! ملوٹا، گھر پرے رہنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے۔ ملازمت تھوڑا ہی تمہیں تلاش کرتی پھر ہی ہے، اچھا دیکھو.... ایک روز پر ایک ڈاکٹر سعیدہ ہیں۔۔۔ نہیں پہلے تم یہ بتاؤ کہ اچھی اردو نثر لکھ سکتے ہو یا نہیں۔“

”کیوں نہیں....؟“ دوسرے نے جواب دیا۔
”ادب سے بھی کچھ لچکپی ہے۔“
”بہت زیادہ....“ جواب ملا۔

”جب تو تم کام چالے جاؤ گے! خیر یہ ڈاکٹر سعیدہ اردو میں کچھ تحقیقی کام کر رہی ہیں اور انہیں ایک اچھی اردو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔ تم ایک عرضی روانہ کر دو، ورنہ اگر کہیں انہوں نے کسی اخبار میں اشتہار دے دیا تو درجنوں پیغام جائیں گے۔“

”چھی بات ہے۔“ میں آج ہی عرضی روانہ کر دوں گا۔ دوسرے نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ان کا پتہ لکھوادو۔“

اس نے پتہ ڈالیں کیا۔ جسے نیم ذہن نہیں کرتا جا رہا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد اس نے بھی اپنی نوٹ بک میں وہی پتہ درج کر لیا اور اسی دن عرضی بھی روانہ کر دی۔ طالب علمی کے زمانے میں اسے صحافت سے بھی لگاڑہ چکا تھا۔ اردو نثر نگاری پر اسے قدرت حاصل تھی اور وہ خود کو صاحب طرز بھی سمجھتا تھا۔

تمنی دن بعد عرضی کے جواب میں اسے بذریعہ ڈاک ایک اٹرزو یو کارڈ ملا جس پر اٹرزو یو کی تاریخ درج تھی۔

اور آج ہی اٹرزو یو کارڈ سے یہاں تک لے آیا تھا۔ ڈیڑھ سو گزر بھی روشن طے کر کے وہ برآمدے میں آیا۔ لیکن یہاں قطعی طور پر سناتا تھا۔ ایسا معلوم ہو زہا تھا جیسے عمارت کا ہر حصہ

انظر ویو

نیم نے عمارت کے سامنے رک کر ایک بار پھر انظر ویو کارڈ پر نظر ڈالی اور عمارت کے چھانک پر گلی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف دیکھا جس پر تحریر تھا۔ ”ڈاکٹر سعیدہ ایم۔ اے ڈی۔ لٹ پی۔ اچ۔ ڈی۔ آکسن۔“

اس نے سر کو خفیہ سی جنمیں دی۔ اسے سہیں پہنچتا تھا۔ اس کا دوں دھڑکنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کہ اور بھی امیدوار ہوں گے۔ پھر اگر اسے ناکای ہوئی تو کیا ہو گا۔ آج تمنی ماہ سے تماز متون کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اسے اس عام کہاوت پر یقین کر لیا پڑتا کہ ملازمتوں کے اشتہارات تو دراصل جگہیں پر ہو جانے کے بعد دیئے جاتے ہیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے! انظر ویو مخفی ڈھکو سلا ہوتا ہے۔

وہ دوں ہی دوں میں وہی سب ڈعا میں وہرانے لگا جن کے سہارے پہلے بھی کئی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔

چھانک میں داخل ہونے سے پہلے ایک بار پھر اس نے نیم پلیٹ کو بغور پڑھا اور وہیں کھڑے کھڑے بیر ونی برآمدے پر نظر ڈالی جس کا فاصلہ چھانک سے تقریباً یہڑھ سو گز ضرور رہا ہو گا۔

”اوہو....!“ اس نے سوچا۔ وہاں تو سنا تاہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بلا یا گی۔

پھر سوچا چھانک ہے اس سے غلطی ہی ہوئی ہو۔ بھلا سنی ناپی باتوں کا کیا انتہا..... مگر پھر ہر اٹرزو یو کارڈ کہاں سے آگیا۔ اس نے جو کچھ بھی سنا تھا صحیح سنا تھا اور عرضی بھی بھیجی تھی۔۔۔ عرضی قابل اعتبار نہ ہوتی تو اٹرزو یو کارڈ کیسے آتا۔

دیران ہو۔

دفعتا بائیں جانب نظر اٹھی۔ ایک کمرے کا دروزہ کھلا ہوا تھا۔ چوکھت کے اوپر ایک تختی آؤزاں تھی جس پر تحریر تھا۔

”براہ کرم گھنی کا بن دبا کر اندر تشریف رکھئے اور پانچ منٹ انتظار کی زحمت گوارا فرمائیے۔“

گھنی کا سوچ بائیں طرف دروازے کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ بن دبا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ڈرائیک روم ہی تھا۔ صاف سترہ اور سادہ طور پر سجا ہوا۔ صوفہ سیٹ نیس اور آرام دہ تھا۔

پورے کمرے میں صرف ایک ہی بڑی کی تصویر تھی، مگر دیوار پر اللہ الکلی ہوئی تھی۔ یعنی صاحب تصویر کا سر پیچے تھا اور نائیک اور۔

یہ کسی معمراں لیکن وجہہ آدمی کی تصویر تھی، مگر اس کا الٹا لٹکا ہوتا نیم کی سمجھ میں نہ آسکا۔ کیا اتفاق ایسا ہوا تھا؟ لیکن فریم الٹ کیسے سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے جان بو جھ کر الٹا لٹکایا گیا ہو۔ مگر کیوں؟

کیا یہاں کوئی پاگل آدمی رہتا ہے۔ یا اتنا لاپرواہ ہے کہ ایک تصویر بھی سیدھی نہیں کر سکتا۔ تصویر نے اسے الجھن میں ڈال دیا اور انتقال کے پانچ منٹ اس طرح گزر گئے کہ انتقال کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

پھر ایک خوبصورت سی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے میک اپ پر بہت زیادہ سرخی اور پاؤڑ صرف کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری دلکشی میک اپ ہی کی رہیں منٹ رہی ہو، ورنہ ہاتھ پیروں سے تو خاصی معز معلوم ہوتی تھی۔

نیم اسے دیکھ کر احتراماً اٹھ گیا لیکن وہ تو دروازے ہی میں رک کر اسے اس طرح دیکھنے لگی تھی جیسے کوئی عجوبہ اس کے سامنے آگیا ہو۔

”بیٹھے بیٹھے“ وہ یک بیک آگے بڑھ کر بولی۔ ”یہ آپ کا ایک کان چھوٹا اور ایک بڑا کیوں ہے؟“

”جی....!“ نیم اس بے شک سوال پر بوكھلا کر اپنے دونوں کان ٹوٹنے لگا۔ پھر جلدی سے ہاتھ نیچے گرتے۔ یہ بھی حماقت ہی تو تھی کہ وہ ایک بے سکلی بات پر اپنے کان ٹوٹنے لگا تھا۔ پھر اسے اس سوال پر غصہ بھی آیا اور اس نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”کان صرف منے کے لئے ہوتے ہیں.... میں نے آج تک کسی کے کانوں کی ساخت پر غور نہیں کیا۔“

پ توبہ پڑھے معلوم ہوتے ہیں۔ اے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح لال پلے۔
ہو رہے ہیں۔ ”عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

”کچھ نہیں! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں...“ نیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ملازمت کی خلاش میں لکھا تھا، اس لئے اسے ضبط و تحمل سے کام لینا چاہئے اس نے سوچا کہ اب وہ خود کو قابو میں رکھے گا۔ دیے اگر ذاکرہ سعیدہ میکی عورت ہے تو کسی حد تک زندگی ضرور تھی کر دے گی۔

”اڑے تو خاموش کیوں ہو گئے۔ میں آپ کے الفاظ واپس دیتی ہوں۔“ اس نے اس طرح ہاتھ بڑھا کر مٹھی کھول دی جیسے اس کے الفاظ مٹھی ہی میں دیائے رہی ہو۔

نیم نے بوكھلا کر اسے گھورا لیکن چہرے پر غیر نجیدگی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ اسکی پاگل ہی کے چکر میں آچھا ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں اٹھی تصویر پر جم گئیں۔ پھر اس نے نکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا۔

”ہمیں.... اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو....“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”اوہ نہہرو! کیا ہی ترجمی نظر کھلاتی ہے؟“

”میں.... ن..... نہیں جاتا.....“ نیم بہت زیادہ نزوں ہو گیا۔

”آپ نہیں جانتے....?“ عورت نے حیرت سے کہا۔

”مجھے ذاکرہ سعیدہ سے ملتا ہے محترمہ....!“

”تو پھر کیا میں ذاکرہ چڑھی ہوں....“ عورت نے بُر امان جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

”اوہ ہو.... میں ملازمت کے لئے حاضر ہوا تھا محترمہ....!“

”ٹھیک ہے! مگر آپ ترجمی نظر نہیں جانتے۔“

”خدا کی پناہ.... کیا چھوٹے بڑے کانوں ہی پر معاملہ رفع و فتح نہیں ہو سکتا۔“ نیم نے لمبی سانس لے کر پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا چلو تھوڑی دیر کی تفتریح ہی سکی۔ یقیناً یہ عورت سنک گئی ہے۔

”ہوں.... اول! نہہریے۔“ نیم اس طرح چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی شعر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر جلد ہی شعر بھی اس کے ہونٹوں سے پھلنے لگا۔

اے تیر نظر، تیر نظر دیکھ
یہ دل ہے یہ گردے یہ لکھی یہ مجرد دیکھ

”واہ کیا منطق ہے۔“

”غلط ہو تو گردن اڑا دیجئے....!“ نیم بولا۔ وہ بالکل تفریح کے موڑ میں آگیا تھا۔ ملازمت گئی جہنم میں۔

”آپ سبیدگی سے کام نہیں کر سکیں گے۔“ عورت نے غصیل لمحہ میں کہا۔ ”ای لئے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے کان چھوٹے ہوئے کیوں ہیں۔“

”آپ نے پھر کافوں کی بات چھیڑ دی....“ اس بار نیم کو کچھ غصہ آگیا۔

”میں کسی ایسے آدمی پر اعتماد نہیں کر سکتی جس کے کان چھوٹے ہوئے ہوں۔ آپ جاسکتے ہیں....!“

اس کی نظر ایک بار پھر انیٰ تصویر کی طرف اٹھ گئی، لیکن عورت اس کی طرف سے بالکل لا پر واہ نظر آرہی تھی جیسے وہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو، قطعی پاگل ہے۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



نیم پر اگر اس کے خاندان کی ذمہ داریاں بھی ہوتی تو شاید اسے خود کشی ہی کرنی پڑتی! آج جیب کا آخری پانچ کانوٹ بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ لیکن آج کے انشزوں نے اس کے ذہن پر کوئی نہ اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ اسے تو چاہئے تھا کہ اس نا معقول عورت کو سر پیشئے اور کہیوں کی طرح حلق چھاڑنے پر مجبور کر دیتا۔ ڈاکٹر سعیدہ ایم۔ اے ڈی لٹ پی۔ ایچ۔ ڈی؟ اتنا پڑھ لکھ جانے کے بعد بھی یہ عورتیں خود میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتیں.... مگر وہ تو پاگل تھی.... پھر وہ دونوں گدھے کون تھے؟ جن کی گفتگوں کروہ ملازمت کے لئے اپلاں کر بیٹھا تھا۔

وہ آئینے پر تیکھی نظریں جمائے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ اچاک ایک نیا خیال اس کے ذہن میں کلبایا۔۔۔ وہ اس کی ماں حالت بہتر بنا سکتی ہے۔ یقیناً مالدار ہو گی۔ اوہ ٹھیک ہے.... وہ اس سے عشق شروع کر دے.... اس کی عمر چالیس سال سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی اور خود اس نے تو اپ چو میسوں سال میں قدم رکھا ہے.... اگر وہ بالکل ہی پاگل نہیں ہے تو تحریر ضرور رہ جائے گی۔ اور پھر جب تحریر دیگی کا وقفہ ختم ہو گا تو.... پھر.... اوہ تحریر تو کرنا ہی چاہئے۔

”ہاں.... آں.... شعر ہی معلوم ہوتا ہے.... مطلب بتائیے۔“

”مطلب تو شاید میرے والد صاحب بھی نہ بتا سکیں..!“ نیم کی جھلاہٹ پھر بڑھنے لگی تھی۔ ”تب پھر کیسے کام چلے گا۔“

”مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ کو نشر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔“ نیم نے کہا۔

”اچھا تو کیا اشعار کا مطلب نظم میں بیان کیا جاتا ہے۔“

”اگر میں شاعر ہوتا تو میرے لئے یہ بھی کوئی مشکل بات نہ ہوتی۔“

”ہوں....؟“ وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر پوچھا۔ ”اردو کے جدید ترین ادباء میں سب سے متاثر کون ہے۔“

”وہی جو سال بھر میں ساڑھے تین افسانے لکھ لیتا ہے۔ ڈیڑھ عدد غزلیں کہہ لیتا ہو اور ایک آدھ تقیدی مضمون بھی لکھنے کی کوشش تو کرے۔ لیکن زندگی بھر کا میاب نہ ہو سکے۔“

”میں نام پوچھ رہی ہوں۔“

”لیا ایسے کسی آدمی کا نام یاد رکھا جاسکتا ہے.... محترمہ....!“

”میرے متعلق آپ کا کیا نیا نیا ہے....؟“ عورت نے پوچھا۔

”آپ ڈی لٹ بھی ہیں اور پی ایچ ڈی بھی۔“

”میں اپنی اوبی خدمات کے بارے میں پوچھ رہتی ہوں۔“

”مجھے افسوس ہے کہ آج تک آپ کی کوئی اوبی کاؤش میری نظریوں سے نہیں گذری۔“

”اہ... آپ نے میری کتاب ”ادب اور شتر مرغ“ نہیں پڑھی! اس پر تو مجھے حکومت کی طرف سے انعام بھی ملا تھا۔“

”اوبی شتر مرغ تو بہت دیکھے ہیں میں نے لیکن ادب اور شتر مرغ....!“

”غیر...! اچھا بتائیے... شتر گربہ کے کہتے ہیں۔“

”اسی بی بی جو اونٹ کے برابر ہو....!“

”بکواس....!“ عورت نے نہ اسامنہ بن کر کہا۔

”تو پھر شتر مرغ بھی بکواس ہی ہو گا۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی میں نے بھی سنا ہے کہ وہ اونٹ کی سی گردن رکھتا ہے اور اسی کی طرح قد آور ہوتا ہے۔“

دوسرے دن خود بخداں کے قدم اسی عمارت کی طرف اٹھ گئے۔ لیکن آج پھاٹک بند نظر آیا۔ جس میں بڑا ساقل بھی لٹک رہا تھا۔

اسے اپنی اس حادثت پر جھنجھلاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ حادثت ہی تو تھی۔ خواہ مخواہ دوڑاً عشق بازیوں کے لئے دوڑتا رہتا۔... مگر وہ تو... مالی حالت محکم کرنے ہی کا معاملہ تھا۔

بہر حال وہ ہاتھ جھلانا ہوا اپس ہوئی رہا تھا کہ ایک آدمی جھپٹتا ہوا اس کی طرف آیا۔

”کہئے.... جناب....!“ اس نے دانت نکالے.... یہ ایک پستہ قد اور کمزور جسم کا آڈھ تھا۔ آنکھوں کے پوٹے بھاری تھے اور پلکیں متورم سی معلوم ہوتیں تھیں۔

”کیوں....؟“ فیم نے نیچے سے اوپر سک اس کا جائزہ لیا۔

”آپ یہاں کھڑے تھے.... میں نے کہا شاید۔“ وہ اپنا سر کھجانے لگا۔

”ہاں ہاں.... میں یہاں کھڑا تھا.... تو پھر....!“

”میں نے کل بھی آپ کو یہاں دیکھا تھا.... مطلب یہ کہ اس کی کنجی شاید آپ ہی پاں ہے۔ میں دراصل مکانوں کی دلائی کرتا ہوں۔“

”میرے پاس کیوں ہونے لگی اس کی کنجی۔“ فیم آنکھیں نکال کر بولا۔

”اوہ.... تو پھر آپ خرید رہے ہیں اسے۔ کل میں نے آپ کو کپاڈٹھ میں دیکھا تھا۔“ نہیں ہوا شاید کیوں؟“

”میاڑا کاٹر سعیدہ سے فروخت کرنے والی ہیں۔“

”ڈاکٹر سعیدہ....!“ دلال نے تحریر انداز میں دہرا لیا۔

”ہاں کیوں....؟“ فیم اس کی حرمت پر خود بھی تحریر نظر آنے لگا تھا۔

”اُرے.... ڈاکٹر سعیدہ کہاں؟ اسے مرے ہوئے تو ایک سال گزر را... یہ بھی اس۔“ وارثوں کی سکتی ہی ہے کہ اس کے نام کی تھتی آج بھی پھاٹک پر لگا رکھی ہے۔

”ڈاکٹر سعیدہ مر چکی ہے۔“ فیم نے حرمت سے دہرا لیا۔

”ایک سال پہلے کی بات ہے۔ موت پر اسرار طور پر ہوئی تھی۔ بس کھڑے کھڑے گر تھی اور بر گئی تھی۔... بینک اسی عمارت میں۔ تب سے یہ عمارت خالی پڑی ہوئی ہے۔“

”میا کہہ رہے ہو یا...! بھی کل ہی تو میں نے ڈاکٹر سعیدہ سے گفتگو کی تھی۔“ فیم بس پڑا۔ اس آدمی نے اسکی نظروں سے دیکھا جیسے دل ہی دل میں کوئی بڑی گندی ہی گالی دی ہو۔ ”کیوں مذاق کرتے ہو۔“ اس نے بیزاری اور جھلابت کے ساتھ کہا اور ایک طرف مز گیا۔ ”ذرانے تو سی مسٹر۔“ فیم نے اسے روکا۔

”ہوں....“ وہ رک کر مزاگر بیزاری سے ہونٹ سکوڑے ہوئے تھا۔ ”یقین کرو! ڈاکٹر سعیدہ نے مجھے خط لکھ کر بیالا تھا۔ می تھی تم نے تو کل مجھے یہاں دیکھا ہی تھا۔“ ”میا کہہ رہے ہو دوست....!“ اجنبی بھرائی ہوئی ہی آواز میں بولا، جس میں شاید خوف کی بھی ہلکی سی آمیزش تھی۔

”اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو تحقیقاتی کاموں میں مدد دے سکے۔“

”میرے خدا....!“ اجنبی حرمت سے منہ چھاڑ کر رہ گیا۔ پھر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ”چھلے سال اس نے اسی طرح ایک آدمی کو بیالا تھا، غالباً ملازمت کے لئے اور اسی کے ساتھ مر گئی تھی۔ اور مجھے دیر ہو رہی ہے.... معاف کیجئے گا۔“ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لاش اور تصویر

کرنی فریدی اپنے آفس میں ایک فائل پر جھکا ہوا پہل سے ثناں لگا رہا تھا، اتنے میں فون کی سمجھتی بھی اور اس نے رسیور اٹھا لیا۔

”فیلڈ.... لیں فریدی اسپیکل! اوہ آپ ہیں.... آداب.... اُرے کب.... ہاں ہاں میں سرودھید کو جانتا ہوں.... آپ دیں ہیں!.... کیا فرمایا.... اُرے ہے.... آخر یہ کیوں؟.... اُرے.... سوراخ.... ہوں.... عجیب بات ہے۔“ اس نے حید کی طرف دیکھا اور دوسری طرف سے ہونے والے کی بات سناتا رہا۔... حید اپنی ڈیک پر بیٹھا کسی کے سلسلے میں آئے ہوئے فنگر پر پٹس ترتیب دے رہا تھا۔

فریدی کی نے رسیور کھکھ کر ایک طویل سائنس لی اور حید پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

”تم نے سر پیشے کی عادت ترک کر دی ہے شاید۔“

حید بوكھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”کوئی کیس؟“ اس نے پلکیں جھپکائیں۔

”میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے.... کیس اور ایسا ہی کہ شاید موجودہ ذہن رفع ہو جائے۔“

”یا خدا وہر کے جسمانی جمود کی خیر ہو....“ حید نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔
حید کا کیا قصہ ہے۔ کیا اس کی بیلوں کو صبح سے چھینکیں آرہی ہیں۔ میں شاید اس آدمی کے با
میں کچھ جانتا ہوں۔“

”کیا جانتے ہو؟“

”پہلے آپ بتائیے کیا بات ہے!“
”سر و حید مر گیا۔“

”گفتگو کے اندازہ سے مترش ہو رہا تھا۔“ حید نے اسامدہ بنا کر بولا۔

”اور وہ شرپقوں کی طرح ہر گز نہ مرا ہو گا اور نہ ہمیں کیوں اطلاع ملتی۔“

”ابھی ہمیں اس پر اور زیادہ غصہ آئے گا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”فریدی مسکرایا۔“
کی طرح بھی نہیں مرا... ذی۔ آئی۔ می صاحب تھے فون پر۔ وہ وہیں ہیں۔“

”مگر یہ مر نے کا کون سا وقت ہے۔“ حید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”سو اچار نج،
ہیں اسے چائے کا وقت کہتے ہیں۔“

”اٹھو...!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”میں کہتا ہوں تقریب رکھئے۔“ حید نے ڈیک پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”یہیں کچھ زہ
کر لیں۔“

پھر اس نے ٹھنڈی کی طرف ہاتھ بڑھانا۔

”تم زہر مار کرتے رہو۔“ فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ”لیکن ٹھیک پونے پانچ بجے و
میشن پہنچ جاؤ۔“

ادھر وہ آفس سے لکھا اور وہر حید نے چپ اسی کو طلب کر کے کیشین سے چائے منکوائی۔

”وہ سر و حید کے متعلق سوچ رہا تھا۔“

چائے اس نے منکوائی تھی کہ فریدی کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ کر رات کا کھانا بھی
کول ہو سکتا تھا اور سر و حید کے متعلق سوچنا اس نے ضروری تھا کہ ابھی حال ہی میں اس سے ہائی
سر کل ناٹ کلب میں مذہبیز ہوئی تھی۔

تغیر ایک ایسے آدمی نے کرایا تھا، جو دونوں کا مشترکہ دوست تھا۔ اس نے سر و حید کو بتایا
تھا کہ کیپٹن حید کو بکروں سے عشق ہے۔

”آہ..... بہت اچھے۔“ سر و حید نے اسے شراحت آمیر نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافی کیا
تھا۔ اس مکھتر سالہ بوڑھے کی آنکھوں میں حید کو ایسی ہی شوخیاں نظر آئی تھیں جیسی شریروں
کی آنکھوں سے جھلکتی ہیں اور پھر وہ بالکل بچوں نبی کے سے انداز میں بکروں کے متعلق گفتگو کرنے
لگا تھا اور حید نے سوچا تھا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا اسے گھس رہا ہے۔

کسی بات پر اس نے چڑ کر حید پر زبان بھی نکالی تھی۔ پھر اڑکوں کی گفتگو شروع ہو گئی تھی
اور حید کا دل چاہتا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے.... کیونکہ گفتگو کا حصل یہی تھا کہ لڑکیاں اب بھی
اس پر عاشق ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک نہیں کئی ایسے دعاقتات بتائے تھے کہ حید کو اپنی جوانی دو کوڑی
کی معلوم ہونے لگی تھی۔

پھر وہ اس کی میرے سے اٹھ گیا تھا اور تغیر کرانے والے نے حید کو اس کے متعلق حرمت
اگریز قسم کی باتیں بتائی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک تو یہی کہ وہ روزانہ ٹھیک تھیں بجے سر کے بل
کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا خواہ اس وقت وہ اجنبیوں کے دزمیان ہی
کیوں نہ بیٹھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین اور چار کے درمیان کبھی گھر سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

بہر حال حید نے اس کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ اس کا ایک آدھ اسکریو ضرور
ڈھیلا ہے۔

اوڑ اب اس وقت فریدی نے اس کی موت کی خبر سنائی.... گودہ تفصیل میں نہیں گیا تھا،
لیکن موت کی اطلاع کا اس کے بھکے تک پہنچا ہی اس پر دلالت کرتا تھا کہ موت غیر معنوی
حالات میں ہوئی ہے۔

اس نے جلدی جلدی دو تین پایاں حلیں سے اتاریں اور چائے ختم کر کے اٹھ گیا۔

وحید میشن ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ شہر میں مشہور بھی تھی... اور سروحیدہ شاربڑے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خود عملی طور پر کاروبار سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے بیٹے پوتے تو بُنُس میں ہیں۔

لوگوں کو اس کی زندگی سے وچھپی رعنی ہو یا نہ رعنی ہو لیکن اس وقت کیشن حید بن وحد میشن کے تربیب ایک جم غیرہ دیکھا۔ جس میں خال خال سرخ نوبیان بھی نظر آرہی تھیں... ایک کاشیل اس کے لئے راستہ بجا رہا تھا۔

بالآخر وہ فریدی تک پہنچ ہی گیا.... واردات وحید میشن کی تیسری چھت پر ہوئی تھی جو کے گرد صرف سات فٹ اونچی چوار دیواری تھی۔ بس اسے کھلی چھت ہی کہنا چاہئے۔ یوں تو اس وقت وحید میشن میں کئی آفسر موجود تھے۔ لیکن تیسری چھت پر فریدی اور مکھے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔

لاش اب بھی دیہن موجود تھی اور اسے ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ حید ڈی۔ آئی۔ جی کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ ”دیواریں سات فٹ اونچی ہیں اور مرنے والے کا قد پانچ فٹ چھائچے۔ زیادہ نہیں ہے۔“ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”گھروالوں کا بیان ہے کہ چھت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”hadath کی اطلاع انہیں کیے ہوئی تھی۔“

”اس کی جیجہ سن کر... اس کی بڑی لڑکی اور آئی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ساکت ہو چکا تھا۔“ ”لاش کو کسی نے اصل جگہ سے ہٹالا تو نہیں۔“

”نہیں اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“

”تب پھر لاش کی پوزیشن نہیں بتاتی ہے کہ وہ دیوار پر نہ چڑھا ہو گا۔ ایسی صورت میں تو لاثر کو دیوار سے کنی گز کے فاصلے پر ہونا چاہئے تھا۔“

حید نے لاش کا پھر سے جائزہ لیا۔ اس کا سر دیوار ہی کی طرف تھا اور وہ دیوار سے زاویہ قائم۔

ری تھی۔ سر اور دیوار کا فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا۔ دفعہ فریدی نے مزکر کہا۔ ”فٹکر پرنٹ والوں کو بلالو۔“

حید انہیں دوسرا منزل پر دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اس نے تلاش کرنے میں دیر نہیں گی....! لیکن خلاف توقع فریدی نے جلد ہی کام ختم کر دیا۔ نہ تو وہاں اس نے کسی مسئلے پر کسی سے بٹ کی تھی اور نہ معاملہ کو طول دیا تھا۔ حتیٰ کہ حید اس کی گھنٹو سے حادثے کی نوعیت کا اندازہ میں نہ کر سکا۔

اور واپسی پر بھی فریدی خاموش ہی رہا۔ حید نے چاہا کہ اس حادثے کے متعلق گھنٹو بھیرے، لیکن فریدی نے سر ہلا کر اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا تھا۔



نیم کی آنکھیں جیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور نظر اخبار کے پہلے ہی صفحے پر چھپی ہوئی ضویں پر تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں ملیں اور پھر تصویر کو گھورنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور انکھوں پر دھنڈی چھار ہی تھی۔

یہ تصویر ہی تو تھی جسے اس نے تین دن پہلے ڈاکٹر سعیدہ کی کوئی میں الٹی لٹکی ہوئی دیکھا تھا اور اب اسے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا؟ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار سروحید جس کی کئی فیکریاں اور یہکٹاں ملیں ملک کے مختلف حصوں میں قائم تھیں۔

خبر کے مطابق وہ پچھلی شام اپنی چھت پر سر کے بل کھڑا ہوا تھا کہ اچانک اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا جس سے خون ابلی رہا تھا۔ پھر اسکی جیجہ سن کر اور پر جھینچنے والوں نے اسے مردہ ہی پہاڑا۔ مگر وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا؟ نیم خبر اور سوری ہی چھوڑ کر سوچنے لگا۔ تصویر الٹی لٹکی ہوئی تھی.... اور وہ سر کے بل کھڑا ہوا تھا.... مگر کیوں؟

خبر میں آگے کہا گیا تھا کہ پوست مارٹم کرنے والوں نے اس کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی نکالی ہے.... اور.... قتل؟.... مگر سر کے بل کھڑا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اکتا کہ اس واقعہ کو ذہن سے جملکنے کی کوشش کرنے لگا.... ہو گا کچھ؟ اسے فلٹ کے کرائے کی اونچی لگکی کی فکر کرنی چاہئے۔

تین ماہ سے چڑھے ہوئے کرائے کا خیال آتے ہی پڑھان چوکیدار کا خونوار چہرہ بھی آنکھوں میں پھر گیا۔

اس ماہ اس نے سات دن کی مہلت دیتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر تین ماہ کا کراپیہ مدت گذرنے کے بعد نہ ملا تو وہ اس کا سامان نکال کر سڑک پر پھیک دے گا۔ مدت ختم ہونے میں تین دن اور رہ گئے تھے۔ اگر ان تین دنوں میں اسے کہیں ملازمت مل بھی جاتی تو تین ماہ کا کراپیہ ادا کرنے کا انتظام کہاں سے ہو سکتا تھا۔

تو پھر کیا کرے۔ اس بد تیز آدمی کا پیٹ پھاڑا دے، جو کراپیہ وصول کرنے کے سلسلے میں دھمکیاں دیتے وقت اس کی سفید پوشی کا بھی خیال نہیں رکھتا۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن پھر ڈاکٹر سعیدہ، اٹھی تصویر اور سروحدی کی طرف بھلک گیا۔ آخر دو کیا چکر تھا؟

اس نے ڈاکٹر سعیدہ کے ورثاء کا پتہ لگانے کی کوشش کی اور اس دوران میں اس اجنبی کے بیان کی تقدیق بھی ہو گئی تھی جس سے کوئی تھی کے قریب گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ڈاکٹر سعیدہ کی موت حیرت انگیز طور پر ہوئی تھی۔ نیم ہی کی طرح پچھلے سال بھی کس ضرورت مند نے کہیں ڈاکٹر سعیدہ کی ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی اور اسی کوئی میر انزویوں کے لئے اسے طلب کیا گیا تھا.... اور ڈاکٹر سعیدہ اس سے گفتگو کرتے وقت ختم ہو گئی تھی۔

پھر کیا.... پھر کیا.... وہ ڈاکٹر سعیدہ کی روح تھی؟
وہ روحوں کا قائل تھا نہیں۔

بھوٹ پریت کی کہانیاں اسے مفعکہ خیز معلوم ہوتی تھیں۔
لیکن پھر یہ سب کیا تھا....؟

کچھ دیر بعد الحسن اتنی بڑھی کہ اس نے بس تبدیل کیا اور ایک بار پھر ڈاکٹر سعیدہ کی کوئی کی طرف پل پڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس کی رفتارست پڑنے لگی۔ آخر وہاں کیا ملے گا؟ اس نے سوچا! وہاں کیوں جا رہا ہے.... لیکن دوبارہ وہاں جانے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا تھا؟ کیا یہ بھی حادثت ہی نہیں

تھی؟ اخبار میں وہ تصویر دیکھ لینے کے بعد، جو اس عمارت میں اٹھی لگلی نظر آئی تھی ادھر کا رخ کرنا انش مندی تو نہیں....!

ڈاکٹر سعیدہ کے بھوٹ بن جانے سے کسی کو دچپی ہو یا نہ ہو لیکن اس سرمایہ دار کی موت بن تو پولیس بھی دچپی لے رہی ہے۔ پتہ نہیں آئندہ حالات کا رخ کیا ہو۔ اگر کسی طرح وہ اس سلطے میں ملوٹ ہو گیا تو کیا ہو گا۔
وفقاً وہ غیر ارادی طور پر ایک لگلی میں مڑ گیا....

”اوہ میاں.... او بھائی صاحب ذرا تمہری گا....“ کسی نے آواز دی۔ ضرور نہیں تھا کہ آواز اسے ہی دی گئی ہو.... لیکن وہ رک کر مڑا تھا۔

اور پھر اسے وہی آدمی نظر آیا جس سے اس کوئی تھی کے قریب ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ نیم بوکھاہٹ میں اس کے ساتھی کا قصیلی جائزہ نہ لے سکا۔ ”اوہ.... بڑے بھائی....“ مکانوں کا دلال ہانپتا ہوا بولا۔ ”خوب ہتے ڈھونڈتے تھک گیا۔“ نیم کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ حالانکہ پچھلے دن اس نے اس سے اٹھی تصویر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

”کیوں....؟“ نیم جی کر ڈاکٹر کے اسے گھورنے لگا۔

”خفاکیوں ہوتے ہیں جتاب! کیا میں نے کوئی گستاخی کی ہے۔“

”میں سڑکوں پر اس طرح پکارا جانا پسند نہیں کرتا۔“ نیم کا الجہہ غصیلا تھا

”معاف کیجئے گا جتاب۔“ دلال کے ساتھی نے موہبہانہ لجھے میں کہا ”واقعی یہ بڑی بد تیزی ہے کہ کسی شریف آدمی کو اس طرح لگلی کوچوں میں آواز دی جائے.... لیکن مجبوری۔“

اب نیم نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک بھاری بھر کم اور شامدر اور آدمی تھا۔ قیمتی لباس اور

الگیوں میں پڑی ہوئی انگشتیوں سے تیکی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی خوشحال آدمی ہے۔

نیم نے تھیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ”میں نہیں سمجھا؟“

”میں آپ کے قدموں پر سجدہ کرنا چاہتا ہوں....“ بھاری بھر کم آدمی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”اگر ان کا میان صحیح تھا، اس کا اشارہ مکانوں کے دلال کی طرف تھا۔

”کیا مطلب....!“

ضمیم اور زیادہ بوجھا گیا۔

”یہاں نہیں! کیا ہم بیٹھے نہیں سکتے۔“ شاندار آدمی بولا۔

”ترے ہاں.... آئیے آئیے جاتب۔ تارویز میں مشیشیں گے۔“ دلال جلدی سے بول لے۔

وہ گلی سے پھر سڑک پر آگئے۔

ضمیم کی بحث میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا شروع ہونے والا ہے۔ اس نے اس کے قدموں پر جدہ کرنے کی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔

تارویز ایک اوسط درجے کا رسوران تھا.... دلال نے ایک میر منتخب کی، جس کے قریب

کی میز سے خالی پڑھیں۔ وہ بیٹھے گئے۔

ضمیم نے کہا۔ ”آپ لوگ مجھے الحسن میں کیوں بھٹا کر رہے ہیں۔“

”اچھا تو میں اب چلوں جاتب۔“ دلال یک بیک امتحا ہوا بولا۔

”نہیں! بیٹھو بیٹھو۔“ اس کے ساتھی نے کہا۔

مگر دلال نے کچھ ایسے عذر پیش کئے کہ ساتھی زیادہ زور نہ دے سکا۔ اس کے چلے جانے پر اس نے ضمیم سے کہا۔

”آپ نے میری سعیدہ کو دیکھا ہے؟“

”آپ کی سعیدہ.....؟“ ضمیم نے تھیر ان لہجے میں دہرایا۔

”ہاں میری سعیدہ.....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ضمیم نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لرزش دیکھی۔.... اور تھیر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے پوچھا۔

”کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کو اس کو شمی میں اتر دیوے لئے طلب کیا گیا تھا۔“

”می ہاں....!“

”آپ کو معلوم کیسے ہوا تھا کہ ڈاکٹر سعیدہ کو کسی آدمی کی ضرورت ہے۔“

”کسی چائے خانے میں دو آدمیوں کے درمیان گفتگو سن کر۔“

”اوہ.... بالکل وعی۔.... بالکل وعی۔“ وہ آدمی بڑھایا۔

”کیا مطلب....!“

”اس کی روح بے چلن ہے.... اس کی روح بے چلن ہے۔“

”میرے خدا میں کیا کروں۔“

اس آدمی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا.... ضمیم کی بحث اور بڑھ گئی۔

وھاں اس نے تارویز گوار لہجے میں کہا۔ ”ایک مجبور آدمی کا منہکر ازانہ چھی بات تو نہیں سڑ۔

پہلے بھی اس عمارت میں بلا کر بے دوقوف بنا لیا گیا، اب آپ پڑھ نہیں کس مقصد کے تحت بھیجے یہاں لائے ہیں۔“

”بھجے معاف کر دو میرے دوست.... میں بھی ایک مجبور آدمی ہوں۔“ اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ایک بد نصیب آدمی۔ یہ رہا میر اکارڈ....!“

”پُرنس اچھے تو قیر سی۔ بی۔ ای۔“

”میا...؟“ ضمیم بوجھا کر کھڑا ہو گیا۔.... یہ تو بہت مشہور آدمی تھا۔ پول کا نامور کھلاڑی اور شہر کا ایک بڑا دولت مند۔

”بیٹھو دوست....!“ میں تمہیں دوست کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میری سعیدہ کی روح نے تمہیں منتخب کیا تھا۔

ضمیم بیٹھ گیا اور کاپتی ہوئی آواز میں بولا۔.... ”آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”میں چاہتا ہوں کہ تم.... وہ عمارت خرید لو۔“

ضمیم ہنگامہ کارہ گیا۔

وہ اس عمارت کو خرید لے....!

اس کا دل چاہا کہ وہ پاگلوں کی طرح قنیتے لگائے۔

دولت مند چوکیدار

کرتل فریدی کے سامنے جائے واردات کی تصویریں بکھری ہوئی تھیں اور حمید دور بیٹھا اس انداز میں پاپ کے کش نے رہا تھا۔ جیسے بالکل ہی فارغ الیال ہو کر بیٹھا ہو۔

”سنو....!“ وھاں فریدی سر اٹھائے بغیر بولا۔

لکھ کر کاٹا جا رہا تھا۔

”ایک بات اور....“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ اس سے کسی مسئلہ پر شریفوں کی طرح گفتگو نہیں کی جاسکتی کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔“

”میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھکی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے کسی طرح دوستی پیدا کرو۔ ایسی دوستی کے تمہارے وقت کا کچھ حصہ اس کے ساتھ بھی گزرنے لگے۔“

”بھی بہتر تو یہ ہو گا کہ آپ مجھے چڑیا گھر کے کسی ایسے کھڑے میں بند کر دیں، جہاں آس پاس دو چار سال خور دہ بندر بھی ہوں.... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر آپ براو راست تقاضہ کرنے کی بجائے آڑے ترجیح راستے کیوں اختیار کرتے ہیں۔“

”وقتی ضرورت....“ فریدی نے خنک لبجھ میں کہا۔ ”دفع ہو جاؤ....“ پھر دفعہ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں افسوس نہیں ہو گا۔ لیکن ٹھہر و مقصود بوڑھے کا اعتماد حاصل کرنا ہو گا۔ اور ہاں.... وہ خود کو ایک کہنہ مشق شاعر بھی سمجھتا ہے۔“

”مرابے موت....!“ حمید کی آواز بھر اگئی۔

”بیٹھ جاؤ....!“ فریدی نے ہاتھ بلا کر کہا۔ ”حالات ہی ایسے ہیں کہ مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا.... براو راست پوچھ گچھ سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکتا۔ اس پر یقین رکھو کہ گولی اسی ٹوٹی بھوٹی عمارت کی طرف سے آئی تھی۔“

”کیسے ممکن ہے.... کیا دیوار توڑ کر آئی ہو گی.... آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کہیں ایسے نشانات نہیں ملے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ دیوار پر چڑھا ہو گا۔“

”ہوں.... اچھا بھی بتا دو کہ سر کے مل کیوں کھڑا ہوا کرتا تھا۔“ حمید جھنجھلا گیا۔ ”آخر آپ اس کے اس پاگل پن کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ کیا سر کے مل کھڑے ہونے سے کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہو گا۔“

”میں بھی سوچ رہا ہوں۔“

”پتہ نہیں کیوں سوچ رہے ہیں! میں کہتا ہوں کسی نے اس کے پاگل پن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے خاندان ہی کے کسی فرد نے ایسا کیا ہو۔ اسے اس وقت گولی

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“ حمید کی ضدی پنجے کی طرح سر ہلا کر بولا۔

”میں ایسے گدھوں کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتا جنہیں شریفوں کی طرح مرنا بھی نہ آتا ہو۔ میں کہتا ہوں سر کے مل کھڑے ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

”تمہیں چین سے میٹھے نہیں دیکھا چاہتے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”میں کہتا ہوں پاگل تھا۔“

”لیکن کسی پاگل کی کھوپڑی سے رانفل کی گولی کا نکلنے پاگل پن نہیں ہو سکتا جب کہ خود کشی بھی نہ ثابت کی جاسکی ہو۔“

”اس کی کھوپڑی یخچے تھی۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اور دیواریں سات فٹ اوپنی ہیں پھر گولی کھاں سے آئی تھی۔ کسی نے فائزکی آواز بھی نہیں سنی تھی۔“

”اور دیواروں میں بھی کہیں کوئی سوراخ نہیں ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”تو اس میں خوش ہونے کی کیبات ہے۔“

فریدی پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید چھت کی طرف دیکھ کر بڑھوڑا نے لگا۔

”یا خدا اگر وہ کوئی غیری گولی سوچتا ہو ابولا۔“ تو ہی بتا دے۔

”کیوں بکواس کر رہے ہو۔“

”پھر کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔“

”ٹھہر و....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وحید میشن کی پشت پر ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے، جس کا کچھ حصہ استعمال کے قابل ہے اسی قابل استعمال حصے میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے۔“

”اور وہ بوڑھا آدمی سر و حید کا قاتل ہو سکتا ہے۔“ حمید بول پڑا۔

”پھر بکواس کی۔“ فریدی جھنجلہ گیا۔ ”اس بوڑھے آدمی سے جان بیچان پیدا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ تم ایرگن لے کر اس کے بے ترتیب باغ میں شکار کھیلانا شروع کر دو۔“

”لیکن اس سے جان بیچان پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... وہ ہے کون؟“

”ایک بھکی اریٹاڑہ ماہر آثار قدیمہ.... کسی زمانے میں شعبہ آثار قدیمہ کا ایک آفسر تھا۔“

”اور اب خود بھکی دیکھنے کی چیز بن کر رہ گیا ہو گا۔“ حمید نے تلخی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”جاو....!“ فریدی نے کہا اور پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک کانڈ پر ہندے سے بھی

”ہاں میکرزم! اس جگہ دباؤ پڑنے سے دیوار میں چھٹ کی سطح سے ایک تین انچ اونچی اور چار انچ چوڑی خلاں پیدا ہو جاتی ہے۔ اب کہو۔ وہ سر کے بل کھڑا ہوتا ہے مقصد تو نہیں ہو سکتا۔“

”اب تو بہت بچھ سوچنا پڑے گا۔ یعنی کہ وہ بچھے دس سال سے وہاں بلا ناغہ سر کے بل کھڑا ہوتا آیا تھا۔“

جید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”فی الحال اس چکر میں نہ پڑو...!“

”اچھا تو وہ ماہر آثار قدیمہ...!“

”اس کا نام نصرت ہے... سرو حید کے قتل سے ایک دن پہلے اس نے ہمارے ٹھکے کو مطلع کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”یعنی نصرت کی زندگی...!“

”ہاں...?“

”آخر کس بناء پر اسے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔“

”کچھ نامعلوم آدمی اکثر خواہ مخواہ اس سے ٹھگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ دراصل اسے قتل کر دینے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔“

”کہیں وہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے نہ سمجھ لے.... ظاہر ہے کہ میں اس کے باغ میں ایز گن چلاوں گا، اس کی اجازت حاصل کئے بغیر۔“

”میں تو معلوم کرتا ہے کہ اس کی اس بھاگت میں کہاں تک صداقت ہے جب کہ اس کی بجائے سرو حید قتل کر دیا گیا۔“

”مگر فائز کی آواز کسی نے بھی نہیں سن تھی۔“

”فارغ نصرت کی عمارت ہی سے کیا جائسکا ہو گا اور اس کے لئے ایک مخصوص جگہ استعمال کی گئی ہو گی! اور نہ اس چھوٹے سے سوراخ نے گولی کا گزرا کر ٹھیک پیٹھانی پر بیٹھانا ممکن ہو جاتا ہے۔“

فارکی آواز ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رائل سے سائیلنسر انچ رہا ہو۔“

جید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر سر ہلاتا ہوا لمحہ گیا۔

اردو ہو، جب وہ عادت کے مطابق سر کے بل کھڑا ہونے تیسری چھٹ پر گیا ہو۔ نشانات بنا دیئے ہوں.... اور....؟“

”تیسری چھٹ کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی۔“

”قتل کی دوسری کنجی بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی پہلے ہی سے وہاں چھپا رہا ہو گا۔“

”اس کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ایک وہ جو وہاں پہلے جا کر چھپ جائے اور دوسرا، جو اس کے وہاں پہنچ جانے پر دوبارہ دروازہ مغلل کر دے۔“

”چلے دو ہی سماں...!“

”اور.... وہ گھری کے لوگ ہو سکتے ہیں۔“

”ہونے دیجئے.... اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔“

”ہوں! لیکن میں فی الحال صرف یہ معلوم کرتا چاہتا ہوں کہ سرو حید کو اس ٹوٹی چھوٹی عمارت سے کیوں اتنی دلچسپی تھی۔“

”اوہ.... تو آپ کو اس کے اس طرح مر جانے کی پرواہ نہیں ہے۔“

”بے شکی باقی نہ کرو.... جہاں وہ سر کے بل کھڑا ہوتا ہوا ہیں دیوار میں ایک سوراخ بھی موجود ہے۔“

”مجھے تو نہیں نظر آیا تھا۔“ حمید براہ اسمانہ بنا کر بولا۔

”سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھو! نظر نہ آئے تو مجھے گولی مار دینا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں تجھ کھڑا ہو جاؤ گا....“ حمید نے دھمکی دی۔

”وہ ایک مخصوص جگہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا، اور دیوار کا سوراخ اس کی آنکھوں سے صرف چھ اونچ کے فاصلے پر ہوتا تھا۔“

”میں کہتا ہوں مجھے کہیں بھی کوئی سوراخ نہیں دکھائی دیا تھا۔“

”اگر تم اسی جگہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ، جہاں وہ کھڑا ہوتا تھا تو سوراخ ضرور نظر آئے گا۔“

”اوہ....“ حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ ”کوئی میکرزم....!“

”خیر.... عقل تو آئی! دیر ہی سے سکی۔“ فریدی کری کی پشت سے نکلا ہوا بولا۔

کھانی کا متوجہ خاطر خواہ نکلا۔ کنور نے چونک کہ اسی طرح آنکھیں ملیں جیسے بچ مج سوتا رہا ہو۔
”اوہ.... معاف کرنا....!“ اس کے ہونتوں پر شرمندہ سی مسکراہٹ تھی۔ ”میں اسی طرح
بھول جاتا ہوں۔ اسی طرح خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔ کتنی اذیتوں میں بنتا ہوں۔ خدا مجھ پر رحم
رنے۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔“

”شادی سے ایک ہفتہ پہلے....“ قیم نے اس کا وصورا جملہ یاد دلایا۔
”شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ مر گئی! اور میں آج بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ اس کی
موت قدرتی تھی۔ کیاذا اکثروں کو روشنوت دے کر اسے ہارث فلیپور کا کیس نہیں بنایا جاسکتا تھا۔
میں بھی نہ تسلیم کروں گا۔ آہ پھر کیا بتاؤں کہ اس وقت سے میرے دن اور رات کیسے گذر رہے
ہیں۔ میں خود بھی کوئی مفلس آدمی نہیں ہوں کہ مجھے سعیدہ کی جائیداد کی خواہش ہوتی۔ اس کی
جائیداد میری دولت کا پچاسواں حصہ بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے خاندان والے۔ وہ پھر خاموش
ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر سعیدہ کے اعزہ وہ عمارت فروخت ہی کر دیں۔“
”تیار ہیں بچھے پر مگر.... میرے ہاتھ نہیں فروخت کریں گے۔ سعیدہ کے سوتیلے چاکو اس
کا ترکہ پہنچا ہے.... وہی ماں ہے۔ اس عمارت کے تمیں ہزار سک دام لگ چکے ہیں۔ لیکن وہ
چالیس ماںگ رہا ہے.... میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پورے چالیس ہزار ادا کر کے ملکیت کے
کاغذات پر اپنانام چھووالو۔“

قیم سوچ میں پڑ گیا کہ صبح تک اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکال پہنچا جائے گا، لیکن
اس وقت چالیس ہزار کی عمارت کے سودے کی بات ہو رہی تھی۔

”اچھا تو پھر کیا مجھے.... وہاں رہنا بھی پڑے گا۔“ اس نے پوچھا
”ملکیت ہی تمہاری ہو گی۔“ پُنس تو قیر مسکرایا۔
”مگر آپ کو اس سے کیا فائدہ...!“

”جب چاہوں گا اس کے درودیوار سے لپٹ کرو سکوں گا۔“ تو قیر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔
قیم کا دل چاہا کہ بے تکاشہ پُنس پڑے، لیکن اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے تعقیبے کا گلا^{گلا}
لھوٹ دیا۔ ویسے یہ سو انہر انہیں تھا مگر فلیٹ کا کرایہ ادا کئے بغیر جان کیسے پہنچتی۔ وہ اپنا سامان وہاں

”میں.... وہ.... عمارت خرید لوں۔“
قیم آہستہ سے بڑیلیا۔ پھر پُنس پڑا۔ پنتر اہا اور بولا۔ ”آپ جانتے ہیں جناب! میں وہا
ملازمت کے لئے گیا تھا۔“

”تو اس سے کیا....؟“
”اگر میں اس عمارت کو خریدنے کی حیثیت رکھتا۔....!
”اوہ تم غلط سمجھے دوست.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں! یہ ایک لمبی کہانی ہے.... سعیدہ
روح بے چین ہے۔ میں اسے کیسے سکون بخشوں.... میرے خدا۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تو
کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر طویل سانس لے کر بولا۔
”سعیدہ کے ورثاء وہ عمارت میرے ہاتھ کبھی فروخت نہ کریں گے۔ وہ مجھ سے خار کھا۔
ہیں۔ میرا نام درمیان میں آتے ہی بھڑک اٹھیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہارے
نام سے خریدا جائے.... تم ہی سو دا کرو۔“

”آپ میری بجائے کسی دوسرے سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں۔“
”اوہ.... مگر پھر سعیدہ کی روح نے تمہیں ہی کیوں منتخب کیا تھا۔ اسے حالات میں کہ
مشابہت ہے.... اس آدمی نے بھی بھی تباہی کا کسی چائے خانے ہی میں اس نے بھی ا
ملازمت کا نذکرہ سن کر عرضی دی تھی۔ میری مراد اس آدمی سے ہے، جس کی موجودگی یہ
سعیدہ کا ہارث فلی ہوا تھا۔ سفید سو دوست سعیدہ بھی مجھے بے حد چاہتی تھی.... ایک بڑی جائیداد
تھہماں اک تھی اس لئے اس کے اعزہ نے چاہا کہ وہ خاندان ہی میں شادی کرے، لیکن سعیدہ کو اس
آمادہ نہ کر سکے اور مجھ سے وعدہ کر چکی تھی.... پھر شادی سے ایک ہفتہ پہلے مجھے بد نصیبی نے آء
دی.... ایک ہفتہ پہلے۔“ اس کی آواز پھر اگئی، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔
”قیم خاموش بیٹھا رہا۔“

کنور تو قیر نے تھوڑے سے ہاتھ ہی ہٹایا اور نہ کچھ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ
حالات میں سو گیا ہو۔
کچھ دیر بعد قیم خواہ مخواہ کھانے لگا۔ شاید اس طرح وہ اسے متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

سے کیسے لا سکتا.... اپنی بہتری چیزیں اُسے بے حد عزیز تھیں۔

"خیر تو پھر.... مجھے وہاں چوکیدار کی حیثیت سے رہنا پڑے گا۔" نیم نے کچھ دیر بعد پوچھ

"اوہ.... چوکیدار کیوں؟"

"آپ وہ عمارت میرے نام سے خریدیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا مالک تو ہو نبی جاؤں مگر۔"

"ایس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو میں اس عمارت میں مالک کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"بلاشہ...!"

"اور ملکر کی کروں گا.... کتنی مغلک خیزیات ہے۔" نیم سکرایا۔

"قطعی مغلک خیزیات ہے.... مگر تم کیوں کرو گے؟"

"پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں کوئی پرش ہوں اور نہ ساہو کار۔"

پرش تو قیر کچھ سوچنے لگا۔ پھر سکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے چوکیدار کی حیثیت سے رہنا لیکن تمہاری جنمواہ کم از کم ایک ہزار روپے ماہانہ ہو گی تاکہ تم کر باحیثیت چو نیدر کی طرح زندگی بر کر سکو۔"

نیم کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنے کافلوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر کیوں؟

اس نے سوچا کیا صرف اتنی سی بات کیلئے کہ وہ اس کی آنجمانی قسم کی محوبہ کا مکان تھا اتنی ذ

کی بات کے لئے چالیس ہزار ایک روپے ماہانہ.... وہ لیلے بیٹوں کے دور کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے بیسویں صدی میں جنم لیا تھا اس لئے اس قسم کا عشق اس کے حلق سے نہ اتر سکا۔

دفعتائے اس عورت کی گنتگویاد آگئی اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر سعیدہ زندگی میں

بھی بہکی بہکی باتمی کرتی تھیں....؟"

"کیوں میں نہیں سمجھا....!"

"مجھ سے انڑو یوں میں سب سے پہلے پوچھا گیا تھا کہ میرے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

پرش تو قیر پڑا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ بالکل وہی۔" اس نے کہا۔ "وہ بڑی ستم ظریف تھی۔ بے حد اوارے:

یک کو انگلیوں پر نچاتی تھی.... مگر کیا مر جانے کے بعد آدمی کی روح پر جسمانی زندگی کی پر چھا بیاں پڑتی رہتی ہیں۔"

پوچھنے کا انداز بالکل بچکانہ تھا۔ جیسے کسی نہیں سے بچنے اپنے دادا جان سے سوال کیا ہو۔ نیم کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ اسی عورت کے متعلق سوچے جا رہا تھا تو کیا وہ حق تجھ کوئی روح تھی.... روح؟ کیسے یقین کر لیا جائے.... اوہ.... وہ اٹھی تصویر.... اس کا دل چاہا کہ وہ پرنس سے اس کا بھی تذکرہ کرے.... لیکن پھر ہمت نہ پڑی۔ کیونکہ پولیس کسی قاتل کی تلاش میں تھی اور پولیس کی "تلاش" اسی طرح کامیاب ہوتی ہے کہ وہ متعلق یا مشتبہ آدمیوں کی پر چھا بیوں پر بھی نظر رکھے۔

"ہاں تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ تیار ہیں۔"

"بب.... بالکل.... مم.... مگر.... یعنی کہ....!"

"فی الحال یہ تم سوچ کھئ۔" پرنی نے دس دس کے تمیں نوٹ میز پر رکھ دیئے اور کرسی پی پشت سے نکل کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے ایسی ہی تھکن ظاہر ہو رہی تھی جیسے گھنٹوں پولو کھیلے کے بعد ابھی ابھی گھوڑے کی زین چھوڑی ہو!

نوٹ میز ہی پر پڑے رہے کیونکہ اٹھی تصویر نیم کے ذہن میں بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہن دہاپنی گردن تو نہیں پھنسا رہا۔ کہنیا یہ کسی قسم کی سازش نہ ہو....!

لیکن.... لیکن.... فلیٹ کا کرایہ.... پٹھان چوکیدار.... اوہ نہہ دیکھا جائے گا؟ اس نے لاپرواںی سے گردن جھک دی۔

دفعتائے پرش نہامت آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"دیکھو دست! تم مجھے پر لے سرے کا حمق کچھ رہے ہو گے۔ کیا میں بالکل گدھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"ارے.... ہو ہو ہو...." نیم ہونٹ سکوڑ کرہنا۔ "آپ کیا فرمائے ہیں جتاب۔"

"ہمیں یہ سو فصدی حماقت ہی ہے، لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں۔ کاش تم میری جگہ

ہوئے اور میری بے بی کا اندازہ اسی طرح لگا سکتے از، ہن کہتا ہے کہ تم گدھے ہو۔"

بُوئی دلکش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تمیں کے درمیان رہی ہو گی۔ پہلے تو اس کے ہونٹ تمیں انداز میں کھلے اور پھر جب حمید اس سے لاپرواہ ہو کر فائز پر فائز کرتا ہی چلا گیا تو وہ بڑے نیچے انداز میں برآمدے سے نیچے اتری۔

”اے مشر...!“ کمپنی ہوئی سی سریلی آواز حمید کے کافوں سے ٹکرائی اور وہ خواہ اسی لرح اچھل پڑا، جیسے ”اے مشر“ کی صد اس کے سر پر ہمتوڑے کی طرح پڑی ہو۔

”آپ کیا کر رہے ہیں...!“

”گھبراں مارہا ہوں۔“

”شرم نہیں آتی...!“

”گھبراں ایسی شر مناک تو نہیں ہوتی۔“

”دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔“

”میرا دماغ تو ٹھیک ہی ہے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا اور پھر درختوں پر نظر دروازے لگا۔ ”اڑے...!“ عورت زیادہ غصب تاک ہو کر بولی۔ ”کیا دھکے دلو اکر نکلو اپڑے گا۔“

”تو آپ خفاکیوں ہوتی ہیں! صرف تمن گھبراں ماروں گا۔“

عورت خلا ہونٹ دانتوں دبائے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ پھر دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر زی کے آثار پائے۔

”گریہ طریقہ کتنا بھوٹا ہے کہ آپ اجازت حاصل کئے بغیر دوسروں کے باغوں میں نشانہ بازی کرتے ہیں...!“ اس نے کہا۔ ”اور پھر گھبراں...!“

”ہو سکتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہو۔ لیکن آپ گھبراں کی طرف سے تراکیوں مان رہی ہیں۔“ حمید نے بھی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا اور عورت کو نہیں آئی۔ اس نے ایک بار پھر اس نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا اور بولی۔

”بُوئے ٹھڑھے معلوم ہوتے ہو۔“

”مکن نہیں جانتا کہ کچھ حاکے کہتے ہیں اس لئے نہ اس پر خوشی ظاہر کر سکتا ہوں اور نہ نہ اس سکتا ہوں۔“

”لچپ...!“ عورت نے چاروں طرف دیکھ کر خندی سانس بھری۔ ”لچپ بھی

”لیکن دل...!“ بائے دل کو کیا کہوں! یہ بعض اوقات آدمی کو دو کوڑی کا بھی نہیں رکھتا۔“

”آپ خواہ مخواہ پر بیشان ہو رہے ہیں جتاب۔“ قیم نے جلدی سے کہا۔ اس کا ذہن الٹی تصویر سے ہٹ کر دس دس کے تمیں نوٹوں پر جم گیا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں پرنس اپنا راہ وہ بدل دے۔

”چھا تو یہ رہا...! سعیدہ کے سوتیلے چھا کا پتہ۔“ پرنس اس کے آگے ایک وزینگ کا رجھنگلا ہوا اٹھ گیا۔

شکاری شاگرد

وحید میشن کی پشت پر آبادی نہیں تھی۔ صرف دو چار عمارتوں کے کھنڈر اپنے شاندار ماضی کی یاد میں بورتے نظر آتے تھے اور پھر ان کے قریب ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ پہیا چلا گیا تھا۔

کیپشن نید اس عمارت کے قریب رک گیا جس کا پتہ فریدی نے دیا تھا۔ کار اس نے بستی میں چھوڑ دی تھی اور یہاں تک پہلی آیا تھا۔

اس عمارت کا رہائشی حصہ کھیتوں کی جانب تھا اور کھنڈر وحید میشن کی پشت پر تھے۔ رہائی حصے کے سامنے ایک بے ترتیب باغ تھا جس میں آم، جامن اور شہتوں کے متعدد درخت تھے۔ بعض پھولدار خودرو جہازیاں بھی تھیں، جن کی اگر سیلیتے سے مرمت کی جاتی تو بد نہانہ معلوم ہوتی۔

حمد کا نہ سے ایک گن اتارتا ہو باغ میں گھستا چلا گیا۔ پرندے تو بکثرت تھے لیکن مقصد انہیں نہ کھانے لگاتا تو نہیں تھا۔ وہ زرد رنگ کی پیسوں؛ نشانہ لگانے لگا۔ ساتھ ہی سکھیوں سے برآمدے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کب کوئی نکھنا بوڑھا لگتا ہے اور کب اسے اپنی اوکاری کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا ہیسے بوکھا بہت میں وہ بندوق کی نال ہی چبا جائے گا۔ کیونکہ برآمدے سے تو چاند طلوع ہو رہا تھا۔ یعنی وہ کسی جھی بوڑھے کی شفاف چندیا کی بجائے ایک چاند سا پچھہ تھا۔

”تاکہ وہ پاگل ہو جائیں.... آپ سے مطلب....!“
عورت گھاس پر بیٹھ گئی.... وہ متین نظر آری تھی اور شاید اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ حید
غیر سنجیدہ تو نہیں ہے۔

”مگر کیوں....؟“ اس نے پوچھا۔

”میں آپ کو اپنے خبی معاملات میں کیوں شریک کروں۔“

”کیا حرج ہے....!“ شاید وہ حید کو بدھو سمجھی تھی۔

”جیسی بات ہے.... اگر کوئی حرج نہیں تو آپ ہی کوئی آسان سی تدبیر بتائیے۔“ حید
ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”گھروالے مجھے احمد سمجھتے ہیں! بات دراصل یہ ہے کہ ان کے باپ
بھی پاگل ہی ہو کر مرے تھے، لیکن وہ کسی طرح پاگل ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔“

”ارے.... تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ مر جائیں....!“ عورت کامنہ پر کھل گیا۔

”کیوں نہ چاہوں۔ وہ مجھے کبیریاں نہیں پانے دیتے۔“

عورت پھر نہ پڑی....!

”آپ میرا مفعکہ اڑا رہی ہیں۔“ حید نے کسی پڑپڑے بچے کی طرح پیر پنچ۔

”صرف اتنی سی بات پر کہ وہ آپ کو بکریاں نہیں پالنے دیتے.... آپ چاہتے ہیں کہ وہ
پاگل ہو جائیں مر جائیں.... کتنی عجیب بات ہے.... کیا آپ سنجیدہ ہیں۔“

”قطیعی رنجیدہ نہیں ہوں....!“

”رنجیدہ نہیں سنجیدہ....“ عورت نے صحیح کی۔

”میں قطعی سنجیدہ ہوں! آپ مجھے شکار بھی کرنے دیں گی یا باتوں ہی میں الجھائے رکھیں گی۔“
”گھبریوں کے کباب سے کوئی پاگل نہیں ہو سکتا۔“ عورت بولی۔ ”وہ تو دمہ کے مریضوں کو
بھی کھلانے جاتے ہیں۔ میں نے سنائے۔“

”اوہ.... تو کیا گھبری کے کباب بیکار ثابت ہوں گے۔“

”میں نے تو نہیں سنائے کہ وہ اس قسم کی چیزوں کیلئے استعمال ہوتے ہوں! البتہ الوکا گوشت۔“
”وہ تو بالکل ہی بکواس ثابت ہوا تھا۔ البتہ اسے کھلا کر میں خود کو بالکل الو محسوس کرتا رہا
ہوں.... سنائے کہ الو کی روحر ذبح کرنے والے کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہتی ہے۔“

معلوم ہوتے ہو! اوہر آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔“

”گھبریوں کا شکار۔“ حید نے تھیر انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”آخر گھبریوں کا شکار کر کے کیا کرو گے.... کس کام آئیں گی۔“

”کتاب....!“

”تو بے....!“ عورت نے نہ اسامنہ بنایا۔ ”چھی.... اوع....!“ اسے اوپکائی سی آئی تھی۔

”حید پھر درخنوں پر گھبریاں تلاش کرنے لگا۔

”تم گھبریوں کے کتاب کھاتے ہو....!“

”میں نہیں کھاتا دھوکے سے اپنے پیاپی کو کھلاوں گا....“ حید نے بڑی سمجھدگی سے کہا۔

”کیوں....؟“

”پہلے الو کا گوشت کھلایا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ایک آدمی نے بتایا ہے کہ گھبری کتاب کھلاو۔“

”تھہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”ارے.... اوہ.... آپ سے تم پر آگئیں۔ کمال ہے! میرا خیال ہے کہ ہماری ملاقات
مدت اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتی۔“

”اور یہ شرافت ہے کہ آپ بغیر اجازت ہمارے باغ میں گھس آئے ہیں۔“

”اس کے لئے میں معافی مانگ لوں گا....!“

”تو میں بھی بے تکلفی کے لئے معافی مانگ لوں گی۔“

”آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں....!“

”ارے واہ....!“ عورت منہ کھول کر رہ گئی پھر نہ پڑی۔

”حید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا تاہو اداہی کے لئے مرا۔“

”ارے نہیں! ماریے گھبریاں مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ مگر ٹھہریے۔ خیر کچھ نہیں۔
لیکن....!“

”حید آنکھیں نکالے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

”آخر آپ نے اپنے پیاپی کو الو کا گوشت کیوں کھلایا تھا۔“

کچھ دیر بعد وہ چوک پر ایکو نکلے عمارت سے کسی کے چینٹ کی آوازیں آئی تھیں۔ اس نے جھاک کر خیکھا عورت برآمدے میں کھڑی چیخ رہی تھی اور بوڑھا اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔ ”نہیں مجھے جانے دو! اب میں ایک منٹ بھی اس کھنڈر میں نہیں رہ سکت۔ سمجھے، مکھی چوس کہیں کے۔ کتوں...!“ عورت کہہ رہی تھی۔

”ازے سنو تو سکی اونکھوں میں دوسری عمارت خریدوں گا۔“

”تو تم نے اب تک مجھے دھوکے میں کیوں رکھا تھا۔ یہ کیوں کہتے تھے کہ اس کو بھی میں رہنے میں کچھ قانونی دشواریاں ہیں۔ اگر قانونی دشواریاں تھیں تو تم نے اسے فروخت کیے کر دیا۔“ ”میری بات بھی تو سنو! وہ منحوس تھی۔“ بوڑھا ہمپتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں وہاں کیے رکھتا۔ اب دیکھو... اسی رقم سے کتنی شاندار کوٹھی خریدتا ہوں۔“

”تم کبھی کچھ نہیں کر سکتے... کچھ نہیں کر سکتے... بن غزلیں کہا کرو۔“

”ابن ختم بھی کرو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے اندر اندر کوٹھی ضرور خرید لوں گا۔ چلو اندر چلو۔“

”میں نہیں جاؤں گی...“ عورت چیخ کر بولی۔ ”میرا دماغ غراب ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کھلی ہو امیں نہ لٹانا چاہتی ہوں۔“

”کیا میں بھی نہلوں...!“ بوڑھے نے پوچھا۔

”پھر فائدہ ہی کیا ہو گا! مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دیر تک تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی، چلے جاؤ۔“

”تم بعض اوقات مجھ پر زیادتی کرنے لگتی ہو۔“

”جاڈا اندر، ورنہ تم کھا کر کھتی ہوں کنوں میں چھلانگ لگادوں گی۔“

بوڑھا چپ چاپ اندر چلا گیا اور عورت نے باہر سے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے کہا۔ ”ایک کھٹے سے پہلے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی!“

بے ذہب معلوم ہوتی ہے۔ حید نے سوچا... وہ اسی طرف آرہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھاڑیوں میں کھس آئی۔ حید سنبھل کر پیٹھ گیا۔

وہ نہایت اطمینان سے ان کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچنے لگا۔ حالانکہ سوچنا یہ چاہئے کہ بوڑھے تک پہنچنے کی کیا صورت ہو۔

”آپ شاعر تو نہیں ہیں! خدا نخواستے...!“ ”خدا نخواستے کیوں؟“ حید نے جیرت ظاہر کی۔ ”پکھ نہیں بس یونہی... اور... جلدی... جلدی... فوراً اس جھاڑی میں چھپ جائے... فوراً...!“

وہ اٹھ کر اسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ ویسے حید نے بھی قدموں کی آہٹ سنی تھی۔ ”گک... کیوں...!“ اس نے بوکھلاہٹ کی اینٹنگ کی۔

”چلو...“ عورت نے اسے جھاڑیوں میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”چھپے رہنا...!“

حید اپنی کھوپڑی سہلار باتھا۔ پھر اس نے وہاں چھپے ہوئے آنے والے کو دیکھا۔ یہ ایک بوز اور پستہ قد آدمی تھا۔ شیر وانی کے میں کھلے ہوئے تھے اور دہانے کے گوشے سے پان کی سر دو نوں جانب کی جھریلوں میں پھسل آئی تھی۔ بال بے ترتیب تھے۔ ”اوہ ڈیزیر...!“ عورت کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

وہ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور چاروں طرف مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ”تم یہاں کیا کر رہی ہو۔“

”ارے واہ... غزل کہہ رہی تھی۔“

”تم اور غزل.... چلو اندر چلو... تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔“

”دیکھو نہہروا! میں اس مصرے پر غزل کہہ رہی ہوں...!“ اس نے بلند آواز میں کہہ ”میں سفر پر جا رہی ہوں مرانتظار کرتا۔“

مصرعہ سن کر حید نے شہنشہی سانس لی اور بوڑھا بولا۔ ”بکواس...!“

پھر وہ دونوں برآمدے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

حید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا پکھر ہے۔ کیا وہ اس کی بیوی تھی۔

واہ کیا مصرعہ عنایت کر گئی ہے۔ مگر کتنی دلکش ہے۔ یہ شادی کس طرح ہوئی ہو گی۔

وہ نہایت اطمینان سے ان کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچنے لگا۔ حالانکہ سوچنا یہ چاہئے کہ بوڑھے تک پہنچنے کی کیا صورت ہو۔

جید بندوق زمین پر ڈال کر اٹھ گیا۔ بوڑھے کی بیوی ہی ساری مشکلات کا حل بن گئی تھی۔
لئے وہ اسے سو فصدی اپنا کارتھام سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔
وہ خورت تو خود ہی اس سے دوستی پیدا کرنے کی خواہش مند معلوم ہوتی تھی۔
”تمہارا نام کیا ہے...؟ مطلب کہ تخلص....!“
”پرواز فاختی...!“

”خوب.... تو آؤ....!“

”آپ کے والد ہیں۔“ جید نے چھیڑنے کے لئے پوچھا۔
”نہیں میں ان کی والد ہوں۔“

جید کو حق بھی آگئی اور اس نے سوچا زندہ دل بھی ہو محترمہ ازمنہ رہنے کے لئے اپنی کھال
کتنی تہمیں چڑھانی پڑتی ہیں یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قباقوں سے بھی جما لکتی رہے....!
وہ اس کے ساتھ جلنے لگا۔ برآمدے میں بھیجن کر وہ پھر رک گئی اور مژ کر آہستہ سے بولی۔
نروس نہ ہو جانا.... میں انہیں پہنڈل کر سکتی ہوں۔“
جید نے سمجھنے سے ہونٹ بند کر کے تھیں انداز میں سر کو جنمیش دی۔
وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھونے لگی تھی۔

لیکن اندر چھپتے ہی بھوچمال سا آگیا۔ جید کو دیکھ کر پہلے تو بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے
پھیل گئی تھیں اور پھر وہ یک یہک اپنی بیوی پر برس پڑا تھا۔ ”حد ہو گئی! میری خاموشی کا یہ مطلب
وہ نہیں ہے کہ تم، جو کچھ بھی چاہو کرتی پھر وو۔“
”میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔“ بیوی نے اُسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور اچانک
ایسا معلوم ہوا جیسے کسی الیکٹریک شاک ہی نے بوڑھے کو ساکت کر دیا ہو۔ اب اس کی پلکوں کے
چھپنے میں بے بُکی کا ساند از پیالا جاتا تھا۔

”یہ گک کون ہیں!“ اس نے تھیف سی آواز میں پوچھا۔
”میری شامت ہیں۔“ بیوی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔
”میں نہیں سمجھا....!“

”شاعر ہیں! شاگرد بننے آئے ہیں۔ بڑی دیر سے میری کھوپڑی چبار ہے ہیں کہ سفارش

طاری کر کے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے مجھے اس طرح کیوں روک دکھا ہے۔“
”میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔
”کیوں....؟“ جید نے بوكھلاہٹ ظاہر کی۔
”تم کوئی چور ہو۔ اسی طرح پائیں باغوں میں گھستے پھرتے ہو۔ موقعہ ملا تو کوئی چیز
بھاگے۔“

”اچھی بات ہے! میں تیار ہوں۔ بلااؤ پولیس کو۔“

”تم کہاں رہتے ہو....!“

”پنس کا بچ کے ہوٹل میں....!“

”ہوں....!“ عورت آنکھیں نکال کر بولی۔ ”اوہر کیوں آئے ہو۔“

”وہ.... وہ.... دیکھئے....!“ جید کا چہرہ اتر گیا اور وہ اپنی پیشانی رکھنے لگا۔

”ہوں.... بولو....!“ عورت نے آنکھیں نکالیں۔

”میں بتا دوں.... آپ بخ.... خطا تو نہ ہوں گی۔“ وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

”کہو.... جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

”میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔ اکثر دور سے دیکھا ہے۔ یعنی کہ.... یعنی کہ۔“

”تم جھوٹے ہو! اپنی غزل پر اصلاح لینے آئے تھے۔“ عورت جملائے ہوئے لہجے میں با
کر بولی۔ ”مگر نصرت صاحب شاگرد نہیں بناتے۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔“

”اوہ.... جید نے دل نہیں دل میں قہقہہ لکا کر سوچا.... وہ محترمہ واد.... اس طری
مجھے خود ہی وسر اراستہ دکھار ہی ہو.... ذہین بھی ہو اور حیلہ جو بھی۔“

”کیا آپ روشن ضمیر ہیں....!“ جید نے تھیرانہ لہجے میں کہا۔

”ہوں ہے نا.... کیسا پہچانا.... اچھا چلو کرو میری خوشامد.... شاگرد بنوادوں گی۔“

کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ تم جیسے نہ جانے لئے آتے ہیں اور جھک مار کر چلے جاتے ہیں
تم پر احسان کروں گی۔ کچھ غزلیں زبانی بھی یاد ہیں یا نہیں۔“

”ئی....!“

”اچھا تو یہ بندوق یہیں چھوڑ دو۔“

اور اسے محض اس لئے ایک ہزار روپے مہانہ دے گا کہ وہ اس عمارت میں رہیسانہ نٹھ کے ساتھ قیام کرے؟

کیا چکر ہے؟ اس کا صل مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ بکور تو قیر کی کہانی پر یقین کرے.... اگر وہ بے کار نہ ہوتا تو ان الجھنوں میں کبھی نہ پھنتا۔

پھر کیک بیک اسے اٹھی تصویر یاد آگئی۔ اس آدمی کی تصویر جو پہ اسرار حالات میں قتل کر دیا گیا تھا۔

تصویر کا خیال آتے ہی اس کے ذہن پر ان جانا ساخوف مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں یہ خوف

سعیدہ کے بھوت کے خوف سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوا تھا۔

ایک دن پہلے جس آدمی کی اٹھی تصویر دیکھی تھی، وہی دوسرے دن مردہ پایا گیا۔ لیکن وہ سر

کے مل کیوں کھڑا ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اس کی موت سے اس کی اٹھی تصویر کا کچھ نہ کچھ تعلق

ضرور تھا۔ ورنہ وہ وہاں نظر ہی کیوں آتی....؟ پھر کیا یہ عمارت بھی کسی طرح اس کی موت کے

سلسلے میں زیر بحث آسکتی ہے؟

نیم کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بعض قاتل اپنا حرم دوسروں کے سر تھوپنے کے لئے بہت کچھ کر گزرتے؟ لیکن اسے پہلے ہی یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا، حالانکہ اس جنگل میں

چنسنے سے پہلے ہی اس نے مرنے والے کی تصویر اخبارات میں بھی دیکھ لی تھی۔ پھر کیوں پھنس

گیا.... کیا مقدر.... کیا مقدر اسے کسی جہنم میں جھوٹکنے والا ہے۔

لکاک نے رات کے بارہ بجائے اور اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ اٹھا اور خواب گاہ کی

طرف چل پڑا۔

ایک راہداری کی گھنٹی بجئے گئی اور اس کے قدم راہداری کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

اوہ پرنس تو قیر کے علاوہ اور کون ہو گا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ مگر وہاں اسے پرنس تو قیر کی بجائے وہی بوڑھا آدمی نصرت نظر آیا

جس سے اس نے عمارت خریدی تھی۔

”فرمائیے جتاب....!“

کر دیجئے۔“

”اوہ.... کس نے بھیجا ہے آپ کو....؟“ بوڑھے نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
”میں جتاب بہتوں سے تعریف سنی تھی! کبھی لوگوں نے کہا تھا کہ آپ سے بہتر استاد اس میں دوسرا نہیں نہیں نہیں۔“

”مگر میں شاگرد نہیں بناتا۔“

”مجھے علم ہے جتاب مگر میری درخواست نہ ٹھکرائے!“

”میں اپنا اصول تو نہیں توڑ سکتا۔“

حمدید کو اب اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ وہ نیکھیوں سے دیوار پر لٹکتی ہے را تکل کو دیکھ رہا تھا.... را تکل.... جس میں یقین طور پر سائینسر بھی موجود تھا۔

”مگر میں وعدہ کر چکی ہوں۔“ اس نے پیوی کی آواز سنی اور پھر بوڑھے کی طرف پر طرح متوجہ ہو گیا، جو اپنا خچلا ہونٹ کچھ ایسے انداز میں چوپ رہا تھا جیسے اُسے نگل ہی جانا چاہتا، لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ غصے کی علامت تھی یا زہنی الجھاوے کی۔

”خیر....!“ وہ بھرائی ہوئی کی آواز میں بولا۔ ”اگر وعدہ کر چکی ہو تو... ہم نہیں ہے۔“

حمدید نے طویل سانس لی۔

نذر پور ہاؤز

عیم بوکھلایا ہوا تھا اس لئے نہیں، کہ پٹھان چوکیدار نے اس کا سامان فلیٹ سے نکال کر پھینک دیا تھا بلکہ بوکھلائت کی وجہ نیز تھی کہ اس نے صرف فلیٹ کا کرایہ اس کے منہ پر پھینک مارا۔ بلکہ آج ایک ایسی عمارت میں رات گزارنے والا تھا، جو شاید کبھی خواب میں بھی اسے نہ دکھا دیتی۔ اور وہ عمارت اُنہی کے نام سے خریدی گئی تھی.... لیکن.... کیا وہ عمارت آسیب زدہ تھی.... کیا وہ حقیقتاً اکٹر سعیدہ کا بھوت تھا؟ اگر یہی بات تھی تو کیا وہ سکون سے رات بر کر سکے گا۔ پھر وہ پرنس تو قیر کے متعلق سوچنے لگا۔ پوری عمارت سنان پڑی تھی۔
کیا پرنس تو قیر پاگل نہیں ہے؟ ایک مردہ عورت کے لئے چالیس ہزار روپے خرچ کر دے

بوز خاموش ہو کر متنی خیر انداز میں مسکرا لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں آ کا انتظار کروں گا۔“

آں کا انتظار کروں گا۔“

۱۰۷

”آپ کا نقصان کیا ہے! بھی دیکھئے۔ اگر آپ کہیں گے کہ عمارت آسیب زدہ ہے تو وہ ضدی عورت اسے فروخت ہی کر دینے میں عافیت سمجھے گی اور میں اس کی بک جھک جھک سننے سے بھی بچ جاؤں گا۔“

”عارت تتو سے بھی اس زدہ مشکورے۔“

تکمیل نکن که "G" از زیرا که

”لوگ کہتے ہیں کہ اکثر راتوں کو انہوں نے ڈاکٹر سعیدہ کی ہم شغل ایک عورت یہاں دیکھی بڑاں ہے اون ہٹاہے ہے۔ بورے کے بر اسماں میں اڑا رہا۔“

“مَنْ كَوَّبَ شَعْرَهُ فَلَا يَأْتِي بِكَوْكَابٍ”

میرے بیوی کے دوں سے اوس بیوی سے تھوڑی دیر بعد اس نے اس کا پتہ پوچھا۔ وہ ابھی تک بوڑھے کے صحیح پتہ سے واقع نہیں ہوا تھا گو اس نے کمی پار شا اور دیکھا تھا لیکن اس قدر دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کہ وہ ذہن نشین ہو جاتا۔ سودا ایک دلال کے ذریعے ہوا تھا، جو نصرت کو شہر کے ایک ہوش میں لایا تھا اور وہیں دونوں کی ملاقات ہوئی تھیں۔ خود صیم اس کے گھر نہیں گما تھا۔

”آپ بہت آسانی سے پہنچ جائیں گے! میرا مکان ٹھیک وحید میشن کی پشت پر واقع ہے.... دولت گنج میں کسی سے بھی وحید میشن کے بارے میں پوچھ لجئے گا۔ بہت مشہور عمارت ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

”وحید میشن... دولت گنج...!“ یم نے تحریرہ انداز میں دھر لایا۔ پوہ... وہی تو
نبیک... جمال سے وحدہ اے“

“**ج** **م** **ش** **ك** **ه** **م** **ش** **ج** **م**”

سماں ہاں!... میں ہاں! اس حادثے کے بعد تو وہ ہمارت اور

جو کے سر ہلا رکھا۔

”کا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے.....!“ بوڑھے نے کہا۔

”اوہ کوئا نہیں اندر تھے لف لے جائے جناب۔“ یہم پچھے مبتداہ الہا۔

وہ اسے نشست کے کمرے میں لا لیا۔ بوڑھے کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جو بھی اکٹھا تھا، ایک حصہ کر بغیر نہیں کر سکتے۔

۱۰۷

میں بڑی اُس نے میں پڑ لیا ہوا
یک شان

”بے لفہی سے فرمائیے۔“

”میرنی بیوی اس سودے کے حق میں نہیں ہے۔“

”مگر اب کیا ہو سکتا ہے....“ قیم نے جھرت سے خہا۔
”اوہ.... میرا سہ مطلک نہیں سے کہ آب عمارت خالی کر دیتھے۔ میں تو کسی طرح اے

ک بعض تئن نو شہر

رہنمائی پر بھروسے ہے۔

”یہ پین اس سے لیا فائدہ ہوگا۔“
 ”یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں نہیں بتاسکوں گا۔“
 ”اچھا چلے! آپ نے انہیں باور کر دیا کہ سودا نہیں ہو سکا! پھر؟ میں توہر حال میں نہیں رہوں گا۔“

”اے۔۔۔ جو کوئی فرق نہیں دیتا کہ اسی گلکھ تے کافی ہے۔۔۔“

اُن سعے ہی وویں مریض یعنی پرہیز دیا جائے گا کہ اپنے راستے پر

”میں ہیں بمحض سلا۔“ حکیم نے اسے ٹوٹنے والی لظروں سے دیکھا۔

قطعی ... آوه

“کھلائیں”

۱۰۷

”وہاں.... آخر میں کیا کروں گا۔“
 بودھا کی سوچ میں پڑ گیا۔ مگر بولا۔ ”اوه دوسرا مذہب بھی ہے۔ میں اس سے یہ بتاؤ ہوں کہ سودا کر رہا تھا لیکن بعض قانونی دشواریاں آپڑی ہیں.... لیکن شاید خریدنے والا کراہ کی حیثیت سے وہاں رہ سکے.... آپ آگر صرف اتنا کہہ دیجئے گا کہ عمارت آسیب زدہ ہوتی ہے۔ آپ رات بھروسے نہیں سکے....!

بوزھا بھی خاموش ہو گیا تھا۔ فیض سوچ رہا تھا کہ اٹی تصور کا تذکرہ کس طرح چھیڑے۔ اب تو معاملہ اور بھی زیادہ نہ اسرار نہ تجاہل تھا۔

”سر وحید آپ کے کوئی عزیز تھے۔“ آخر کار اس نے پوچھا۔

”لا حول ولا قوۃ....!“ بوزھا بہتر استمنہ بن کر بولا۔ ”وہ کیوں میرا عزیز ہونے لگا۔“

”ڈاکٹر سعیدہ سے کوئی تعلق تھا۔“

”نہیں صاحب۔“ بوزھا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ بھلا ہمیں اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”اوہ.... میں نے یونہی پوچھا تھا۔ بہر حال وہ آپ کا پڑوی تو تھا۔“

”پھر اس سے کیا....!“ بوزھا فیض کو گھوڑہ رہا تھا۔

”اوہ.... کچھ نہیں! بس.... میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کا تذکرہ تاگوار گذرائے۔“

”عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”بھی مجھے کیوں گراں گزرنے لگا اس کا تذکرہ... جہنم میں جائے۔“

”اف فو! آپ پھر غلط سمجھے۔ سارا شہر یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہے کہ وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوتا تھا۔ قدرتی بات ہے اگر میں آپ سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں! کیونکہ وہ آپ کا پڑوی تھا۔“

”ہوں تو دیکھئے۔“ بوزھا غصیلے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ ”سارے شہر کو بتاؤ مجھے کہ وہ شر کے ہر فرد کو گدھا سمجھتا تھا۔ اگر وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا تو مت سمجھو کہ اس کا دماغ چل گا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ سر کے بل کھڑے ہونے میں اسے ایک کے چار نظر آتے رہے ہوں۔“

بوزھا اٹھا اور الوداعی سلام کے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔



”رپورٹ....!“ کرمل فریدی نے حید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ اپنی تجربہ گاہ کی ایک میز پر جھکا ہوا خون کے کچھ نمونے لٹک کر رہا تھا۔

”حید کی لگاہ دیوار کی گھری پر بھی ہوئی تھی۔ جس نے ابھی ابھی سماں ہے بارہ بجائے تھے۔“

”رپورٹ صرف دہرانی نہیں جاتی بلکہ سنی بھی جاتی ہے۔“ حید اور پری ہوٹ بھیجنے کر بولا۔

”میں سن رہا ہوں۔“

”مگری کے کلب حاضر ہیں! اور آپ کے علاوہ دنیا میں ایسا اور کون ہے جسے میں باپ کہہ سکوں۔“

”میں کو اس شروع کر دی۔“

جواب میں کو اس نے تفصیل اختیار کر لی اور بالآخر حید نے اسے بتایا کہ نصرت نے اسے اپنا ناگور دیا ہے اور اس نے استاد ذوق کی ایک غزل اصلاح کے لئے پیش کی ہے جس کے پورے پورے صرخے نصرت نے بدلتے ہیں۔

”ہوں تو گویا اب تم وہاں اپنا کچھ وقت گزار سکو گے۔“

”ساری زندگی وہیں گذر سکتی ہے۔“ حید نے مختصری سانس لے کر کہا۔

”ٹھیک ہے.... اور کچھ۔“

”بہت کچھ.... بڑی دلکش عورت ہے۔“ بوزھے کے بھی پن سے بُجھ کر اس نے اسے ناگروں کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی، دو چار اور لاو۔ دونوں کے رہمیاں بڑی دلکش جگ جگ ہوتی ہے۔“

”ہوں.... کیا تمہاری موجودگی میں بھی جگ جگ ہوتی تھی۔“

”قطعی ہوتی تھی اور اسی جگ کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی مغلظہ آدمی نہیں ہے۔“

”اچھا....!“ فریدی ثٹ ثیوب میز پر ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”وہ اسی عمارتوں کا مالک ہے جس کے دام چالیس ہزار تک لگ سکیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا ہے۔“

”کام کی بات نہ رایک....؟“ فریدی مکرایا۔

”ہے ناکام کی بات! چلے کچھ تو ہوا۔ اچھا باب دوسرا کام کی بات ہے اس کی یوں۔“

”مگری....!“

”وہ بے حد ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیں سال ہو گی، لیکن نصرت بوٹھے ہیں۔ اگر وہ کوئی قدامت پسند عورت ہوتی تو میں یہ سمجھ لیتا کہ ان کی شادی کی بوری کے تحت ہوتی ہو گی۔ یعنی اس میں والدین کی زبردستیوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن وہ تو

الرا مودرن قسم کی چیز ہے۔ جو والدین کو ذفر کہہ کر معاملہ ختم کر دیتی۔ پھر عمروں کا یہ تفاوت کہ معنی رکھتا ہے۔

”ہس فکر میں تہ پڑا! ذہنی صحت کے اعتبار سے دنیا میں متفقہ اقسام کے لوگ پائے جاتے ہیں، جن کے متعلق تم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے! لہذا عمروں کے تفاوت پر غور کرنے کی بجائے اس معاملے میں کام کا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اس الرا مودرن عورت نے ان گھنڈر میں رہنا کیسے منظور کر لیا ہے، جب کہ کوئی ایسی عمارت بھی موجود تھی جسے وہ اتنی قیمت پر بخیج کرے۔“

”ہاں.... ٹھہریے! میں اسی سوال کی طرف آرہا تھا۔“ حمید سر ہلاکر بولا۔

”لیکن آپ.... خیر جانے دیجئے۔ میں اب ان کی عمروں کے فرق کا مذکور نہیں چھپوں گا۔ شاید آپ کو اپنا مستقبل نظر آنے لگتا ہے.... میں کہتا ہوں جب شادی کے بغیر گزارہ نہیں اپنے ہاپے میں کیوں کی جائے۔“

”غیر متعلق باتیں نہ کرو۔“ فریدی نے اسمنہ بنا کر بولا۔

”خیر.... ہاں تو ان دونوں کے درمیان جھگڑا اسی بات پر ہوا تھا۔ اس نے اسے اطلاع دی تھی کہ کسی عمارت کا سودا چالیس ہزار میں ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے شاید وہ اس سے کہتا رہا تھا کہ کسی قانونی دشواری کی بناء پر نہ تودہ اس میں رہ سکتے ہیں اور نہ اسے فروخت کر سکتے ہیں۔ لہذا اس نے بات بڑھ گئی، جب اس نے سودے کی خرچتائی اور میرا خیال ہے کہ میں اس کا شاگرد بھی اس جھگڑے کے سلسلے میں بن گیا تھا۔ ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گھر میں اجنبیوں کا داخلہ پسند کرے۔“

”کیا وہ عمارت کی فروختگی کی خلاف تھی۔“

”صرف اس حد تک کہ وہ اس گھنڈر میں رہنا چاہتی۔ لہذا جب نصرت نے اس طمیان دلایا تھا کہ وہ ان چالیس ہزار روپوں سے کوئی دوسرا عمارت خرید لے گا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔“

”ہوں.... لیکن اس نے اس حادثت پر اعتراض تو ضرور کیا ہو گا کہ ایک عمارت کا دوسرا عیاری خریدی جائے.... کیا وہ اسی عمارت میں نہیں رہ سکتے تھے۔“

”اوہ.... یاد آیا۔ یوڑھے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمارتِ مخصوص ہے اس لئے اسے فروخت بخیج مناسب ہے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”مگر تم اتنی دیر تک ہاں رہے۔“ ”استاد اور استانی کی کٹکٹش میں پھنس کر رہا گیا تھا۔“

”کیوں؟.... کیا بات تھی۔“

”استاد چاہتے تھے کہ اب میں جہنم میں جاؤں۔ لیکن استانی کا قول تھا کہ نہیں ابھی بیٹھو میں کھنڈر ہی کو جنت بنا دوں گی....!“

”سید ہے سادھے الفاظ میں گفتگو کرو۔“

”اُرے صاحب استاد چاہتے تھے کہ میں دفع ہو جاؤں لیکن جب بھی میں اٹھنا چاہتا، استانی تھیں، اُرے ایسا بھی کیا ابھی بیٹھے۔ استاد جز بزر ہو کر کہتے جانے دو، ممکن ہے کوئی کام ہو.... اپر استانی مجھ سے پوچھیں کوئی کام ہے.... ظاہر ہے کہ میں استانی سے کیسے جھوٹ بول سکتا ہیں کہتا رہا کہ مجھے کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے جس کے نہ ہونے پر نقصان کا احتمال ہو۔ آخر دنے جلا کر کہا تھا کہ آپ کتنے بیکار آدمی ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں اس کے علاوہ اور کیا عرض کیا تھا کہ باکار لوگ آدمی تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعر نہیں ہو سکتے۔ وہ زیادہ بگڑے تو استانی پھر ان کا جھگڑا نکال بیٹھیں اور خود انہیں ہی بور ہو کر بھاگنا پڑا۔.... جب وہ پڑے گئے تو اس نامعقول نے مجھے بھی گھر سے باہر نکال دیا۔“

”وہ کیسے....؟“ فریدی نے دلچسپی خاکہ کی۔

”اُرے اتنا بُر امنہ بنا کر کہتا تھا کہ آپ بھی تشریف لے جاسکتے ہیں کہ میں مجھے ایسا ہی محسوس تھا، جیسے دو چار چلپیں جہاز کر تشریف لے جانے کی اسندة عاکی ہو۔“

”خوب....!“

”اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔“ حمید نے سجدگی سے کہا۔

”اوہ تو کیا وادیعی دو چار چلپیں....!“ فریدی مکرایا۔

”اُنکی قسمت کہاں ہے کہ عورتوں کے ہاتھ کی مار ہی سکی.... نصیب تو ہو سکے۔“ حمید ندی سانس لے کر بولا۔ ”دوسرا بات تھی.... میں کئے ہوئے پنگ کی طرح ڈگ کھاتا اس جگہ

سچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی روپورٹ یک بیک اتنی عافیت سوز ہو جائے گی۔ وہ جانتا تھا کہ بیدی نے اپنے ساتھ آنے کو اس نے نہیں کہا تھا کہ وہ باور پی خانے میں اس کا ہاتھ بنائے! لیکن در پر باہر جانا تھا۔

”میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔“ حمید منتابا۔

”اب رات کہاں دھڑی ہے! ایک نک رہا ہے فرزند.... دوسرا ان شروع ہو گیا!“ فریدی نے زینے طے کرتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے آئے اور فریدی نے کہا۔ ”فکر مت کرو... ہم کسی اسی بلے ہرگز نہیں جائیں گے، جہاں تمہاری بھوک تم پر ادھار رہے۔....!“ اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماڈ تھہ میں میں بولا۔ ”بیلو... از اٹ فیجر...“

”لپیز... ذرا معلوم بیجے۔ کیا سائز لکھن اپنی میز پر موجود ہیں.... اوہ... بہتر...!“ وہ کچھ دیر یک خاموش رہا پھر یک بیک بولا۔ ”بیلو... موجود ہیں۔“

”اوہ... شکریہ.... جی نہیں! بس یہی معلوم کرنا تھا، انہیں تکلیف نہ دیجئے۔“ دور سیور رکھ کر مڑا.... اور حمید کو آنے کا اشارہ کرتا ہوا اہدواری کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد لیکن کپاؤٹ سے باہر نکل رہی تھی۔

”ہم جنت کے باور پی خانے کی طرف قوپرواز نہیں کر رہے ہیں....؟“ حمید نے بوکھلائے وئے لبھ میں پوچھا۔

”صرف ہائی سرکل کلب تک...!....“

”لکھن کون ہے؟“

”لکھن.... لکھن ہے۔“

”نذر پورہاؤز...“ حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”آپ صرف اس کے نام پر دوڑے بارہے ہیں۔ لیکن میری بات پوری کب ہوئی تھی۔“

”کیوں....؟“

”میں نے نذر پورہاؤز کے چالک پر دو آدمیوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔ لیکن ان میں سے ایک اپرہ نہیں دیکھ سکا تھا اور دوسرا تو وہی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے اندر چلے جانے پر سچ رہا تھا کہ اس کی واپسی ضروری نہیں ہو سکتی! ممکن ہے میں رہ جائے۔ پھر مجھے

پہنچا تھا جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ صرف نظر آیا جو ایک لیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے خواہ خواہ اپنے گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ چلا رہا۔ آخر دہ ایک عمارت کے سامنے اڑا اور اندر چلا گیا۔ عمارت شاندار تھی! پائیں باع کی چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں ہے! میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی بیرداز برآمدے تک کاظمارہ کر سکتا تھا۔ بوڑھے کے گھٹھی بجائے پر ایک آدمی نے دروازہ کھولا تھا، اور اسے اندر لے گیا تھا۔ پھر تقریباً میں منٹ بعد بورہا بہر آیا، جو بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے رکھی تھی۔ لیکن چل پڑی، لیکن میں اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے بوڑھا اسے گالیاں دے کر بھاگا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔“

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جبکش دی اور حمید نے کہا ”شاید دس منٹ بعد وہ آدمی پھر باہر نکلا اور چالک کو مقفل کر کے سڑک پر آیا۔ چالک کو مقفل کرنے کا مطلب یہی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمارت میں تھاہی تھا۔ ہر حال وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے بھی گاڑی وہیں چھوڑ دیتی پڑی۔ لیکن اس تک وہ پیدل آیا، اور روت نمبر کی ایک بس پر بیٹھ گیا۔ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم کیمگ روڈ کی کراسک پر اتر گئے اور پھر کہ دوسرے پیدل چلنے کے بعد وہ نذر پورہاؤز کی کپاؤٹ میں داخل ہو گیا۔“

”نذر پورہاؤز...!“ فریدی یک بیک چونک پڑا۔

”کیوں...؟“ حمید نے اسے ٹوٹنے والی نظر وہیں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں... کہتے رہو...!“

”کیا کہوں؟... ظاہر ہے کہ وہ اندر چلا گیا تھا۔ کپاؤٹ کے اندر میں کیسے داخل ہوتا۔“

”یہی بہت ہے...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا مختصر بانہ انداز میں بڑوایا۔ ”نذر پورہاؤز... سرو حمید... سرو حمید... اوہ...!“ پھر حمید کی طرف دیکھ کر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا رے ساتھ آؤ۔“

دوسری واردات

گھڑی اب ایک بخاری تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اچھل کر دیوار کی گھڑی ہی سے سرگزرا۔

خالی دیکھنا گوارہ نہیں کرتی تھیں۔

فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر میزوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک جانب بڑھتا ہوا آپسے بولا۔ ”چلے آؤ...!“

حید نے اسے ایک میز کے قریب رکتے دیکھا جہاں ایک مرد دیوریشن لڑکوں کے ساتھ بینا شراب پی رہا تھا۔ لذکار قول صورت تھیں لیکن مرد جسمانی اعتبار سے بھدا اور بد شکل تھا۔ وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے فریدی کو گھومنے لگا۔ جیسے پہچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکوں کے منہ بھی کھل گئے تھے۔

”اوہ.... گک.... کیا.... مطلب....!“ وہ بھراں ہوئی آواز میں بڑھا۔

” غالباً.... تم نے مجھے پہچان لیا ہے مسٹر لکھن پال....!“

”ہوں.... مگر کیوں....!“ لکھن غریا۔ انداز بالکل کسی لکھنستے کتے ہی کا ساتھا۔

”چکھ بھی نہیں۔“ فریدی کری سکھنے کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”صرف اپنی معلومات میں کسی قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔“

حید اس کی پشت پر کھڑا۔

فریدی نے بھی اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ اگر کہتا بھی تو اسے کھل جاتا کیونکہ پچھے کھڑے رہ کر وہ آسانی ان دونوں لڑکوں کو اشارے کر سکتا تھا۔

”آمد کا مطلب....!“ لکھن اس طرح بولا جیسے فریدی کے الفاظ اس کے کافیں تک پہنچے ہی نہ ہوں۔

”میری آمد کا مطلب یہیہ آمد ہی ہوتا ہے.... رفت نہیں۔“ فریدی سکرایا۔

”مگر کیوں.... لکھن نے مضطربانہ انداز میں لڑکوں کی طرف دیکھا اور پھر حید کو گھوڑتے ہوئے دوبارہ فریدی کے چہرے پر نظر جادی۔ حید نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر اپنے سر کو خفیہ سی جنبش دی تھی اور دانت بھی دکھائے تھے۔ ویسے انداز چڑانے ہی کا ساتھا۔“

”کہنے.... میں تھا بیٹھنا زیادہ پسند کرنا ہوں۔“

لکھن نے پلکن جھپکائیں۔

”میں سر و حید والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔“

کیا کرنا چاہئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد روشن سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ آنے والے چھانک عیا کی طرف آرہے تھے۔ میں دیوار سے چپکا ہوا پچھے کھک گیا۔ چھانک پر بھی ابھر اتھی تھا۔ آنے والے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے آئے تھے اور چھانک پر رک گئے تھے اور اب میں ان کو گفتگو صاف سن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک کو کہتے تھا اور یکھوڑو سے۔ تم پریشان کیوں ہو! پروادہ منہ کرو۔ اگر تم اس بوڑھے کے گھر گئے تو تمہاری تھنائی بھی رفع ہو جائے گی۔ ضرور جاؤ۔ اگر تم اس کی بیوی کو اس سے جدا کر سکے تو بہت بڑے انعام کے متعلق ہو گے.... ہو سکتا ہے کہ میں از عمارت سے تمہارے حق میں ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاؤں.... پھر بڑو سری آواز نے پوچھا۔ آخر کیوں.... میں اس کی بیوی سے اسے جدا کیوں کر دوں.... پہلی آواز کا جواب تھا۔ آہ میر۔ یعنی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی بھی اسی طرح دیران ہو جائے میں میری ہوئی ہے۔“

حید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس کے بیان پر رائے زنی نہیں کی۔ اچانک تھوڑی دیر بڑھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے۔“

”ایسی صورت میں جب کہ نصرت کو رخصت کر کے وہ سیدھا نذر پور ہاوز پہنچا تھا، میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں۔“

”تعہیں یقین ہے کہ دوسرا آدمی وہی تھا، جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔“

”جی ہاں! جب وہ روشنی میں آیا تھا تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، ارسے یہی کہا میں نے پھر اس کا تعاقب اسی عمارت تک کیا تھا، جہاں نصرت گیا تھا۔“

”میاوا وہی عمارت تو نہیں تھی، جس کا سودا نصرت نے کیا تھا۔“ فریدی بڑھا۔

”خدا جانے....!“ وہ پھر خاموش ہو گئے اور لکن سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ آخر کار کچھ دیر بعد وہ ہائی سرکل ہائی کلب کی کپاڈنڈ میں داخل ہوئے۔

ہاں زیادہ گھٹا آباد نہیں تھا۔ متعدد میزیں بالکل خالی نظر آرہی تھیں! ایک بجے کے بعد عموماً وہ لوگ جتھے تھے جنہیں دوسرے دن کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یا پھر سکھر کی راشیں ایک بھی:

”مجھے ایک آدمی اور بھی یاد آ رہا ہے، جو آپ دونوں کا مشترک دوست تھا....؟“
”کون....؟“
”پُنس تو قیر....!“

”ہاں اس کا کیا! وہ اب بھی میرا دوست ہے۔“
”ان دونوں نر و حید سے ان کے تعلقات کیسے تھے۔“

”ہمارے درمیان اس مسئلے پر کبھی کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔“ لکھن بولا۔

فریدی بھی سوچ میں پڑ گیا۔ دونوں لڑکیاں اسے گھور رہی تھیں اور شاید یہ چیز لکھن کو گراں بر رہی تھی۔ اس لئے وہ مختصر بانہ انداز میں ہاتھ بٹا کر بولا۔ ”اور کچھ کر کل.....!“

”بہت کچھ مسٹر لکھن...!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔
”یعنی....!“ وہ پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

”ابھی وقت نہیں آیا۔“ فریدی انتہا ہوا بولا۔ ”انچاہب تھیر۔“

لکھن کا منہ کھلا رہ گیا۔ فریدی اور حید تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حید آمدے سے نیچے اترتے ہوئے بڑبڑا لیا۔ ”کیا بات ہوئی۔“

”چلے آؤ چپ چاپ....!“ فریدی اور حید کیسے بغیر آگے بڑھتا رہا۔
وہ حید کو سوچنا پڑا کہ کہیں خود فریدی کا داماغ تو نہیں الٹ گیا۔ وہ لکھن کی طرف جانے کی اسے کپاٹنڈ کے ایک تاریک اور ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔
”میں شہر جاؤ....!“ وہ آہستہ سے بولا۔

وہ چپ چاپ رک گیا۔ کہتا بھی کیا۔ فریدی کا طرین کار کچھ ایسا ہی تھا۔
”وہ کیھو....“ دفتار فریدی بولا اور حید کی نظر عمارت کے بیرونی برآمدے کی طرف اٹھا۔ لکھن ایک دروازے میں تھا کھڑا تھا اور اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چھا ہوا اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ ناکار میں نظر آیا اور کار پھانک سے گذر رہی تھی۔ حید نے اسے بائیں جانب مرتے دیکھا۔ وہ تیزی سے لکھن میں بیٹھے اور لکھن کی گاڑی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ ”کیا اس رات کو صبر ہیں۔“ حید بڑبڑا لیا۔

”پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”شاید آپ مجھے تھوڑی بہت اطلاعات دے سکیں۔“

”لکھن فضول بات ہے کر کل! بھلا مجھے سرو حید سے کیا سر و کار۔“

”میں آج کی بات نہیں کر رہا.... یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آپ اور سرو حید دونوں ملکیکاری کیا کرتے تھے۔“

”میرے خدا.... اتنی پرانی بات! کر کل اسے چالیس سال کا عرصہ ہوا، جوانی کی بات ہے ہم دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ اسے بھی تقریباً تیس سال ہونے کو آئے۔“

”سرو حید کو آپ نے ان دونوں کیسا آدمی پیا تھا۔“

”پرے سرے کا بے ایمان....!“ لکھن برا اسمانہ بنا کر بولا۔ ”ہم نے شرکت میں کار و بار تھا اور وہ بے ایمان ثابت ہوا تھا۔“

”اس زمانے میں اس کی ذہنی حالت کیسی تھی۔“

”اوہ.... ذہنی حالت....!“ یک بیک لکھن بھی پڑا۔ دیر تک ہستارہ پھر بولا۔ ”اوہ.... آپ لوگ ذہنی حالت کی خرابی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔“

”سر کے بل کھڑے ہونا ذہنی صحت مندی کی علامت اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جس اسے ورزش کے طور پر اختیار کیا جائے.... لیکن کیاسر و حید ورزشوں کا اتنا ہی شائق تھا۔ ورزش شوق بھی جوانی ہی سے ہوتا ہے.... کیاسر و حید کو اس زمانے میں ورزش کا شوق بھی تھا جو

آپ دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔“

”ہونہے.... کبھی نہیں۔“

لکھن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”نہ وہ پا گل تھا اور نہ اسے ورزش کا شوق تھا۔ لیکن سر کے باہم کھڑے ہونے کی مشق اس نے بہر حال بہم پہنچائی تھی اور بڑھاپے میں جوانی میں نہیں! جوانی!“

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ بڑھاپے میں سخنہ ہو گیا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اس کا کیا تھا ہو سکتا ہے کر کل....!“ وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرا لیا۔

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا لیا ہے حید نہ سن سکا۔ شاید لکھن نے بھی نہیں تھا، اس لئے وہ آگے چک کر بولا۔ ”جی....!“

”ہو سکتا ہے.... غلطی تم سے ہوئی تھی۔“
”کیسی غلطی....؟“

”ند تم نصرت کا تعاقب کرتے ہوئے نذر پور ہاؤز مک چکنچتے اور نہ اسی وقت مجھے بھی،
دوب کرنی پڑتی....!“

”نصرت سے ان لوگوں کا کیا تعلق....؟“

”نصرت کی یوں.... خیر اس کی یوں کے متعلق تو تم ہی کوئی خاص بات معلوم کرنے
کو شکش کرو۔“

”اگر استاد کی اصلاح نے اجازت دی تو....“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا، وہ تھوڑی
تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”آپ کی دانست میں دس سال سے سر کے بل کھڑے ہوتے رہنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے
”تم نے لکھن کی گفتگو سے اندازہ کیا ہو گا کہ وہ پاکل نہیں تھا۔“

”ضروری ہے کہ لکھن کا بیان صحیح ہو؟“ حمید نے پوچھا۔

”ضروری تو یہ بھی نہیں ہے کہ ہماری موجودہ بھاگ دوڑ بھی فیصلہ کن ہی ثابت ہو۔“

”نذر پور ہاؤز میں تو پرانی توقیر ہی رہتا ہے نا....!“

”ہاں....!“ فریدی نے الگی کار پر نظریں جادیں جس کی رفتار بکم ہو گئی تھی، فریدی۔
بھی لکھن کی رفتار بکم کر دی۔

”اوہ.... وہ نذر پور ہاؤز کے پھاٹک ہی پر رکی ہے۔“ حمید بڑا لایا۔ لیکن بھی رک چکی تو
لیکن وہ اندر ہیرے میں تھے، فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

شاید لکھن چوکیدار سے پھاٹک کھولنے کو کہہ رہا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ اپنی گاڑی کو اندر رہی
چلا گیا۔

”اب دوسرا اطلاع سنو....!“ فریدی نے طویل سانس لی۔

”کیا....!“

”ہمارا بھی تعاقب ہوتا رہا ہے۔“

”نہیں....!“ حمیدا چھل پڑا۔

”ہمیت لکھن پال کو حمق سمجھتے ہو۔“ فریدی مسکرا لیا۔ ”وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ اس کے
بیڑے دشمن ہیں، اس نے وہ اپنے ساتھ دوچار نگران بھی رکھتا ہے، جو دوسروں کی نظرؤں میں آئے
نہ اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اس وقت کلب میں بھی کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہا ہو گا۔“

”تو دوسروں گاڑی کہاں ہے۔“

”ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لیکن وہ بھی اسی طرح اندر ہیرے ہی میں روکی گئی ہے۔“
”اب کیا ازاد ہے....!“

”ظاہر ہے کہ وہ اپنی چینیں گے! جو کچھ مجھے معلوم کرنا تھا، معلوم کر چکا۔ گفتگو اسوری چھوڑ
رہی تھی اٹھا تھا کہ اس کا داعل دیکھ سکوں؟ تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ اسے اسی وقت آگاہ کرنے
وکر آیا ہے۔“

”تو گویا آپ نے خود ہی انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔“

فریدی نے کوئی جواب دیے بغیر گاڑی اشارت کر دی اور لمبا چکر لے کر اسے مخالف سمت
لے ہوئتے ہوئے کھلا۔ ”ان لوگوں کے خلاف اسی طرح ثبوت مہیا کئے جاتے ہیں جو اپنے کے پر
طمین ہوتے ہیں، جنہیں یقین ہو کہ پولیس کو ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکے گا۔ کیا تم یہ
مجھے ہو کہ لکھن اور تو قیر میں معززین شہر معمولی مجرموں کی طرح پولیس سے بھاگیں گے۔ ان
کے لئے تو یہی تدبیر بہتر ہوتی ہے کہ ڈھکے چھپے انداز میں ان پر شہبے کا اغذیہ کر کے بظاہر ان کی
رف سے لاپرواٹی برقرار رکھ جائے۔ بس پھر یہ شہبے سے بالاتر ہونے کے لئے اسی حرکتیں شروع
دیں گے کہ ان کا جرم صحیح کی طرح روشن ہو جائے گا۔“

”لیکن اتنی ذری میں تو اپنا بھی قیہہ ہو سکتا ہے۔“

”بمر کرو.... اور دیکھو....!“

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈلا نیٹس نظر آرہی تھیں۔ ”میرا
یاں ہے کہ ہمارا تعاقب اب بھی کیا جا رہا ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن اس بار یہ محض تعاقب کی حد تک نہیں رہے گا۔ سنجنگل کر بیٹھنا۔ بلکہ کھڑکیوں پر اسٹیل
یلٹ پڑھا دو تو بہتر ہے۔ اس بار تعاقب کرنے والے کسی مقصد کے تحت تعاقب کریں گے۔“

”کیوں....?“

جید نے اپنی پیشانی پر دو ہتھوں مارتے ہوئے باور پی کو آواز دی۔ ”ابے او اکو کے پٹھے کیا میں
وڈ کو بال کر پی جاؤں... چائے لاؤ۔“

دوسری عوزت

پرانی تو قیر نذر پورہاوز میں تھا نہیں رہتا تھا۔ تو کروں کی فوج بھی تھی۔ لیکن صبح تک کسی کو
بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پرانی تو قیر اپنی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا ہے، اسے روزانہ چھ بجے اس کا
یک طازم جگایا کرتا تھا۔ آج وہ حسب معمول جگانے ہی آیا تھا۔ لیکن اس نے خواب گاہ کے
روازے کھلے کرے۔ فرش پر خون پھیلا ہوا تھا اور لاش بستر پر پڑی تھی۔
جید اس وقت پہنچا جب فریدی ملازموں سے سوالات کر رہا تھا۔

”چھپلی رات کتنے آدمی یہاں آئے تھے؟“
”وو.... جناب....“ چوکیدار نے جواب دیا۔
”دونوں کو تم پہچانتے ہو۔“

”جی نہیں پہلے صاحب کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ کوئی دس بجے آئے تھے اور صاحب انہیں
چانک مک پہچانے آئے تھے۔“

”دوسرا آدمی کون تھا۔“
”کھن صاحب اور جن کا موڑوں کا کارخانہ ہے۔“
”ہوں.... وہ کس دقت واپس گئے تھے۔“
”بس آکر تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے تھے۔“
”وقت....!“

”صاحب گھری تو نہیں تھی پاس۔... پتہ نہیں ایک بجا تھا کہ ڈیڑھ... کہ وو... پتہ نہیں صاحب۔“
”تو انہیں بھی پرانی چانک مک چھوڑنے آئے تھے۔“
”نہیں صاحب۔...!“

جید وہاں سے ہٹ کر جائے واردات پر آیا۔ یہاں محلہ سراغرسانی کے دو آفسر بھی موجود

”پہلے شاید انہیں علم نہ رہا ہو کہ وہ کس کا تعاقب کر رہے ہیں۔“
”اوه تو کیا وہ اتنے دلیر بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم پر فائز کریں۔“
”لکھن اور تو قیر جیسے لوگوں کا معاملہ ہے، جو قانون کو کھلوٹا سمجھتے ہیں۔“
”میا آپ ان سے مرعوب ہو گئے ہیں۔“

”میں صرف ان لوگوں سے مرعوب ہوتا ہوں، جو میرا کچھ نہ لگا سکیں۔“ فریدی نے ہم
تفصیل لگایا۔

”جید کھڑکیوں پر اسیل شیلد چڑھانے لگا۔ یہ فریدی ہی کی ایج تھی کہ اس نے لئکن کو کام
طور پر بلٹ پروف بنا دیا تھا۔ لیکن وہ صرف ایک خدشہ ہی ثابت ہوا، گاڑی پر فائز نہیں ہوئے اور صحیح وسلامت مگر
پہنچ گئے تھے۔“

”جید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ بھی مخفی شہر ہی رہا ہو کہ دوبارہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا
کہ وہ کسی غیر متعلق آدمی کی گاڑی رہی ہو۔“

لبقہ رات سکون کے ساتھ گزری۔ جید دن چڑھے تک سوتا رہا تھا اور آنکھ کھلنے کے
بھی کافی دیر تک سہری ہی پر پڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کس طرح استاد نصرت تک پہنچے
ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غزل یومیہ کے حساب سے اصلاح دینے پر رضا مند ہے ہو۔ لیکن اس کی پیو
تو یہ حال جید ہی کی طرفداری کرتی رہی تھی۔ ممکن ہے اس مرطے پر بھی وہی کام آئے۔ یا
چھپلی رات کارویہ اس کی سمجھی میں ابھی نہیں آیا تھا.... یعنی نصرت کی موجودگی میں تو وہ ا
روکے ہی رکھنے پر مصروف تھی، لیکن نصرت کے باہر جاتے ہی اتنی بے مرودی اور رکھائی سے ہے
جانے کو کہا تھا جیسے وہ اتنی دیر سے کسی تیم خانے کا چندہ طلب کرتا رہا۔“

”وہ کہا تھا جیسے وہ اتنی دیر سے کسی تیم خانے کا چندہ طلب کرتا رہا۔“
لیکن میر پر پہنچ سکا۔ لیکن وہاں ناشیت کی بجائے موت کا گماشتہ موجود تھا۔

”پہنچ دیت کے نیچے ایک کانفذ نظر آیا جس پر تحریر تھا۔“
”جید.... چھپلی رات پرانی تو قیر بھی قتل کر دیا گی۔ میں نذر پورہاوز جا رہا ہوں۔ اٹھ کے
سیدھے دیں آکو....!“

تھے۔ چونکہ وہ پن تو قیر جیسے معزز آدمی کے قتل کا معاملہ تھا اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا پورا افتہ ہی اٹھ کر بیہلی چلا آیا ہو.... اس وقت فنگر پرنٹ سکشن کے فونوگرافر خواب گاہ نشانات کی تصاویر لے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بڑے آفیسروں کی بھیڑ میں وہ کہاں گھٹا پھر اس لئے وہ عمارت سے لان پر نکل آیا۔

یہاں ایک جگہ وہ سارے ملازمین اٹھا تھے، جن سے فریدی پوچھ گچھ کر چکا تھا۔ اس کا تھاکر وہ اپنے طور پر ان سے سوالات کرے گا لیکن دفتار اسے فریدی نظر آیا، جو برآمدے میں اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“ اس نے قریب پہنچنے پر پوچھا۔
”میں یہاں مستقبل کی خیریت دریافت کر رہا ہوں۔ کیا آپ کاشہ لکھن پر ہے۔“
”لکھن کے جانے کے بعد بھی وہ زندہ دیکھا گیا تھا۔“
”خیر... تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔“

”اس آدمی کو دیکھو! جو لکھن سے پہلے یہاں آیا تھا۔“
”صرف گمراہیاں سے پوچھ گچھ بھی کر سکتا ہوں۔“
”بہتر ہے کہ اسے گمراہی میں رکھو، میں بعد میں چیک کر لوں گا.... لیکن ادھر آؤ۔...“
ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر کپاڈنڈ کے ایک ایسے گوشے میں رکا جہاں آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔

”قریب آؤ...!“ اس نے کوت کی اندر ونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور دو قصوں کا لیں۔

”ایک بھی عورت کے دو منتف پوز...!“
”اوہ... یعنی...!“ حمید نے تحریر انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔
”پہچانتے ہو...!“

”کیوں نہیں... یہ نصرت کی بیوی ہے۔“ حمید کی آنکھوں میں اب بھی خیرت باقی تھی
”ان میں سے ایک تو سرد حید کے ابم سے برآمد ہوئی تھی، اور دوسرا آج یہاں تو خواب گاہ میں ملی ہے۔“

”اوہ... تو یہ عورت...!“ فریدی نے تصویر وں کو دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے رائے زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔“ جلدیش اور امر سے کہو کہ وہ اس آدمی کی گمراہی کریں جس نے سعیدہ کی لہا۔ ”اب تم بنا سکتے ہو۔ جلدیش اور امر سے کہو کہ وہ اس آدمی کی گمراہی کریں جس نے سعیدہ کی بھی خریدی ہے۔“

”سعیدہ کی کوئی...!“

”ہاں تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ نصرت کی سوتیلی بھیجتی تھی۔“

”پتھر نہیں کیا چکرے۔ خر میں کیا کروں گا...!“

”نصرت کی بیوی۔“ فریدی نے کہا اور پھر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

”نصرت کی بیوی...! حمید کچھ سوچتا ہوا بڑے بڑے اور چھاٹک کی طرف چلنے لگا۔ اس نے اپنی کار چھاٹک کے باہر ہی چھوڑی تھی۔“

مگر نصرت کی بیوی! وہ تو اسے بھیجنی رات بھی بے حد بہر اسراز معلوم ہوئی تھی۔ اس وقت جب اس نے بڑی بے رغبی سے اس کو رخصت کیا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے روکے رکھنے کے اصرار میں کافی گرم جوش تھی۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی ولی عورت تھی تو شوہر کی موجودگی میں اس سے لاپرواںی برتنی چاہتے تھی، چہ جائیکہ زبردستی روکے رکھنا اور شوہر کے جاتے ہی معنوی اعتبار سے کویا دھکے دے کر ہی نکال دینا شہرا تھا۔ یہ برا حیرت انگیز جوڑا تھا۔... ہر اعتبار سے... پچھلی رات اس نے وہ کوئی دیکھی ہی تھی جس کے متعلق اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ نصرت ہی کی ملکیت تھی.... پھر وہ اس شامدار کوئی کی موجودگی میں اس ہمندر میں کیوں پڑا ہوا تھا۔

وہ سوچتا ہوا اس کی کار اس علاقتے میں پہنچ گئی جہاں نصرت رہتا تھا۔ اس نے کار بسمی میں علی چھوڑی اور وحید میشن کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ ویسے وہ سورج رہا تھا کہ آج کی ملاقات

کے لئے کون سا بہانہ تراشے گا۔ تو اصلاح کے لئے کوئی غزل ہی تھی اور نہ کاندھے پر ایزگن۔ آج پھر سب سے پہلے نصرت کی بیوی ہی سے نہ بھیڑ ہوئی اور وہ اس طرح دیکھنے لگی

جیسے پہچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے سوچا اگر اس نے پہچانے ہی سے انکار کر دیا تو کیا صورت ہو گی۔

”آپ کا خادم.... پرواز فاختی.... وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔“

"نصرت صاحب آرام کر رہے ہیں۔" عورت نے سرد لمحہ میں کہا اور دوسری طرف مڑا
"مولع عرض کیا ہے....!" حمید نے کھار کر اسٹارٹ لینے کا رادہ کیا۔

"تمہارا داماغ تو نہیں چل گیا۔... جاؤ یہاں سے۔" وہ جلا کر مڑی۔

"کل تو آپ نے براہما دیا تھا۔" حمید دھنائی سے بولا۔
"کیا مطلب....!؟"

"اگر آپ مدد کرتیں تو میں اتنے بڑے شاعر کا شاگرد بھی نہ بن سکتا۔"

"بکھی بکھی میرا ذہن بہک جاتا ہے۔" عورت خنک لمحہ میں بولی۔ "میں ہمیشہ تفریخ
مودہ میں نہیں ہوتی۔"

"تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر رو بھی سلتا ہوں محترمہ.... آزمائش کر کے دیکھ بیجھے
صرف تقبیہوں کا ساتھی نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "مرد واقعی بالکل انکو کے پڑھے ہوتے ہیں۔"

"اور ان کے عالم وجود میں آنے کے لئے الوؤں کا پورا جوڑ اور کارہوتا ہے اور یہ چیز یقینی،
پر تیری جنگ عظیم کی طرف لے جائے گی۔" حمید کا الہجہ تشویش کن تھا۔

وہ اسے غصیلے انداز میں دیکھتی رہی پھر یہدیکہ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار آنے۔
اور اس نے کہا۔ "مگر مکن تم شاگرد بینے کیلئے تو نہیں آئے تھے اس کا خیال تو میں نے ہی دلایا تھا۔

"مگر آپ نے خیال دلایا ہی کیوں تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کس قسم کے گدھے ہو۔ مگر سارے مرد ایک ہی قسم
ہوتے ہیں۔ تم سمجھتے تھے شاید میں تم پر ترجیح گئی ہوں۔"

"ذرا رتجھ کر دیکھنے بھی تو کسی درگت بناتا ہوں۔" حمید نے بھی غصیلے لمحہ میں کہا۔

"کیا مطلب....!" اس بار عورت کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"ایک بار ایک لڑکی مجھ پر عاشق ہوئی تھی، آج تک روتی ہے سر پر ہاتھ رکھ کر۔"
عورت نے پلکیں جھپکائیں اور حمید نے کہا۔ "میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس کی شاد
کرادی، جو کانے ہیں اور ذرا جھی بھی رکھتے ہیں۔"

"لیا کو اس شروع کی ہے تم نے جاؤ، یہاں سے ورنہ میں نصرت صاحب کو آواز دیتی ہوں۔"

"غزل میرے پاس موجود ہے۔"

وہ بڑی تیزی سے برآمدہ کی طرف روانہ ہو گئی.... لیکن اندر نہیں بلکہ برآمدے ہی میں
رک کر اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگی، جیسے دفتار کوئی تیز اس پر کھینچ دارے گی۔

حید آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی، البتہ اب
اس کے ہونٹوں پر خفیہ سی مسکراہٹ ضرور نظر آرہی تھی۔

"پچھے نہیں کیوں.... آپ مجھے....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ
پاگلوں کی طرح لکھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دفعہ حمید کو یاد آگیا کہ وہ خیالات کی رو میں بہکا ہوا درج چلا آیا ہے، حالانکہ یہاں آنے سے
پہلی ہی اسے ریمش اور اس کو اس آدمی کی نگرانی پر لگانا چاہئے تھا جبکہ اگر یہاں پھنس گیا تو وہ اثر
ضروری کام رہنے جائے گا۔

"آپ مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں محترمہ! اس طرح نہ ہنسنے۔" اس نے ذری ذری سی آواز میں کہا۔
لیکن اس کے قہقہے طویل ہی ہوتے گئے اور حمید سبھے ہوئے انداز میں پچھے ہٹئے لگا، پھر یہ
یک بھڑک کر بھاگا۔

"ارے.... ٹھہر دو.... ٹھہر دو....!" عورت نہیں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی چھپی۔
لیکن حمید کو ٹھہرنا کہ تھا۔ وہ باغ سے نکل آیا اور تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود ہی اس عمارت کی طرف جاتا، جہاں پچھلی رات نصرت کو
لکھا تھا۔ کیونکہ اتنی دیر میں کچھ تبدیلیاں بھی ہو سکتی تھیں۔ اس نے وہ خود ہی دیکھا چاہتا تھا کہ وہ
آدمی اب بھی اس عمارت میں موجود ہے یا نہیں۔

سید یہ کوئی شنجاں کے سے اس نے ایک ٹیکسی نئیتھے دیکھی۔ اور اپنی گاڑی سڑک کے
نیچے اتار کر کھڑی کر دی۔ چھاٹک بے نکل کر گاڑی پھر رک گئی اور وہ آدمی نیچے اتار کر چھاٹک کو
عقل کرنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس نے ٹیکسی کے ڈکے میں
وٹ کیس اور ہوٹل اسال بھی دیکھ لئے تھے۔

"وہ سید ہا کھڑا ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

"مکہل دوست....!" حمید مسکرا یا۔

”مگر.... کیوں....؟“ وہ بوکھلا کر چیچھے ہٹ گیا۔

”تمہیں چند سوالات کے جواب دینے ہیں۔“

”کیوں.... آپ کون ہیں؟“

”پولیس....!“

”اوہ....؟“ وہ پھاٹک کی سلاخوں سے ٹک گیا۔

”تم پچھلی رات پر نس تو قیرت سے کس وقت مطے تھے۔“

”م..... میں..... سازھے نوبجے.... شاید سازھے دوس بجے.... گھر کیوں؟“ وہ

انداز میں آنکھیں چھاڑے حید کو دیکھ رہا تھا۔

”واہی کب ہوئی تھی۔“

”وقت کا اندازہ مجھے نہیں ہے۔“

”تم اس وقت کہاں جا رہے ہو۔“

”کیوں....؟“

”سوال کا جواب دو۔“ حید نے آنکھیں نکالیں۔

”نصری آباد....!“

”کیوں....؟ کیا نصرت کی بیوی سے عشق لڑانے کی اسکیم ختم کر دی۔“

”لیا....؟“ وہ پھر بوکھلا کر حید کو گھورنے لگا.... لیکن یہ کیفیت دریک قائم نہیں

تھی۔ شاید وہ خود کو سنجالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”پچھے نہیں، آپ کیسی بے عکی باتیں کر رہے ہیں۔“ اس نے تھوک ٹکل کر کہا۔ ”ہٹ

سامنے سے۔“

”پھاٹک کھولو....!“ جیسی سے سامان نکالو اور اندر چلو۔“ حید نے سرد لبجھ میں اسے ح

”آخر کیوں....!“

”پر نس تو قیرت قتل کر دیا گیا۔ اس نے ہم ہر اس آدمی کو چیک کر رہے ہیں جو پچھلی ران

سے ملا تھا۔“

ایک بار پھر وہ پھاٹک کی سلاخوں سے جانگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑے رہنے کی

جواب دے رہا ہو۔

حید نے اس کا سامان جیکسی سے اتروالیا اور پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر اس کے پاس اتنا مواد تھا کہ وہ اپنی دانست میں کریں فریدی کو بھی متبر کر سکتا۔

اس کی کہانی سن لینے کے بعد اس نے اسے قطعی طور پر حرast میں لے لیا۔ اس کی دانست میں اب چھوٹ دے کر گھرانی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

شام کو فریدی سے گھر پر ہی ملاقات ہوئی اور وہ اپنے کارناموں کا دفتر لے بیٹھا۔ فریدی نے نیم کی کہانی سنی اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”گھر میں نے تو تم سے گھرانی کے لئے کہا تھا۔“

”میا میں ان کی گھرانی کرتا ہو انصیر آباد تک چلا جاتا۔“ حید جھٹھلا گیا۔

”نہیں بس اسے روک لینا ہی کافی تھا۔ حالات میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

حید کچھ کہنے کی بجائے پاپ نہیں تھا کہ تمباکو ہٹرنے لگا۔ جلاہٹ کے باوجود وہ اس گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ نیم کی کہانی خواہ ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت کی وجہ سے بکواس ہی کیوں نہ رہی ہو لیکن سر و حید کی ایسی تصویر کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یا اگر نیم کی کہانی میں گھڑت ہی تھی تو اسے کسی ایسی تصویر کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی وجہ سے اس کے خلاف شہزاد کو مزید تقویت پہنچ سکے۔ ظاہر ہے اس کے بیان پر ہی پولیس اسے ٹوک سکتی تھی کہ اسکی ایک چیز سامنے آئے کے باوجود بھی اس نے پولیس سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ لہذا وہ کہانی ایسی نہیں ہو سکتی، جسے نیم نے اپنے چھکالا رے کے لئے گھرا ہو۔“

”اس کہانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

”وسری بار سننے ہے....“ فریدی نے لاپرواں سے جواب دیا۔

”کیا مطلب.... یعنی کہ آپ.... اسے پہلے ہی چیک کر چکے تھے۔“

”قطعی نہیں.... میں نے تو ابھی تک نیم کی ٹھکل بھی نہیں دیکھی۔“

”پھر کیسے معلوم ہوا آپ کو۔“

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اسکریا، پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

”میا تمہیں یقین ہے کہ وہ سعیدہ کی روح تھی۔“

"میں نے یہ کب کہا ہے۔"

"تو پھر کسی عورت ہی نے اس کی روح کارول ادا کیا ہو گا اور اس طرح فیض کی کہانی عورت بھی ساختی ہے۔"

"اوہ....! حمید نے پلکیں جھپکائیں، چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔
"کون تھی۔"

شاید وہ مزفہرت کے امکانات پر غور کر رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی چکراتے ہے وہ
کیس اس کے سامنے آئے تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر ان سے مختلف نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

"ایک عورت جو خود بخوبی سامنے آئی ہے جس کی وجہ غالباً خوف ہی ہو سکتا ہے۔"
"کیا خوف....!"

"اے پرانی تو قیر نے ڈاکٹر سعیدہ کارول ادا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہاں کیس الٹھ جاتا ہے
فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "وہ ایک ایسی محبت ہے جسے سروحید سے دشمنی مہ
پرانی تو قیر اس سے دوستی رکھتا تھا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ سروحید نے اسے بھی چند نقصان
پہنچائے تھے، لہذا وہ اس سے بدله لینا چاہتا ہے۔ سہی چیز اسے آمادہ بھی کر سکی ورنہ ایسے
ڈرائے میں حصہ لینے پر تیار نہ ہوتی۔ غالباً سر وحید کی تصویر کی موجودگی کا بھی یہی مطلب تھا
اے پرانی تو قیر کے بیان پر یقین آجائے۔ لیکن تصویر الٹی لکھائی گئی تھی جس کی وجہ پر اس
اے نہ بتا کر ٹکنندی سے کام لیا تھا۔ یعنی اس طرح اس عورت کو یقین دلادیا تھا کہ سروحید کو
برے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ ابھی ہر معاشرے کی وضاحت نہ
کر سکتا۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ الٹی تصویر کا کیا مطلب ہے۔ یہم کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سروحید
ایجنت ہے، جسے اس نے محض اسے نقصان پہنچانے کے لئے انگیچ کیا ہے۔"

"حالانکہ وہ اپنے متعلق دوسرا کہانی سناتا ہے۔"

"کہانیوں کو بھلا دو اور صرف مقصد پر غور کرو۔" فریدی نے سگار سلاکاتے ہوئے کہا۔
عورت نے دو دن بعد سروحید کی موت کی خبر سنی اور بوکھلانی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں
کہ پولیس کو مطلع کر سکتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ڈرائے کا مقصد سروحید کی مو
ہو گا۔ پرانی تو قیر نے تو اسے یہی بتایا تھا کہ وہ سروحید کو صرف مالی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔
باتی ہے۔"

اے اس انجام کا شہر بھی ہو جاتا تو وہ کبھی تو قیر کی باتوں میں نہ آتی.... آج وہ پرانی تو قیر سے
ملے آتی تھی۔ جب اس کے قتل کا علم ہوا تو بد خواس ہو گئی۔ اس طرح اتفاقاً وہ سامنے آئی ورنہ
اے ٹالش کر لینا تو بہت تی مسئلہ ہو جاتا۔ وہ کوئی اہم شخصیت نہیں ہے۔ ہو ٹلوں کی نشیں ہی
اس کا ذریعہ معاش ہیں۔"

"تو پھر الٹی تصویر کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ اس عورت کو اس ڈرائے میں حصہ لینے کی
ترغیب دی جائے۔"

"فی الحال میں اس کے علاوہ اور پچھے نہیں سوچ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

حمدید سوچنے لگا کہ پھر نصرت اور نصرت کی بیوی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔ پرانی
تو قیر ڈاکٹر سعیدہ کی کوئی بھی کیوں خریدنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقعات کی روشنی میں اس ڈرائے کا
مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ وہ خود نصرت کے سامنے آئے پیش فیض کے ذریعہ کوئی بھی خرید لے۔

چڑپڑا مشاعر

حمدید کا ذہن الٹھا کیا گیا۔ کیا حقیقتاً مقصد صرف اس کو بھی کی خریداری تھی؟ پھر پرانی تو قیر
نے فیض کو نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی ہدایت کیوں دی تھی اور اس کی خواب گاہ سے
نصرت کی بیوی کی تصویر برآمد ہونے کا کیا مطلب تھا؟ سروحید کے یہاں بھی اس کی تصویر میں
تھی.... لیکن ان دونوں کا قاتل کون تھا... کون تھا؟... اوہ.... وہ یہک اچھل پڑا۔
"ہوں....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"نصرت....؟"

"میں بھی سوچ رہا تھا کہ تم نصرت ہی پر ٹوٹ پڑو گے.... کیونکہ ان دونوں کے پاس اس کی
بیوی کی تصویریں تھیں....!"

"میاں مریم اخیال غلط ہے۔"

"ابھی صحیح اور غلط کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرنا
باتی ہے۔"

”کون سے پہلو...؟“

کے چکر میں ہوتا تو سب سے پہلے وہ نصرت کو ختم کرتا تھا کہ ان دونوں

”چلو! فی الحال اسے تسلیم کے لیتے ہیں کہ وہ دونوں ہی اس کی بیوی پر نظر رکھتے تھے۔“ کو۔“
لئے اس نے انہیں قتل کر دیا۔ لیکن وہ کوئی پر زدہ شخص عورت نہیں ہے جسے دیکھنے کے لئے نہ رہ۔“ ختم سمجھی۔ ”حمدہاتھہ لا کر بولا۔“ اب شاید سر کے بل ہی کھڑے ہو کر سوچنا پڑے گا۔“ سر کے بل کھڑے ہو کر جھانکنے کی زحمت مولیٰ لیتا۔ اگر محض دیکھنے ہی کی بات تھی تو وہ اسے فریدی جو بجا ہوا سارگار سلاکا چاہتا آہستہ آہستہ دھوائی کالتا ہوا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ آسانی دیکھ سکتا تھا۔“

”اوہ.... مگر.... لکھن پال۔ آپ نے اسے چیک کیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں پہلے حق عرض کر چکا ہوں کہ نصرت کے پاس ایک بے آواز را قتل بھی ہے۔“ لیکن پہلے مجھے دیکھنے دو کہ تو قیمت دیکھا گیا تھا۔ اس لئے فوری طور پر اس کے بیان پر یقین کیا جاسکتا ہے۔“

وہ عمارت کیوں خریدی تھی اور نصرت کیوں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو عمارت کی فروختگی ”سکس کے بیان پر...؟“

علم ہو سکے۔ تمہاری کہانی کے مطابق اس نے نیم کو اس پر تو آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اس کی بیوی ”لکھن کے بیان پر...“ اس نے خود ہی مجھے بتایا ہے کہ وہ تو قیمت کو اس کی اطلاع دینے گیا تھا اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلا دے۔ کہہ دے کہ وہ خریدنا تو چاہتا تھا لیکن بعض گزار کہ پولیس سر وحید کے سلسلے میں اس پر بھی نظر رکھتی ہے۔ جس کا جواب تو قیمت نے یہ دیا تھا کہ اس دشواریوں کی بناء پر وہ عمارت فی الحال پیچی نہیں جا سکتی۔ اس سے پہلے نصرت نے اپنی بیوی کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس لئے اسے اس کی پرواہ نہیں ہے۔“

تمہارے سامنے ہی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس تھی۔ اس لئے فروخت کردی گئی۔ جب بیوی نے ”لیکن کسی نے اسے بھی قتل کر دی۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا چلتے لکھن کو واپس جاتے بہت زیادہ اودھ مچالا تو اسے کہا پڑا کہ وہ اسی رقم سے دوسری کوئی عمارت خرید لے گا۔“ لیکن ہوئے دیکھا گیا تھا اور کسی ملازم نے اس کے جانے کے بعد بھی تو قیمت کو زندہ دیکھا تھا۔ لیکن کیا یہ حقیقتاً ایسا نہیں کہ زچاہتا تھا۔ اس وقت صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔“ ناممکن ہے کہ وہ یا تو دوبارہ واپس آیا ہو یا اس نے کسی آدمی ہی نے اسے قتل کر دیا ہو۔“

یہی نیت ہوتی تو پھر نیم کو یہ سمجھانے کیوں دوڑا جاتا کہ وہ اس کے گھر اُکر بیوی کو یقین دلا۔ ”ممکن ہے! لیکن اسی صورت میں جب اسے ثابت کر دیا جائے۔ عدالت محفل امکانات پر غور کہ عمارت فروخت نہیں ہو سکی۔ اس لئے وہ بحیثیت کرایہ دار ہی اس میں مقیم رہنا چاہتا ہے۔ نہیں کرتی۔“

”جنہم میں جائے۔“ حمید نے اسانتہری عورتی کے اٹھ گیا۔ اور پُنس تو قیمت اس کی اطلاع پر پُنس تو قیمت کے لئے دوڑا جاتا ہے۔“ اور پُنس تو قیمت اس کی اطلاع پر نصرت کے گھر جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔

کہتا ہے کہ وہ ضرور نصرت کے گھر جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔ اگر یہ عشق کا پچکر ہے تو بتائیے حمید صاحب کیا آپ نے کبھی کسی دوسرے کی معرفت ہو۔“ حمید اس مسئلے کو اپنے ذہن سے نہ کھال سکا۔ آخر نصرت اور اس کی بیوی کا ان معاملات سے کیا تعلق تھا۔ نصرت نے سر وحید کے قتل سے پہلے اس کے مچھے کو اطلاع دی تھی کہ وہ خود کو فرمائے کی کوشش کی ہے۔“

”میں اتنا عدم الفرخص نہیں رہتا۔“ حمید بولا۔ ”لیکن.... لیکن.... اب کیا کہوں؟“ خطرات میں گمراہوا محسوس کرتا ہے۔ کچھ لوگ چھیز چھیز کر اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا یہ پیش بندی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تو قیمت بھی اس عمارت کی خریداری ہی کر دیا۔“

”ارے تو یہ عشق کیوں سوار ہو گیا ہے تم پر...؟“ فریکھیں کے... اگر کوئی تیرا آؤ۔“ اس نے اسے قتل...!“

”ٹھہر و...!“ فریدی نے کہا اور حمید و روازے میں رک کر مژا۔

”نصرت اور اس کی بیوی پر نظر رکھو... دیسے میں نے اور بھی انتظامات کر دیئے ہیں کہ اس طرح قتل نہ ہونے پائیں۔ لیکن تمہیں خاص طور پر پرہایت دی جاتی ہے۔“
”خدا کی پناہ...! اب وہ بھی قتل کر دیے جائیں گے۔“

”غالباً قاتل نے بھنگ پی لی ہے۔“ حمید محکمہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”یا پھر میں ہی یہ سوچتے سوچتے عنقریب پاگل ہو جاؤں گا کہ ہم دونوں اب تک کیوں زندہ ہیں۔“

فریدی مسکرا کر اسکار کو اپنی ٹرے پر رکھتا ہوا بولا۔ ”تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ نصرت ان دونوں کا قاتل ہے۔ اس لئے اب تمہارا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ابھی ہی دیر پہلے تم نے نیم سے اپنی گفتگو کے متعلق بتایا تھا لیکن خود اس پر غور کرنے کی ضرور نہیں محسوس کی...!“

”اس پہلو پر میں نے غور نہیں کیا۔“

”نصرت نیم سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر آؤ... اور میری بیوی کو یقین دلا دو کہ تم صراحت کر ایہ دار ہو، کسی دشواری کی بنا پر عمارت کو خرید نہیں سکے۔ نیم اس کی یہ انوکھی تجویز پر تو قییر کے سامنے دھرا تا ہے.... پھر پرنس کیا کہتا ہے اس سے۔“

”یہی کہ نیم وہاں ضرور جائے اور اس کی بیوی پر ڈورنے والے کی کوشش کرے۔“
”زوس ہو جاتا ہے۔ پھر پرنس تو قییر اس سے کہتا ہے کہ وہ نصرت کی موجودگی میں تو اس سے کہہ کر وہ صرف کرایہ دار کی حیثیت سے اس عمارت کے لئے دو یقین ہے۔ لیکن نصرت کی عدم موجودگی میں کسی نہ کسی طرح اسے بتادے کہ اس نے پوری رقم ادا کر کے عمارت خریدی ہے۔ مگر نصرت نہیں چاہتا کہ بیوی کو اس کا علم ہو۔ اس لئے اس نے اسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے۔“

”ہوں تو...! تم اس سے کس نتیجے پر پہنچ ہو۔“

”میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں نتیجہ مجھ پر ہی نہ پہنچ جائے۔“

”بیٹھ جاؤ...! میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت زیادہ الجھ گئے ہو۔ وہ صرف اس کا گھنڈر والا ماکا خالی کرانا چاہتے ہیں۔“

”کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ابھی کیسے کہا جا سکتا ہے....؟“ حمید دوبارہ بیٹھتا ہوا۔“

”لے میں پاپ خالی کرنے لگا۔“

”اگر یہ عشق کی کہانی ہے تو....!“

”ایک منٹ ٹھہریے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ مقصد نذر والا مکان خالی کرتا ہے۔ کیا صرف اتنا ہی مقصد نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے درمیان ناچاکی وجہے اور اس ناچاکی کا اعتمام علیحدگی پر ہو۔“

”ہوں.... اوں.... ٹھیک ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرا۔ ”اس طرح تو عشق کی کہانی اب ہو جاتی ہے۔ وہ بھتی دور کی کوڑی لائے ہو۔ یعنی دوسری عمارت میں منتقل ہونے کا قصہ ناپڑھ سکتا ہے کہ نوبت طلاق کی آجائے۔“

”کیا یہ ممکن نہیں ہے۔“

”ہو سکتا ہے....؟ لیکن تو قیر کو کس نے قتل کر دیا۔“

”نصرت نے.... یا کسی تیرے عاشق نے۔“

”کیا یہ اچھا ہوتا اگر تم عاشقوں کی ایک فہرست مرتب کر لیتے۔... مگر حمید صاحب یہ نہ ہوئے کہ اتنے عاشق رکھنے والی ایک ایسی بوڑھے کو پسند کرتی ہے، جو اس کی خواہشات بھی نہیں بری کر سکتا۔ اسے فریب دیتا رہتا ہے، اور وہ کوئی ایسی عورت بھی نہیں ہے جو شادی کے معاملے میں والدین کی مرغی کی پابند رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک اڑا موڈرن قسم کی عورت ہے۔“

”مگر پہلے تو آپ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ غیر صحیح مند فتحار مکان کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہتری عورتیں بوڑھے مردوں کو پسند کرتی ہیں۔“

”خیالات حالات کے پابند ہیں۔ کسی بھی معاملے میں جیسے جیسے اس سے متعلق نئے حالات مانے آتے ہیں خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی میرا ایک خیال کسی لا علی پر بنی ہے بلکن کچھ دیر بعد کسی چیز کا علم ہو جانے پر اسی خیال کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔ ذرا یہ تو سوچو کہ رودھی بھی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے عشق کرتا تھا اگر چاہتا تو اسے شہر میں اس کے لئے دشمندار نادر تک خرید لیتا۔ پھر اس نے نصرت ہی کو کیوں منتخب کیا، جو ایک کھنڈر نما عمارت میں رہتا تھا۔“

”بظاہر دولت مند بھی نہیں ہے....!“

”کرے تو پھر میں کس کی گردن کے لئے پھنڈا تیار کروں۔“ حمید نے زخم ہو کر کہا۔

ن پر لیروں نے حملہ کر دیا ہے۔ تار جام والی سڑک بن رہی تھی اس زمانے میں سر و حید کے پاس سی کامیکھ تھا اور یہ چاروں جنگل میں خیلے لگا کر رہتے تھے۔

”تو کیا آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے غلط روپورٹ درج کرائی تھی۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو... کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ چاروں کو بیک وقت فرج بک ہو گئی ہو گی۔“

”خدا جانے... اب کھوپڑی کام نہیں کرتی۔ میں آج جلد ہی سوجاؤں گا۔“ حمید نے کہا اور

رسامنہ بنائے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ حمید اپنے گمراہے میں جانے سے پہلے لا بیری میں آیا اور میں فون ڈائریکٹری میں لکھن پال کا پتہ تلاش کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی نے ابھی تک سے اس کیس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔

فریدی عموماً اسے اتنے ہی حالات سے باخبر رکھتا تھا جتنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی اس ادات کی بنا پر بعض اوقات حمید یہاں تک سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ شاید وہ اس پر بھی پوری روح اعتماد نہیں کرتا۔

اس نے لکھن کا پتہ ڈائریکٹری میں تلاش کر لیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے طور پر اس سے گفتگو رے گا۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے اسے اسکے متعلق احتیاط برتنے کی ہدایت بھی نہیں دی تھی۔ لابریری سے لکھا ہی تھا کہ راہداری کے قریب فریدی نظر آیا۔

”ہوں.... تو آؤ....“ اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کا منتظر ہی رہا ہو۔ ”لہاں آؤں....!“

”نصرت سے بھی دودو باتیں ہو جائیں....!“ ”مگر.... میں تو....!“

”فکر مت کرو.... وہ تم سے غزل سنانے کی فرمائش نہیں کرے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں پرے ساتھ دیکھ کر تم تحریر رہ جائے.... خیر آؤ۔“

”سبھی میں نہیں آتا کہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“ حمید جلاہٹ میں پری ٹھ کر بولا۔ ”بھی ایزگن لے کر جاؤ کبھی جنجنہا بجا تے دوڑے جاؤ۔ کبھی میرے ساتھ چلو۔“

”ہاں... آؤ.... آؤ.... آؤ....“ وہ اس کا شانہ تھپیپا کر راہداری میں مرتا ہوا بولا۔

”ا بھی نہیں! بھند العد کی چیز ہے۔ پہلے کسی طرح نصرت سے وہ مکان خالی کرانا چاہئے۔“

”ہم مکان خالی کرائیں گے....“ حمید نصرت سے آنکھیں چھاڑ کر چینا۔

”ہاں اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ وہ آخر اس ہندر سے کیوں چھنا ہوا ہے۔“

”اس کی وجہ کجھی بھی ہو سکتی ہے جتاب۔“

”چلو بھتی! فی الحال ایک تجربہ کرنا ہے۔ ذہن کو زیادہ نہ الجھاؤ، ورنہ پھر عشق پر آکر ہمارا ٹھپ ہو جائے گی۔“

”ایک تدبیر سمجھ میں آرہی ہے۔“ حمید کی آنکھوں میں شراحت آمیز چک لہرائی۔ ”کیا....؟“

”اب میں بھی اس کی تصویر کھنا شروع کر دوں؟“

”لیکن شاید تمہیں قتل ہونے کی سعادت نہ نصیب ہو سکے۔“

”ٹھہریے... آپ نے لکھن سے بھی تو گفتگو کی تھی۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچا اور بولا، ”جس کا حصل یہ تھا کہ سر و حید، لکھن اور پرنس تو قیر کبھی دوست بھی تھے۔“

”ہاں.... تھے! چوچا بھی تھا۔“ فریدی مکرایا۔ ”جس کا تذکرہ میں نے مصلحتاً نہیں کیا تھا لیکن لکھن کو وہ ضرور یاد آیا ہو گا۔ البتہ اگر میں تمہارے سامنے اس کا نام دہرا دوں تو تم پر پھر عذر اور رقبت کی کہانی سوار ہو جائے گی۔“

”کون.... نصرت....؟“ حمیداً چھل پڑا۔

”ہاں.... لیکن یہ ان دونوں کی بات ہے جب شاید نصرت کی بیوی پیدا بھی نہ ہوئی ہو۔“

”ہت تیری کی....!“ حمید پھر مضخل ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آپ کو اتنی پرانی بات کیسے معلوم ہو گئی۔“

”سر و حید کے قتل کے بعد اس کی پچھلی زندگی کے متعلق چھان بین کرنی ہی پڑی تھی۔“ چاروں کی دوستی کے دور کا ایک اہم واقعہ سامنے آیا۔ ایک رات کا واقعہ جب چاروں نے جی کوکوا کر فائزگ کی تھی اور سر و حید رخی ہو گیا تھا۔

”لیکن آپ ہی میں گولیاں چلی تھیں۔“

”ہاں.... اور پولیس کو روپورٹ دی گئی تھی کہ وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ وہ سمجھے تھے...“

"ہو سکتا ہے کہ دیر کرنے سے کوئی تیرا حادثہ ہو جائے۔"

حید نے سوچا تھا کہ کچھ دیر دن بھر کی تھکن اتارے گا۔ پھر ہو سکتا تھا کہ ہائی سرکل کا میں لکھن سے ملاقات ہو جاتی۔ لیکن "مرگ مناجات" سے کہاں چھکارہ۔ گھشتاہی پڑا جلا۔ میں وہ فریدی کے پاس بیٹھنے کی بجائے کارکی بھچلی سیٹ پر بیٹھا۔ راستے بھر ان کے درمیان کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں ہوئی۔

نصرت کے بنے ترتیب پائیں باغ پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ کار سے اتر کر باغ میں دا ہوتے وقت فریدی کو نارنج روشن کرنی پڑی۔ شکستہ عمارت کا بیر ونی برآمدہ بھی تاریک تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

فریدی نے صدر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے شاید نصرت کی بیوی ہی نے جواب تھا۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی دروازے کے قریب بیٹھ کر رک گیا تھا۔ "کون ہے....؟" آواز آئی۔ میں نے سوچا کہ یہ عورت چوبیوں گھٹتے اسی کنڈر لذارتی ہے۔

فریدی نے اسے اپنا نام اور عہدہ بتایا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ لیکن جیسے ہی حید چہرے پر روشنی پڑی مز نصرت کی آنکھوں سے جھنجلاہٹ جھائکنے لگی۔

"اس کا کیا مطلب....؟" اس نے غصیل آواز میں کہا۔ "کیا اب سچ مجھے پولیس ڈلب کرنا ٹرے گا۔"

"س تو یوں بھی آپکی خادم ہی ہے محترمہ...!" حید بولا۔ "بغیر طلب کئے ہی بیٹھ گئی۔ میں مسٹر نصرت سے مٹا چاہتا ہوں۔ کیا آپ براہ کرم میرا کارڈ ان تک پہنچائیں گے۔ فریدی نے کہا اور اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح متوجہ ہوئی کہ حید کتاب ہو کر گیا۔ با۔ سماں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پھر کے بت کی طرح ساکت اور بے جان ہو کر رہ گی۔" "ڈ محترمہ....؟" فریدی کی آواز برآمدے میں گوئی اور وہ اس کے ہاتھ سے کارڈ کچک کئے بغیر راپتی کے لئے مر گئی۔

حید بھر گاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی بجائے نصرت براہداری میں نظر آتی۔ تیری سے دروازے کی طرف آرہا تھا۔

"ف فرمائے جتاب۔" اس نے قریب بیٹھ کر کتے ہوئے کہا اور پھر حید کو گھوڑنے لگا۔

"اوہ.... یہ میرے استنشت کیپٹن حید ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... مگر.... مگر.... دیکھنے میں اسے سخت ناپسند کرتا ہوں۔ آخر اس کی وجہ۔" وہ نہ سے بروڈا یا۔

"اس بار آپ کی سالانہ یاد دہانی میری نظروں سے بھی گزری تھی، نصرت صاحب!" فریدی اور اس کے ساتھ ہی وہ نئی رپورٹ بھی کہ کچھ لوگ آپ سے جھگڑا کرنے کی کوشش ہے ہیں۔"

"آپ مجھے اب بھی اپنا شاگرد ہی سمجھئے۔" حید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے آپ لوگ مجھ سے براہ راست کوئی گفتگو کیں۔" نصرت نے کہا۔ "میں اپنی رپورٹ میں بھی یہی کہہ چکا ہوں کہ جھگڑا کرنے والے بے لئے اجنبی ہیں۔"

"کیا آپ اخلاقاً بھی ہم سے بیٹھنے کو نہ کہیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آئیے....!" بوڑھا بیر اسامنہ بنائے ہوئے مڑ گیا۔

وہ انہیں ایک کرے میں لا یا جس میں بہت پرانا فرنچ پر نظر آرہا تھا۔

کرے کی نضا بھی کچھ گھٹی گھٹی سی تھی اور وہاں اسی قسم کی بوگون خرہی تھی جیسے باور پی خانہ بیبغا ہو۔

"تشریف رکھئے....!" نصرت بے دلی سے بولا۔

"آپ تو وحید میشن کے پکھواڑے ہی رہتے ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ابھی کچھ دن ہی پہلے میں یہاں آیا تھا۔.... عجیب کیس ہے یہ بھی.... بے سر و پا۔"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ میرا سونے کا وقت ہے۔"

"میں صرف یہ بتانے کے لئے حاضر ہو ہوں کہ سروحید کے سر کے مل کھڑے ہو کر آپ کے گھر میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا بکواس ہے۔" نصرت نے آنکھیں نکالیں۔

"اور میرا خیال ہے کہ ٹھیک باور پی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔"

”وزرا نہ ہریے....!“ بورڈھا آہستہ سے بڑی بڑی۔ پھر فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس تیج پر پہنچ رہے ہیں ابھی آپ نے ایک منٹکہ خیر بات کی تھی
کہ سر و حید کے سر کے مل کھڑے ہو کر میرے باورچی خانے میں جوانا کرتا تھا۔ کیا آپ نے یہ
بات بنجیدگی سے کہا تھی۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ چار آدمیوں کی وجہ کس طرح شروع ہوئی تھی۔“
”مجھے تفصیل یاد نہیں۔ بہت پرانی بات ہے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سر و حید زخمی ہو گیا تھا۔“

”آپ کی گولی سے....!“
”میں سمجھا... شاید آپ اس کا قتل میرے سر منڈھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”میری بات کا جواب دیجئے۔“
”میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ کیا خود سر و حید نے کسی کے خلاف
شہر بھی ظاہر کیا تھا؟“

”تھی تو دشواری ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ پھر بولا۔ ”روزانہ تین
بجے آپ کہاں ہوتے ہیں۔“

”میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔“
”بُس یہ صرف ایک سوال ہے۔“

”میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ زیارت ہو چکا ہوں بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جاتا۔“
”باورچی خانے میں اس وقت کون ہوتا ہے۔“

”آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“ نصرت غرا کر کھڑا ہو گیا۔
”ایک موقع کا شعر یاد آ رہا ہے استاد۔“ حمید بولا۔

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ آپ لوگ جاسکتے ہیں۔“
”مگر بعض باتیں موقع کے شعر سے بھی زیادہ اہم ہیں استاد۔“ حمید نے کہا اور نصرت اسے
قہر آکر دنیزوں سے گھورنے لگا۔

”بیٹھ جائیے مسٹر نصرت آپ مختکلات میں بچس گئے ہیں۔ آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی
پڑے گی، اب تک دو آدمی مر چکے ہیں۔“

”میاں الو ہوں۔“ نصرت حق پھاڑ کر چینا۔

”مجی ہاں اور میں آپ کا شاگرد ہوں۔“ حمید جلدی سے بول پڑا۔
”آپ جاسکتے ہیں۔“ وہ کھڑا ہو کر دھڑا۔

”اوہ.... آپ پتہ نہیں کیا سمجھے۔“ فریدی پر سکون لجھ میں بولا۔ ”ایک بات اور مجھی ہے
اس وقت مجھے وہ چاروں دوست یاد آ رہے ہیں جنہوں نے رات کے اندر ہیزے میں ایک دوسرے
پر گولیاں بر سائی تھیں۔“

نصرت دھب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں اپنے رویے
تعلق کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کھڑکی میں

حمد نے سوچا کہ بُس اب سنتی خیزی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ شاید ہلکی ہجھڑیوں کا جزا
فریدی کی جیب ہی میں موجود ہو۔ بارہا لیے واقعات پیش آئے تھے، جب حمید یہ سمجھا تھا کہ
صرف ایک معمولی سی تقیش میں حصہ لے رہا ہے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اصل ہر
کہا تھوں میں ہجھڑیاں ڈال دی تھیں۔

اس نے پھر نصرت کی طرف دیکھا جو کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”میاں پوچھ سکتا ہوں کہ جگہرا اس بات پر ہوا تھا۔“ فریدی نے اور حمید دیکھتے ہو
لا پرواں سے پوچھا۔

”میں نہیں سمجھا کہ آپ کا اشارہ کس واقعہ کی طرف ہے۔“

”یہ اس زمانے کی بات ہے جب تارجام والی سڑک بن رہی تھی۔“

”اوہ.... اچھا....!“ بورڈھا نہیں پڑا۔ ”بڑی پرانی بات یاد کی ہے آپ نے.... ہاں کہ
رات ہم چار آدمیوں نے محض غلط فہمی کی بناء پر ایک دوسرے پر فائر گک کی تھی اور ان میں:
ایک زخمی ہو گیا تھا۔ ہم سمجھے تھے شاید ہم پر ڈاکوؤں نے مجملہ کیا ہے۔“

”پھر بھی شر دعات کے لئے تو کوئی واقعہ ہی ذمہ دار ہو گا.... کیا ہوا تھا۔“

”چھاپلے میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ قیم صرف کرایہ دار ہے۔ مگر میرے تسلیم کر لینے سے بیا ہو گا۔ مطمئن تو مز نصرت کو کرتا ہے۔ اور... بات خواہ مخواہ بھی ہوتی جاتی ہے، میں تو آپ صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ اب قیم کوئی گڑ بڑھ کر سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اسے حالات میں ”یاد دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان چاروں میں سے دو آدمی ختم ہو چکے ہیں۔ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔“ ”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“

جہوں نے ایک دوسرے پر فائزگ کی تھی۔“ ”جید بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔ دعوات نصرت نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔“ ”مثہر یہے۔ قیم کو آپ نے کیوں گرفتار کیا ہے اور کس گڑ بڑی طرف آپ کا اشارہ ہے۔“

”پچھے نہیں! شکر بیجھ کے اسے موقع نیاز مل سکا! اور نہ آپ اس وقت اتنے پر سکون نظر نہ اٹتے اور محترمہ کاغذہ تو شاید آٹش فٹانوں کے منہ بھی پھیرو دیتا۔“

”کیا آپ مجھے پاگل بنادینے کا تھیہ کر کے آئے ہیں۔“ نصرت اپنی پیشانی ملتا ہوا بولا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر اندر ہیرے میں گھورتا ہوا سکارا بھاٹا۔

”ہم تھیہ کر کے آئے ہیں کہ صرف غیر طریقی سنائیں گے۔“ جید نے کہا۔

”یا تو آپ لوگ صاف صاف گفتگو بیجھے یا میرا چھا چھوڑ بیجھے۔ میں کس پس میں رہنے کا ارادی نہیں ہوں.... اس سے مجھ پر ہمارت ایک بھی ہو سکتا ہے۔“

”آپ تو صرف اس کھنڈر میں رہنے کے عادی ہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن آپ وکی قیم کے بھی ایک کا خدشہ نہیں ہے۔“

نصرت کے ہونٹ پھیل گئے۔ لیکن یہ مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔

”غیر ختم بیجھے۔“ فریدی نے سر کو خیف سی جنبش دے کر کہا۔ ”فروخت سے کچھ دن قبل اکٹھ سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی کس کے پاس تھی۔“

نصرت نے فوراً جواب نہیں دیا لیکن انداز سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سوال اجواب دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”مکانوں کے ایک دلال کے پاس۔“

”تو آپ پہلے ہی سے اسے فروخت کر دینے کی فکر میں تھے۔“

”ہاں! لیکن کوئی گاہک نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کوٹھی منہوس مشہور ہے۔“

”پھر گاہک مل گیا۔ آپ نے بیگم صاحبہ کو بتایا۔... لیکن پھر نہ جانے کیوں آپ نے گاہک سے یہ خواہش ظاہر کی کہ بیگم صاحبہ کو فروختگی کا علم نہ ہونے پائے اس سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کو ہوں۔“ نصرت پھر بھڑک اٹھا۔ فریدی مسکراہتا ہوا اپنی باہمیں آنکھ دبا کر بولا۔

”کون دو آدمی....؟ کیا مطلب....!“

”پہلا سر وحید اور دوسرا دھو جو آپ کے ساتھ کسی قسم کا فراہڈ کر رہا تھا۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا کر تھی....!“

”یاد دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان چاروں میں سے دو آدمی ختم ہو چکے ہیں۔“ جہوں نے ایک دوسرے پر فائزگ کی تھی۔“ ”ووسر اکون ہے....؟“ نصرت کے لجھے میں حیرت تھی۔

”پرنس تو قیر....!“ ”اوہ.... میرے خدا....؟ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں....؟“

”میں فی الحال کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ کیا آپ میر مد کریں گے؟“ ”میں کیا کر سکتا ہوں؟“ ”ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کس نے خریدی ہے؟“ ”مگر.... کیوں....؟“

”آپ الثابجھ ہی سے سوال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ نبڑی عادت ہے۔“

”قیم ناہی ایک صاب نے خریدی ہے۔“

”آپ کو یقین ہے کہ وہ عمارت آپ فروخت کر چکے ہیں۔“

”کیسی الٹی سیدھی اتنی کر رہے ہیں آپ! مجھے یقین کیوں نہ ہو گا جب کہ میں نے اکٹھ سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی کس کے پاس تھی۔“

”کیا آپ بھی بات محترمہ کے سامنے دھرا سکیں گے۔“

”میں نے کچھ سکتا۔“ نصرت میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

”آپ صرف مطلع اور سمع بھج سکتے ہیں استاد۔“ جید نے کہا۔ ”وہ میانی اشعار سمجھنے کی کوشش کیجھ تو بہتر ہے.... یہ ہمارا کام ہے۔“

”میں گزارش کروں گا۔ آپ لوگ تشریف لے جائیے! اور نہ میں ابھی کمشتر کو فون کر

”میں گزارش کروں گا۔ آپ لوگ تشریف لے جائیے! اور نہ میں ابھی کمشتر کو فون کر

اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلائے....؟

"میں کہتا ہوں.... یہ قطعی نجی معاملات ہیں، ان سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوتا چاہ بوزھے نے جھنجلا کر کہا۔

"قطعی نہ ہوتا چاہئے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر بعض اوقات آدمی حالات سے ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کا یہ قطعی نجی معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔

عیم کے آقانے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ آپ کی موجودگی میں تو آپ کے بیان کر کر دے لیکن علیحدگی میں پیغم صاحبہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ آپ جھوٹے ہیں۔

"نہیں...." نصرت کے لمحے میں حیرت تھی۔ "اس کا آقا.... اس کا آقا! میں نہیں۔" "اوہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عمارت عیم نے خریدی تھی۔"

"پھر کس نے خریدی تھی....؟"

"پُنس تو قیر نے۔!"

حمدی نے محوس کیا جیسے یک بیک بوزھے کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو۔ اس نے اسے غورتے مگراب دہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پھر معمول پر آگیا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تو قیر کی اس حرکت کا کیا مطلب تھا۔" وہ بڑا بڑا۔

"مجھے پہلے ہی علم تھا کہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں ہوئے مسکرا کر کہا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک نسوی چین سنائی دی۔ جو عمارت ہی کے کسی گوشے سے ابھری وہ چونک پڑے اور بوزھاروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "اوہ سلیمانہ کو کیا ہوا۔"

حمدی نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور نہ یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ انھ کر بوزھے کے پیچھے جائے گا۔ دفتہ کھنڈر کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے آواز آئی۔ "سنے۔"

آواز کسی عورت کی تھی۔ "سنائے!" فریدی نے اپنی جگہ سے پہلے بغیر کہا۔

"میں سلیمانہ ہوں! نصرت کی یہوی۔ خدا را کسی طرح اس کھنڈر سے نجات دلائیے، ورنہ میں سک سک کر مر جاؤں گی۔"

"ہوش کر رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید باہر چلے ہوئے اندر ہمیرے میں آنکھیں اڑ رہا تھا۔ سایہ کھڑکی کے پاس سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر فریدی کی طرف مڑا جس کے ہونٹوں پر کمی تھی۔ اسی وقت نصرت پھر کر کے میں داخل ہوا وہ بُری طرح ہاپن رہا تھا۔

"وہ پتے.... نہیں.... کہاں ہے.... میری مدد کیجئے۔" وہ رک رک کر بولا۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔ لیکن حمید جھنجلاہٹ میں جتنا ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں بن آرہا تھا کہ فریدی یہاں وقت کیوں ضائع کر رہا ہے۔

اچاک قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نصرت کی یہوی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ "یہ کیسی چیز تھی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں باتحڑوں میں تھی۔ کون تھی وہ۔"

"تم نہیں تھیں۔" بوزھے نے حیرت سے کہا۔

"میں کیوں ہوتی۔"

"مگر آواز تو تمہاری ہی جسمی تھی۔"

"خدکی پناہ.... میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ ہرگز نہیں رہوں گی۔"

"خاموش رہو۔" نصرت پھر گیا۔

"اے نہیں استاد میں رجسٹرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ خاموش رہئے۔" نصرت اس پر اٹ پڑا۔

وقت نہ ضائع کیجئے۔" فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یہ چیز کیسی تھی۔"

"میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔" نصرت نے باتحڑہ ہلا کر کہا،

ریوی سے بولا۔ "اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں تو کہیں اور انتظام کر لو۔ یہی میں سیل رہوں گا۔"

"یہ کتنی بے تکی بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" نصرت کی یہوی نے آنکھیں لیکن۔ "ہاں تم سے کہہ رہا ہوں؟ کان کھول کر سن لو۔ یا مجھے قطعی طور پر چھوڑ دیا میری مرضی لے مطابق در ہوں۔"

"آپ سب کے سامنے میری توہین کر رہے ہیں۔" وہ روہانی ہو گئی۔

"نہیں میں صاف طور پر گفتگو کر رہا ہوں۔ مجھے اپنے اجداد کے اس کھنڈر سے پیار ہے۔ میں لے سرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک کرسی کی پشت گاہ پر سر رکھ کر سکیاں لیئے گی۔

”آپ کو کچھ اور پوچھنا ہے؟“ نصرت نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر ناخوشگاری کہا۔

”نہیں جناب شکر یہ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب ہمیں مجبوراً خود ہی آپ کے دکھونڈھ نکالنا پڑے گا تاکہ سالانہ یاد وہانوں کا مسئلہ حل ہو سکے۔“

”آپ ایسا نہیں کر سکتے۔“

”مجھے کون روکے گا۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”آپ ازروئے قانون میرے وکیل کو مجبور نہیں کر سکتے۔“ نصرت آنکھیں نکال کر بوجو میں کرتا ہوں وہی قانون ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو قانون مجھ سے نکوہ نہیں کر۔

”خیر میں بھی دیکھوں گا۔“ نصرت کے لبجھ میں چلتی تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیسی سالانہ یاد وہانی کیسا وکیل۔“ مژن نصرت نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

”میں کہتا ہوں تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“ نصرت پھر اس پر اٹ پڑا۔

چلو بھئی فریدی نے حمید سے کہا۔ ”ہماری وجہ سے خواہ کہیں یہ دونوں آپس میں بیٹھیں۔“

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر رک کر مڑا اور آہستہ سے بولا۔ ”مجھے شبہ ہے کہ کی بنگم صاحبہ سر و حمید کے قاتل سے واقف ہیں۔“

”کیا کہا۔....!“ مژن نصرت اچھل پڑی۔

”بانکل بالکل....!“ نصرت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بچوں کی سی بھی تھی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں شوخی بھی دیکھی تھی۔

”نہیں مژن نصرت۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ اس مسئلے کو غیر سنجیدگی سے نہیں ہیں۔“ وہ اپنی کلامی کی گھری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم تہیہ کر کے آئے ہو کہ مجھے پاگلوں کی طرح چینچنے پر مجبور کر دو گے۔“

”آپ ایک بار پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ان الفاظ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔“ فریدی

نصرت کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ترے سے بولی۔ ”میں خوب سمجھتی ہوں۔ پہلے آپ نے پنچھنے کا سنت کو سمجھا تھا اب خود تشریف لائے ہیں۔“

”تم کیا سمجھتی ہو؟“ نصرت نے پوچھا۔

”ایک بار ان حضرت نے آرکوپی میں مجھ سے چیلٹر چھاڑ کی تھی۔“

حمدید پکرا گیا اور اس طرح بوكھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس نے ہوتوں کی بجائے ل سے سگار پینا شروع کر دیا ہو۔

”مگر یہ ان دونوں کی بات ہے محترم جب آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔“ ”فریدی مسکرا کر لا۔“ اس نے یہ مسئلہ نصرت کی ذات سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ ویسے مجھے آپ کی یادداشت کی ریف ہی کرنی چاہئے۔

”خدا کی قسم برداشت سے باہر ہے۔“ نصرت ناج کر رہ گیا۔

”میں یہ حالات واقعی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خاموش ہی رہا۔ یہ رات بھی اس کی لئے عجیب ہی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس عورت نے نصرت کو ڈاٹ دے کر فریدی تک اپنایہ فام پہنچایا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے نجات دلاتے اور اب اس پر الزام لگا ہی تھا کہ اس نے کبھی اس سے چیلٹر چھاڑ کی تھی اور تو اور فریدی نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

نصرت آنکھیں چھاڑے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”مگر آپ قاتل کو جانتی ہیں۔“ فریدی نے اس کی بیوی سے کہا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ رحیم پر فائز آپ کے باور پی خانے ہی سے کیا گیا تھا۔“

وفتنہ مژن نصرت کے چہرے کارکن لاگیا اور حمید نے اسکی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔ ”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”م..... ن..... میں کچھ نہیں جانتی۔“ اس نے کہا اور تیزی سے فریدی کے قریب ہی سے گزرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ نصرت کسی بت کی طرح ساکت تھا لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے بذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔

”مگر یہ کیسے مکن ہے....!“ اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

"میں اس کا مظاہرہ کر سکتا ہوں.... اگر آپ اجازت دیں۔"

"کیسے؟ کیا دیوار پر فائزہ کیا گیا ہو گا۔ کیا گولی دیوار سے گز کر اس کے لگی ہوگی۔"

"نہیں! میں دکھاؤں گا۔ کیا آپ مجھے اپنے باورچی خانے تک لے جائیں گے اور کیا اس اجازت دیں گے کہ میں آپ کی بے آواز را نقل استعمال کر سکوں۔"

"اوہ....!" نفرت اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں چھل گئی تھیں لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا ٹوٹھوٹھا اظہار حیرت۔

"تو آپ اس کے قتل کا الزام میرے سر رکھ دیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اس پر تو آپ کی بیگم صاحبہ ہی روشنی ڈال سکتی گی کہ قاتل کون تھا۔" تو اس نے مجھ سے بھی چھپایا ہے۔ لیکن وہ چلی کیوں گئی۔

"اس کا جواب بھی وہی دے سکتیں گی۔ میرے خیال سے اب آپ کو دیرینہ کرنی چاہئے۔"

"آئیے... میرے خدا... یہ رات کتنی عجیب ہے۔" نفرت دروازے کی طرف بڑھتا ہوا!

دوسرا سے کمرے میں اس کی بیوی ملی وہ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

نفرت نے دیوار سے راکفل اتاری اور فریدی کی طرف بڑھادی۔ پھر بیوی سے بولا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم سر وحید کے قاتل کو جانتی ہو۔"

"م..... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو۔ چھپتے چھڑا کے تذکرے پر تمہاری آواز میں بڑی زندگی تھی۔" نفرت گر

"لیکن اس الزام پر تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔ اگر یہ جھوٹا ہے اپنے کمرے میں چلو۔"

جواب دینا پڑے گا اگر اسے ثابت نہ کیا جاسکا۔

وہ اسے گھستیتا ہوا ایک کمرے کے دروازے پر لایا اور اندر دھکیل کر زنجیر چڑھادی۔

"کھولو.... کھولو.... یہ کیا کرتے ہو۔ کیا دیوار پر لگی ہے۔" وہ اندر سے دروازہ پیشے گئی۔

اور حمید اپنی پیشانی رکرنے لگا۔

نشانہ

باورچی خانے کی پچھلی دیوار شکستہ تھی اور اس سے تاروں بھرا آسمان صاف دکھائی۔

تھا۔ یہ شکاف اتنا کٹا تھا تو ضرور تھا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گزر سکے۔ بہر حال باورچی خانہ قلعی غیر محفوظ تھا۔ اگر اسے مغلی نہ رکھا جاتا تو سارے ہی رہائشی حصے غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے۔ اس وقت بھی وہ قفل ہی کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

فریدی کے ہاتھ میں راکفل تھی۔ وہ دروازے کی طرف مڑا۔ یہاں سے وحید میشن کی تیسری منزل کی دیوار صاف نظر آ رہی تھی۔

"آپ کیا دکھانا چاہئے ہیں مجھے۔" نصرت نے پوچھا۔

"خہبر یے....!" فریدی بولا اور شکستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ لیکن راہ میں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار اور بھی حائل تھی۔ یہ فرش سے تقریباً چار فٹ ضرور اوپھی ہو گی۔ دونوں دیواروں کے درمیان ایندھن کے ڈھیر تھے۔

"کوئی آدمی اس شکاف سے اندر داخل ہو کر یہاں بہ آسانی چھپ سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس طرح کہ یہاں بیٹھ کر کھانا پکانے والے کو خبر ہی نہ ہو سکے۔"

"خدا کی پناہ۔" نصرت پھر جھنگھلا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سے گولی چلائی گئی تھی تو وہ پہلے آمان کی طرف گئی ہو گی اور پھر وہاں سے اس طرح پہنچی ہو گی کہ سر وحید کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا ہو گا۔

"بے صبر ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور گھنی مل رک کر اس نے تین بار سیٹھی بجائی۔ حید کی سمجھی میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ دھفاتا فریدی نے نصرت سے کہا۔ "اب دیوار کی طرف دیکھئے مسٹر نصرت۔"

حید کی نظر وحید میشن کی طرف اٹھ گئی۔ تیسری منزل کی دیوار پر ایک جگہ ایک چھوٹا سا روشن مستطیل نظر آ رہا تھا۔

"اوہ.... یہ کیا....!" نصرت بڑھ دیا۔ خدا کی قسم میری نظر آج تک اس پر نہیں پڑی تھی۔

"اب آئیے باورچی خانے میں۔"

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آگئے۔ فریدی چار فٹ اوپھی دیوار تک چلا گیا۔

"در جھک کر یہاں سے دیکھئے اور زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔"

حید بھی قریب پہنچ گیا۔ اب یہاں اس روشن مستطیل کی اصلاحیت واضح ہوئی۔ یہ ایک

چھوٹی سی مستطیل نمایخاء تھی جس میں ایک موم تی روشن تھی اور موم تی کی لویہاں سے ہ نظر آری تھی۔

"یہ تالی میں تو کبھی نہیں دیکھی۔" نصرت بڑپولیا۔

"تحوڑی دیر بعد یہ پھر نظرؤں سے غائب ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا اور دیوار کی دو جانب اترتا ہوا بولا۔ "اب دیکھ کے سر و حید کا لیکھر ہو۔ جب وہ اسی خلاء سے آنکھیں گکار کے بل کھڑا تھا مگر مٹھریے۔ کیا آپ ایک کار توں دینے کی بھی زحمت گوارہ کریں گے۔"

"میگرین بھرا ہوا ہے۔" نصرت بولا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں طفانہ چک دیکھی۔ "شکریہ۔" فریدی نے میگرین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور شست لے کر فائز کرویا۔ رات بے آواز تھی اس لئے ایک ہلکی سی "مکک" باورپی خانے میں گونخ کر رہ گئی۔

دوسری طرف مستطیل نمایخاء کی موم تی گل ہو پھی تھی۔

"برا شاندار نشانہ ہے.....!" نصرت بڑپولیا۔

"تو اس طرح سر و حید کا خاتمه ہوا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں سے صحیح نشان نہیں لیا جاسکتا۔" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر نصرت ہتی بولا۔ "مگر کون! یہاں سے کس نے فائز کیا ہو کون آیا ہو گا یہاں۔"

"آپ کہاں تھے جس دن یہ حادثہ ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھر پر نہیں تھا۔ رات گئے واپس آیا تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ سر و حید مر گیا۔"

"کیا نیگم صاحب تین بجے عموماً باورپی خانے ہی میں ہوتی ہیں؟"

"ہاں.... مگر اس سے کیا.....؟"

"کچھ نہیں.... سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے باورپی خانے میں اس طرح کیوں جھاناک کرتا تھا۔

"یقین کیجئے مسٹر آفیسر... اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو شاندہ میرے ہی ہاتھوں مرتا

نصرت نے مسکرا کر کہا۔" اور یہ سوال میرے لئے بھی تشویش کن ہے کہ وہ میرے باورپی خا میں کیوں جھاناک کرتا تھا۔ لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آئیے اب میں اس معقول عورت سے پوچھوں گا۔"

وہ باورپی خانے سے پھر اس کرے کی طرف آئے جہاں نصرت نے اپنی بیوی کو بند کیا تھا۔ تھی۔ کذبی گرائی اور دروازے کو دھکا دیا۔ وہ سبھی پر منہ کے بل پڑی بُری طرح کا پ

"اے ٹھوڑے...!" نصرت نے اسے جھبھوڑ کر اٹھایا۔ وہ اٹھ تو گئی لیکن کسی سے نظر نہیں ملائی اس جھکا ہوا قہا اور وہاب بھی کاپ رہی تھی۔

"کس نے فائز کیا تھا باورپی خانے سے۔" نصرت دھڑا۔

"میں نہیں جانتی تھی.... مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے کھلکھل کی آواز سنی تھی اور چونک پڑی۔ وہ دیوار کے شکاف سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ میں چیختی تھی اور وہ لیا تھا۔"

"کون تھا...؟"

"پرانی تو قیر...؟"

"ہاںیں...!" نصرت آنکھیں چھاڑ کر رہ گیا۔ "لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ تم تھیں کہ سر و حید باورپی خانے میں جھاناک کرتا ہے۔"

"نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے کبھی جھاناکتے نہیں دیکھا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا۔"

"میری کبھی میں ہی کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہیں تم میرے کیز کڑ پر شبہ نہ کرنے میں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی۔" وہ رونے لگی۔

حمدید نے فریدی کی طرف دیکھا۔ نصرت اپنی بیوی کو تغیر آمیز نظرؤں سے دیکھ کر رہا تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس وقت جو کچھ یا ہے بہت ہی مقتول طریق پر کیا ہے۔ شاید و حید میشن کی تیری منزل پر اس کے آدمی پہلے

میں موجود تھے جنہوں نے سیٹی کی آواز پر دیوار کی پوشیدہ خلاف میں موم تی روشن کر دی تھی۔

"تم نے آخر مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔" نصرت نے اپنی بیوی کو پھر جھبھوڑا۔ "اور تم پرانی

لوکا جاؤ۔"

اس کی بیوی نے سر اٹھایا گواں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر ان میں حید کو غصے کی

لہر نظر آئی۔ دھنٹاں نے غرا کر کہا۔ ”کیوں نہ جانوں۔ کیا میں کوئی پر وہ نشین عورت ہوں
ہزاروں کو جانتی ہوں۔“

”بس سمجھ۔“ فریدی باتھ مسکرا لیا۔ ”آپ دونوں ہی بہترین اوکار ہیں۔ میں
تلیم کرتا ہوں۔“

”کیا مطلب...!“ بوڑھا چونک پڑا اور عورت بھی فریدی کو گھورنے لگی۔

”زیادہ لمبی اڑان اکثر بڑی تیزی سے بیچ لاتی ہے۔“ فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

”پتہ نہیں اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کا وارث گرفتاری میری جیب میں موجود ہے۔“

”کیا مطلب...!“

”مطلوب کہاں تک سمجھاؤں۔“ فریدی نے جیب سے ہھکڑیوں کا جڑا نکالتے ہوئے ا

”یہ کیا کرنے جا ہے میں آپ۔“ بوڑھا جملائی ہوئی آواز میں چینا۔

”وارث دکھائیے۔“

فریدی نے کوٹ کی اندر ورنی جیب سے وارث بھی ٹکالا۔

”مگر یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے۔ آخر میں کس بناء پر گرفتار کیا جا رہا ہوں۔“ نصرت۔

”بھی غصہ ہی کامظہرہ کیا۔“

”سر و حید اور پنس تو قیر کے قتل کے الزم میں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور?

تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”بکواس ہے۔“ نصرت طلق چھاڑ کر چینا۔

”اس پر غور کرنا عدالت کا کام ہے.... میرا نہیں۔“

”یہ سراسر زیادتی ہے۔ آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔“ نصرت کی بیوی بولی۔

”عدالت میں ثابت کروں گا۔ ویسے جس طرح میری یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپ

سے واقف تھیں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے رائقل پرنس تو قیر کے ہاتھ میں

بلکہ نصرت کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس کے بعد نصرت نے پنس تو قیر کو بھی نہم کر

بھی فرمائیے کہ میں نے آپ کو کبھی آکچوں میں چھیرا تھا۔ تو قیر اس بیان کی تصدیق کرنے

نہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کے ہاتھ میں رائقل دیکھی تھی۔“
”تم کیا چاہتے ہو۔“ نصرت اس طرح بولا مجیسے اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا اثر دیکھنا
اہتا ہے۔

”ظاہر ہے کہ ہھکڑیاں نکال لینے کے بعد میں کیا چاہوں گا۔“

”یہ ممکن ہے۔ تا ممکن ہے۔ تم مجھے بہاں سے نہیں لے جاسکتے۔“ حید نے بوڑھے کی
عکھوں میں دیوانگی کی جھلک دیکھی۔ اس نے رائقل سیدھی کر لی تھی۔ رائقل اس دوران اسی
کے پاس ہی رہی تھی۔

”نکل جاؤ بہاں سے.... جاؤ۔“ وہ فائز کر دینے کی دھمکی دیتی ہو ابولا۔

”میا کر رہے ہو تم....!“ عورت چینی۔ لیکن بوڑھا سیفی کچھ ہٹا چکا تھا۔

فریدی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”آپ مطلق پریشان نہ ہوں محترمہ! وہ ایک ایسے آدمی کو
ولیا رہے جا رہا ہے جس نے آپ کو کبھی چھیرا تھا۔“

”گے بوڑھے۔“ حید بوکھلائے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”آس پاس ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔“

”اُن نے تم اس وقت بھی اس کو غزل پر اصلاح دے سکتے ہو۔“ فریدی نے نصرت سے کہا
وہ ہھکڑیاں لے کر اس کی طرف بوجھا۔ نصرت نے ٹریگر دبادیا اور حید دیوانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا۔

عورت بھی چینی تھی لیکن فریدی اپنے ہی پیروں پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”حید اور نصرت گھٹتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔“

”تم بکار الھر ہے ہو حید۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں الحق نہیں ہوں کہ میگرین خالی کے بغیر
راقیل اسے دے دیتا۔“

”ہات تیری کی۔“ حید بوجھا تاہوں نصرت پر سے اٹھ گیا۔ ویسے اس نے اس سے رائقل تو
چھین عالی تھی۔

نصرت دیوار سے لگا کھڑا ہاپ رہا تھا۔

حید سوچ رہا تھا کہ بازی کیسے پلٹ گئی۔ پہلے تو فریدی اس خیال کی تردید کرنا رہا تھا کہ نصرت
علقاً تھا۔

”ایسا ظلم نہ دیکھانے سن۔“ عورت بوجھا ائی۔

”اس کا اعتراف اس نے نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ جانتی تھی۔ اگر اعتراف کر لیتی تو نفرت ہی کب اسے زندہ چھوڑتا۔“

ایسا دن رات کے کھانے پر فریدی نے فون پر ایک کال رسیو کی اور کھانا چھوڑ کر نہ صرف خود اٹھ گیا لکھ حمید کو بھی اپنی ہی تکلیف پر مجبور کیا۔ ”کیا مصیت آگئی ہے۔“ حمید پیر چیخ کر بولا۔ ”جاوہ سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن لو۔ نقاب ساتھ لینا مت بھولنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”جلدی کرو۔“

”کیا ہو گا....!“ ”طفاق میں کامیا۔ اسٹچ کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے کسی ہنڑ والی کی بیٹی کا ابھی انظام ہو جائے۔ جلدی کروڑ فر۔ روپالور بھی لینا۔ پچھر راؤنڈ فالتو بھی۔“ ”تی الحال میں خود کو کسی پالتو سے نیادہ نہیں سمجھ رہا۔“ حمید نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”جاوہ....!“ فریدی نے اسے دروازے کی طرف دھکلتے ہوئے کہا۔ ”آج کی تفریغ بھی تمہیں عرصہ تک یاد رہے گی۔“

”اگر فاتحہ متنی تفریغ ہے.... تو....!“ ”دفعہ ہو جاؤ۔“ فریدی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

تحوڑی دیر بعد حمید نے اسے بھی سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون ہی میں دیکھا۔ پھر گریج سے چھوٹی آئشن نکالی گئی جس کارگ ک آئے دن تبدیل ہوتا رہتا تھا اور نمبر کی پلٹیں بھی حصہ ضرورت بدی جا سکتی تھیں۔ یہ گاڑی بہت ہی مخصوص موقع پر استعمال ہوتی تھی۔ دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبے نے سراہما را لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

کار انہوں نے دولت گنج کی ایک تاریک گلی میں چھوڑی اور گلیوں ہی سے پیدل گزرتے رہے، حمید بالکل خاموش تھا۔ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسی ہی جھلاہٹ ذہن پر مسلط تھی۔ تحوڑی ہی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ وحید مینش کی پشت پر آئکے ہیں۔ نفرت کی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہی تو سامنے تھی۔

”نقاب....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ حمید نے نقاب چرے

”میں آپ کو اس کھنڈر سے نجات دل رہا ہوں محترمہ۔ آپ نے کچھ دیر پہلے خواہش تھی۔“

”خواہش ظاہر کی تھی تم سے کب....؟“ نفرت نے تھیک انداز میں کہا۔ ”جب آپ ان کی چیخ سن کر باہر تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے کھنڈر کی طرز کھڑکی سے کہا تھا۔ خدا کے لئے مجھے اس کھنڈر سے نجات دلائیے۔“

”اوہ.... کتنا..... اتنی چالاکی....!“ نفرت نے دانت پیس کر کہا۔ ”خاموش رہو نور.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔“ ”زبان کو لگا مدم دے نور کی پچی۔“

”چپ رہو نور....!“ عورت نے جھلاہٹ میں نفرت پر تکمیل کھینچ مارا۔ ”یہ ربائی عرض ہوئی ہے۔“ حمید نے ہونٹ بھینچ لئے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اس بار نفرت کے ہھکڑیاں لگائی دیں۔ وہ چھتارہ۔ مرنے مارنے پر آمادہ رہا۔ لیکن اسے اور اس کی بیوی کو کار سک پہنچا دیا۔ پھر دوسری صبح کے انبارات نے سر و حید کی موت کا معہد حل کر دیا۔ اس کی چھت میکنزیم کے متعلق تفصیل آئی تھی جس پر باور پڑتے ہی دیوار میں خلاء پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ وحید سر کے بل کھڑا ہو کر نفرت کی بیوی کے سلسلے میں تاک جھانک کیا کر تا تھا۔ ایک دن نے اسے جھانکتے دیکھ کر اپنی بے آواز را انفل سے ٹھنکا نے لگادیا اور پھر اپنی بیوی کے دعا شق پر نس تو قیر کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے بھی مار ڈالا۔ پولیس نے دونوں متفقین کے سے اس کی بیوی کے فونور آمد کئے ہیں۔

سارے شہر میں سننی پھیل گئی۔ لیکن حید مضطرب تھا۔ اس کیس کے کئی الجہاد تک اس کے لئے الجہادے ہی بنے ہوئے تھے۔

اس نے فریدی سے بھی ان کے متعلق گفتگو کرنی چاہیں۔ بس یہی جواب ملا۔ ”ختم اپنے ذہن کو زیادہ نہیں الجھانا چاہتا۔ نفرت اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن اس کی بیوی کے جرم کا اعتراف کریں لیا ہے۔“

”تو وہ جانتی تھی کہ سر و حید وہاں سے جھانا کرتا ہے۔“

پانچ میں دشواری محسوس ہوئی۔
بیر حال اس نے سوچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ ان کا خدا بھی نقاب پوش ہی تکلا۔
فریدی اسے ریوالور سے دھکلایا ہوا پھر کمرے میں واپس لارہا تھا۔
کمرے کے وسط میں رک کر حمید نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اور پر تک گھورا۔

ہوس کی کہانی

یہ ایک طولی قامت اور چڑے شانوں والا آدمی تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس۔
نگموں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نقاب سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سفید و ستانے
تھے۔ باسیں شانے سے ایک چری تمیلا لٹک رہا تھا جس سے لوہے کے کچھ اوزاروں کے سرے
ماںک رہے تھے۔

فریدی نے ریوالور کی نال سے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر نقاب پوش کی جامہ
لاشی لیتے گا۔ ایک چاق اور ایک آٹو بیک پستول اس کے پاس سے برآمد ہوا جس کی میگرین نہ
تھی۔ پھر اس نے اس کے کاندھ سے چربی تمیلا بھی اتار کر فرش پر الٹ دیا۔ مختلف قسم کے
وزار بکھر گئے۔

”اب تم اپنا کام اٹھیاں ہے جاری رکھ سکتے ہو دوست۔“ فریدی نے بدی ہوئی آواز میں کہا۔
”تم کون ہو۔“ نقاب پوش نے پوچھا۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ بھی اپنی اصل آواز میں نہیں
والا۔ اس نے حلق کے مل بولنے کی کوشش کی تھی۔

”میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ اپنا کام جاری رکھو۔“
”تم بھاں کیوں آئے ہو۔“ نقاب پوش نے پوچھا۔
”یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”لیکن جواب میں حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اپناریوالی جیب میں ڈال لیا ہے۔ لیکن خود اس
نے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فریدی کے اس طرح

پر لگائی اور اب پھر یہیک وہ اپنے جسم میں دیساہی پھر تیلائپن محسوس کرنے لگا جیسا خاص ہوا
کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سارے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے تھے۔
خندڑ پر اندر ہمراستھا اور وہ دونوں چوپا یوں کی طرح زمین پر لگے ہوئے آہستہ
آگے بڑھ رہے تھے۔

اندر داخل ہونے کے لئے فریدی نے وہی شگاف متحب کیا جو باورپی خانے کی دیواروں
تھا۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ اگر باورپی خانے کا دروازہ صحن کی طرف سے مغلل ہوا تو کیا ہو؟
میں طرح دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔ صدر دروازہ تو ان دونوں کی گرفتاری کے بعد یعنی
کر کے سیل کر دیا گیا تھا۔

باورپی خانے میں پہنچ کر دروازے کے برائی ہی انہیں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آیا جس
ایک آدمی بہ آسانی گزر سکتا تھا۔ فریدی نے محمود روشنی والی چھوٹی سی ٹارچ روشن کی
سوراخ شاید کچھ دیر قبل ہی بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب ہی انہیں کا ایک چھوٹا سا ذوب
پلاسٹر کے ٹکڑے نظر آرہے تھے۔ پچھلی رات حمید نے بھیا ایسا کوئی سوراخ نہیں دیکھا تھا۔
سوراخ کے قریب رک کر فریدی نے آہٹی اور پھر اپنے پیر سوراخ سے گزار دی۔
طرح وہ کھلکھلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اب حمید کے لئے اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں تو
بھی بہ آسانی سوراخ سے گزر کر صحن میں پہنچ گیا۔ ہر طرف گھر اتنا تھا۔ دفتہ ایک کھڑکی
روشنی نظر آئی۔

فریدی اسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔... روشنی پھر غائب ہو گئی تھی۔ شاید کسی نہ
روشنی تھی۔ جسے حسب ضرورت جلایا اور بجھایا جا رہا تھا۔

پھر انہوں نے اندر کی کے قدموں کی آواز سنی۔ روشنی دوبارہ نظر آئی اور اس بارہ دیر تک رک
فریدی آہستہ آہستہ کھلکھلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچاک دروازہ کھلا اور کوئی
نکلا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اس کی باسیں پسلی سے جاگی۔

”ہاتھ اوپر اٹھا دوست....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔
اور اجنبی کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔
”اب تم سوچ آن کر دو.... کرے کا۔“ فریدی نے حمید سے کہا تھا لیکن حمید کو اس کا

ریوال اور جیب میں ڈال لینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس نقاب پوش کو جواب دیے پر بور نہیں مانے گا۔ نقاب پوش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ غالباً وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کا مقصد چاہتا ہے۔

”تم جواب دینے پر مجبور ہو۔“ دفتار فریدی بولا۔

”اوہ...!“ نقاب پوش نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس پر چھلانگ لگائی۔ فریدی بے خوبی کہ اس کی زد میں آجائتا۔ بڑی پھرتی سے وہ ایک طرف ہٹا اور پھر قبل اس کے کہ نقاب دوسری بار اس کی طرف پلتا اس نے اس کی کمر پر ایک زور دار لات رسید کی۔ نقاب پوش کراہ کے ساتھ دیوار سے جاگر لایا۔

اس کا دروسرا حملہ یہی ثابت کر رہا تھا کہ وہ مر جانے یا مار ڈالنے کا تہبیہ کر کے جھپٹا ہے۔

حید کی حیثیت ایک خاموش تماشائی کی سی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے حالات میں قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی شامت تو آئی نہیں تھی کہ وہ اس میں خود بھی حصہ لے بیٹھتا۔ ایسے موقع پر فریدی دخل اندازی کرنے والوں کو بھی دوچار ضرور جھاڑ دیتا تھا۔ خواہ اس کے اپنے ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر مقابلہ کرنے والے تو حید کو یقینی طور پر بھاٹھ پیر ہلانے کا خیال آتا۔

دوسرے حملے میں فریدی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہیں اس بار بھی اس نے بڑی صفائی سے اس خالی دیا تھا۔

تیسرا بار حملہ کرنے کی بجائے نقاب پوش دیوار سے نکل کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھا ہوا بولا جو کوئی بھی ہو۔ ایک سر کاری فرض کی ادائیگی میں حارج ہو رہے ہو۔

”زارے دوست! یہ کہانی بھی میرے لئے وچکی سے خالی نہ ہوگی۔“ فریدی نے کم حیرت کا ظہور کر کے کہا۔

”اس مکان کا مالک ایک غیر ملکی جاؤں تھا۔“ نقاب پوش بولا۔ ”میں اس کے کاٹلاش کر رہا ہوں۔“

”تمہیں یہ حق کہاں سے ملا ہے دوست۔“ فریدی کا لہجہ پر سکون اور باوقار تھا۔

”میں نیکرٹ سروس سے متعلق ہوں۔“

”خوب! حالانکہ سیکرٹ سروس کا کوئی آدمی چھانی کے تختے پر بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ بن ہے کیونکہ اس کے بیان کی قدمیت کرنے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آکتا۔ شاید تم نے یہ جا سوی ہوں میں نیکرٹ سروس والوں کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔“

یہ یہکے نقاب پوش پھر فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ اور فریدی اس بار جنم کر مقابلہ کرتا ہوا بولا۔ ابھی میں دیکھے ہی لیتھا ہوں کہ تم کون ہو۔“

نقاب پوش اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار اس نے فریدی کو گرا میں دیکھنے کا خود کو اس کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔

”میاں میں تمہیں جواب دینے پر مجرور نہیں کر سکوں گا۔“ فریدی اس کی گردان پر اپنی گرفت ضبط کر تا ہوا بولا۔ ”بولو... اگر تم جواب دینے پر آزاد ہو تو میں تمہاری گروں چھوڑ دوں۔“

”بیاں گا...“ وہ سکھی گھٹی آواز میں بولا اور فریدی اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

”تم کون ہو...؟“ نقاب پوش نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”وند میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور نہ اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ میں نے تم سے رف یہ پوچھا تھا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اسی کا جواب چاہتا ہوں۔“

”اگر تم یہ بتا دو کہ تم کون ہو تو شاید بڑے فائدے میں رہو گے۔“

”اور تم سیدھے چھانی کے تختے کارخ کرو گے کیونکہ میں تمہیں پیچاہتا ہوں۔ تم نے پرنس قیصر کو دعو کا دے کر ختم کر دیا۔“

حید نے دیکھا کہ اس بار نقاب پوش نے جھک کر لو ہے کا ایک اوزار اٹھا لیا ہے اور فریدی پر رحملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

حید نے جھلا کر یہ اور نکال ہی لیا اور گرج کر بولا۔ ”اوڑا زمین پر گراوو۔ ورنہ کھو پڑی میں درخ ہو جائے گا۔“

”ریوال اور جیب میں رکھ لو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بچارہ اس وقت تھا ہے۔ کہیں سہم کر مر ہی جائے، یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس بچارے کو اپنے گارڈ سے بھی چھپ کر آتا پڑا ہے۔“

”اوہ تو یہ لکھن پالا ہے۔“ حید نے سوچا اور چپ چاپ ریوال اور جیب میں ڈال لیا۔

”وسری جانب نقاب پوش کی بوکھا لہٹ ۱۶۲۱ کا نشست کا اعث بن گئی۔ حملہ تو اس نے

”چو... وہیں چل رہے ہیں۔ نصرت کے مکان پر۔“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا اور حمید کو پھر گاڑی
ڈالنی پڑی۔

راتے بھر وہ بار اپنا نچلا ہوٹ دانتوں میں دباتا رہا۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی کیس تھا۔
نصرت کے مکان میں اسے اپنے ہی ملکے کے کچھ آدمی نظر آئے، جو مختلف جگہوں پر کھڑے
تھے۔ ایک آدمی اسے اور فریدی کو ایک کمرے میں لا یا جہاں کافرش کھو دا گیا تھا۔
ایک جانب ایک زمگ خوردہ آہنی صندوق دکھائی دیا جس کا ذہن عی dalle ہو گیا تھا اور جس
ل بھری ہوئی اش فیاں دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھیں۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ تو یہ چکر
ماں نے سوچا۔

”بھی پرانی کہانی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔ ”ساری دنیا سیست لینے کی
وسخاہ اس میں سے اپنی ذات پر ایک پائی بھی نہ صرف ہو سکے۔ یہ اش فیاں سالہ سال سے
مرت کے لئے سوبھاں روح نی رہی ہوں گی۔ اب بھی دیکھو تو اکہ چار آدمی بیک وقت اپناہ نی
ازن کھو بیٹھے تھے۔ خیر پھر بتاؤں گا۔“

وہ بھرٹیت کی طرف متوجہ ہو گیا جو اپنی نگرانی میں اس صندوق کو سر ببر کرنے کی تیاری
رہا تھا۔

”تو یہ نصرت کوئی خزانہ دبائے بیٹھا تھا جس کے لئے د قتل ہو گئے تھے لیکن تاں نے خود
مرت علی کو ٹھکانے کیوں نہ لگادیا۔“ حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔

اس کے بعد رات کے کھانے ہی پر اطمینان سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکا۔
”اس کیس کے دوران میں کئی ادھورے واقعات تمہارے علم میں بھی آچے ہیں۔“ فریدی

نے کہا۔ ”اور اس وقت تک میری معلومات بھی زیادہ نہیں تھیں مگر کہانی تواب مکمل ہوئی ہے۔
مرت اس کی بیوی اور لکھن تیوں ہی بالآخر زبان کھولنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ خزانہ بہت عرصے

سے نصرت کے پاس ہے۔ لکھن، تو قیر، نصرت اور سروحید اپنے ابتدائی زمانے میں بڑے اچھے
وست تھے۔ لکھن اور سروحید بزرگوں کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ نصرت آثار قدیمہ کے ملکے میں

یک آفیسر تھا اور پرنس تو قیر اس نے ان کے ساتھ رہا کرتا تھا کہ ان زندہ دلوں کے ساتھ سیرہ
شکار میں اچھا وقت کر جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہ چاروں ساتھ ہی تھے، جب تارجمان والی
چلن پڑا، لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب فریدی واپس آنے کے لئے اپنی گاڑی پر بیٹھ رہا تھا۔

زوردار کیا تھا لیکن کھوپڑی سے باہر ہو کر نتیجہ یہ ہوا کہ لو ہے کاوزنی اوزار خود اسی کے
وہ چکرا کر فرش پر دھیر ہو گیا۔

اور پھر سچلنے سے پہلے ہی فریدی اس پر چھا گیا تھا اس نے اس کی شفاب کھینچ کر الگ
تھکا ہوا لکھن پال بے بی سے پلکیں جھکا رہا تھا۔

”اس کے ہاتھ پکارو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”میں سروحید اور پرنس تو قیر
کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں ڈالنے جا رہا ہوں....!“

لکھن پھر جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن اس بار فریدی نے اس کے منہ پر ہاتھ رسید کیا
اس کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں نظر آئیں۔

فریدی نے بھی اپنا قاب ہٹا دیا تھا اور لکھن سے کہہ رہا تھا۔ ”تم سمجھتے تھے شاید اس
مدسوے اپنا جنم نصرت کے سرمنڈھنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔“

اب حمید کو فریدی کی پچھلی رات والی گفتگو یاد آرئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ نصرت
کی بیوی کو اس ہٹکندر سے ہٹانا ضروری ہے اور پرنس تو قیر بھی بھی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی
طرح وہاں سے ہٹا لے جائے۔ لیکن سوال تو قیر تھا کہ پرنس تو قیر اور سروحید کا قتل کس

ہوا تھا۔ اگر بھی ان دونوں کا قاتل تھا اور کسی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ نصرت یہاں
اے بھی تو بڑی آسانی سے ٹھکانے لے سکتا تھا۔ اتنی زحمت کیوں مول لی کہ اس کی بیوی

سازش میں شریک کر کے اسے جبل بھجوانا پڑا۔ اس طرح یہ مقصود پورا کیا کہ وہ اس عمارت میں
یہ سوالات چکرداری نے والے تھے لیکن فریدی سے دوسرے دن تک کچھ نہ معلوم ہے۔

وہ اب بھی بے حد مشغول نظر آ رہا تھا۔

بھی وہ مراحل ہوتے تھے، جب حمید کا پیانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا! لیکن کیا ہوتا
فریدی چاہتا تھا۔ ویسے حمید کو اس کا بھی علم تھا کہ ایسے حالات اسی وقت پیدا ہوتے۔

فریدی کو واضح ترین ثبوت مہیا کرنے کی فکر ہوتی تھی۔ اس کیس میں اتنی تاخر کا مطلبہ
کہ فریدی جو کچھ بھی کر چکا ہے اسے صحیح ثابت کر دینے کیلئے ابھی تک کافی مواد نہیں فراہم

شام کو اسے معلوم ہوا کہ فریدی تیل کی طرف گیا ہے۔ اس نے بھی کار نکالی اور
چلن پڑا، لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب فریدی واپس آنے کے لئے اپنی گاڑی پر بیٹھ رہا تھا۔

و معلوم ہوا کہ صندوق وہاں نہیں ہے جہاں اسے ہوتا چاہئے تھا تو پھر ایک دوسرے کو نہ ابھالا کہنے لگے۔ ہر آدی دوسرے کو بے ایمانی کا الزام دے رہا تھا۔ اس دن سے وہ چاروں دشمن ہو گئے۔ کچھ نوں بعد انہیں علم ہوا کہ خزانہ نصرت ہی کے قبیلے میں ہے اور انہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے مج و دو شروع کر دی۔ لیکن نصرت نے اس دوسران میں چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے ایک ری ہر لفاذ اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور اسے تائید کرو یہ کہ اگر اس کی موت غیر قدرتی حالات میں واقع ہو تو وہ لفاذ پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور یہ چیز ان تینوں پر بھی واضح کر دی گئی کہ راستے کچھ ہوا تو وہ تینوں ضرور پکڑے جائیں گے۔ اور وہ ہر سال پولیس کو یاد دہانی بھی کراویتا فاکہ اگر وہ غیر قدرتی حالات میں مرا تو اس کا وکیل تاکوں کے نام پولیس تک پہنچا دے گا۔ لیکن تو پولیس اس کے وکیل سے واقف تھی اور نہ وہ تینوں۔ ورنہ وکیل کا انتظام بھی کر لیا جاتا۔ اور ان لوگوں نے اس خزانے کی خلاش میں کوئی وقیفہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ نصرت نے اسے اپنے ٹوٹے چھوٹے مکان میں ہی چھپلایا ہو گا۔ جہاں خود رہتا ہے۔

اس شہبے کو اس بات سے اور تقویت پہنچی کہ نصرت ڈاکٹر سعیدہ کی کوئی ہاتھ آجائے کے وجود بھی اسی کھنڈر میں پڑا رہا ہے.... کچھ دنوں بعد سر وحید کے تعلقات لکھن اور تقویت سے زاب ہو گئے۔ لیکن وہ بھی ابھی تک خزانے نے حصول کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ ویسے اب اس کی دشمن افرادی تھی۔ لکھن اور تقویت میں پڑا رہا ہے۔ سر وحید نے نصرت پر ایک عورت سلط کر دی۔ یعنی نصرت کی بیوی۔ وہ اس سے بس یونہی مل بیٹھی تھی۔ رفتہ رفتہ شادی کی نوبت پہنچی۔ سر وحید اس عورت کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ لیکن وہ بھی اس میں ایسا بات ہو گئی۔ ویسے سر وحید کو روزانہ اپنے باور بیجی خانے سے اشارے کیا کرتی تھی اور نصرت کی سے لاطم تھا۔ سر وحید کو وہاں سے جھاکنے کا گویا خط ہو کر رہ گیا تھا۔ جب ڈاکٹر سعیدہ کی کوئی نصرت کے ہاتھ آگئی تو عورت نے سر وحید کے اشارے پر اسے بور کرنا شروع کر دیا کہ اب اسکی ملکیت ہے۔ لیکن نصرت نے کوئی وجہ بتائے بغیر انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی معقول جو معلوم کئے بغیر اس کی بیوی کیسے چہ ہوتی۔ ٹھک ہاڑ کر نصرت نے اسے سمجھایا کہ سعیدہ کی بھی نہیں تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے کوئی دوسری عمارت خریدے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوئی کاہکندہ مل سکا کیونکہ خود نصرت ہی نے اسے بننا مکاہک تھا۔ دوسری طرف

سرک بن رہی تھی۔ انہیں دونوں نصرت ٹھیکداروں کے کیپ سے تھوڑے ہی فاصلے گزھ میں آثار قدیمہ کے سلسلے میں کھدا ای کر رہا تھا۔ جس وقت یہ صندوق ہاتھ لگا کاہو ہے نصرت کے پاس ہی موجود تھے۔ نصرت نے وہاں سے مزدوروں کو دوسری طرف بنا دیا۔ طرح کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہونے پائے لیکن اس وقت اسے وہاں سے ہٹالانا بھی آسان کا کیونکہ چاروں طرف کام ہو رہا تھا۔ طے یہ پیا کہ فی الحال وہ اسے ڈھک دیں اور بعد میں وہاں سے لے جائیں، دراصل ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی ایک مزدور کی کداں نے کسی دھار سے ٹکر کر آواز پیدا کی تھی نصرت نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کھو دنے سے روک دیا تھا اور خود ہی مٹی ہٹانے پر صندوق نظر آیا تھا۔ ان چاروں کے علاوہ اور کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس کے بووارے کے متعدد گفتگو کرتے تھے۔ نصرت اکیلہ ہڑپ تھا۔ اس نے بظاہر تو ان سے اتفاق کیا تھا لیکن دل ہی دل میں بُری طرح کھول رہا تھا کہ تینوں کم بجت کیسے ہے دار بن بیٹھے ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ بھی اس وقت وہیں موجود رہتے کہ نصرت اٹھا اور راج گزھ کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی بے اطمینان ہی میں تھے بھی نیز نہیں آئی تھی اور وہ بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ نہیں سے بھگ جو ہو۔ یا شاید یہ بات رہی ہو کہ وہ چاروں ہی انفرادی حیثیت سے اسے صرف اپنے ہی کرنے کے لئے کوشش رہے ہوں۔ نصرت بے خبر تھا کہ وہ لوگ بھی چل پڑے ہیں۔ جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا کسی نے اس پر فائز جھوٹ مارا۔ اس نے بھی زیو اور نکال لیا سستوں میں فائز بھی کرتا ہا اور اس بکس کو نکال لینے کی کوشش بھی جاری رہی۔ فائزروں کا قریب کے دیہاتوں کے لوگ دوڑ پڑے۔ لیکن نصرت کی نہ کسی طرح اس صندوق کھکالے گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے اسے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہتا کہ اور پھر نہایت اطمینان سے کیپ میں واپس آگیا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ زخمی سر وحید کو دئتے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نصرت بھی انہیں کے ساتھ آیا ہو۔ تقویت اور لکھن سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بھی فائز کی آوازوں ہی پر ادھر گئے ہوں۔ سر وحید ان الزام لگا رہا تھا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو بھی بیان دیں کہ یہ فائزگ مخفی نتیجہ تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اسے مان لیا اور پولیس کو بھی بھی رپورٹ دی۔ لیکن ج

بلد نمبر 27

ہاں سے اس کی سر خی کے خلاف کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اگر میں اصل معاملے کی طرف آنے میں بخوبی کام تا توہ یعنی طور پر کوئی ایسی حرکت کرتی جس کی بنا پر مجھے نصرت پر شبہ کرنا ہی پڑتا۔ یہے میں تو یہ سوچ کر ہی گیا تھا کہ نصرت کو اسی وقت وہاں سے ہٹانا ہے اور اس کے لئے اس سے بہتر تبدیل دوسری نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اس کے خلاف قتل کا شہبہ ظاہر کر کے ہاتھوں میں بھڑکاں ڈال دیتا۔ پرسوں رات ان کی گرفتاری کے بعد ہی میرے آدمی ہندریں پھیل گئے تھے جنہوں نے دن کو بھی گمراہی کی..... اور کل رات کو مجھے اطلاع ملی کہ کوئی اس کے مکان میں داخل ہوا ہے۔ بس پھر اس کے بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو....!

جیمیڈ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”سر وحید سر کے بل کھڑے ہونے میں وقت کا اتنا پاند کیوں تھا اکثر وہ سہماںوں کو ڈراگنگ روم میں چھوڑ کر چھت پر بھاگا چلا جاتا تھا۔ لیکن ٹیک تین ہی بجے....!

”خود کو جھکی ثابت کرنے کے لئے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ نہ وہ عورت کہیں بھاگی جاتی تھی اور نہ خزان۔ بس وہ چاہتا تھا کہ اس کی یہ جھک گھر کی چبار دیواری سے نکل کر باہر بھی ٹھہر ہو جائے کیونکہ اگر وہ چوری چھپے اس قسم کی کوئی حرکت کرتا تو طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ دیوار کی مشینی ساخت پر انی ہے۔ سرو وحید سالہاں سے نصرت کے گھر میں جھانکتا آیا تھا۔ غالباً اس نے کہ شاید اس طرح بھی خزانے کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ اسی مکان میں کہیں دفن ہے یا نہیں..... ہوس کی کہانی ہے جیمیڈ صاحب یہ تینوں کم دولت مند نہیں تھے..... لیکن مفت کامال اور ہوس....!

”اب نصرت کا کیا ہو گا۔“ جیمیڈ نے پوچھا۔

”مزرا تو اسے یقینی طور پر ہو گی کیونکہ اس نے غیر قانونی طور پر وہ خزانہ اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ حالانکہ اسے سرکاری تحویل میں دیا جانا چاہئے تھا۔ اشر فیاض محمد تخلق نے دور کی ہیں آج کے زمانے میں لاکھوں کی بیلت.... مگر حالات کی ستم ظریفی تو دیکھو کہ نصرت آج تک اپنی ذات پر آدمی اشرافی بھی نہیں صرف کر سکا۔ بس ایک چوکیدار کی حیثیت سے خطرات کا سامنا کر تارہ۔ آدمی بھی کتنا بھی جانور ہے..... جو صرف بچانے کے لئے بچاتا ہے....!

”مگر نصرت ہے بلا چالاک! اگر وہ وکیل والا اشتہ نہ بنتا تو یہ لوگ اسے کبھی کافم کر چکے

کسی طرح تو قیر اور لکھن کو اس جھگڑے کا علم ہو گیا اور تو قیر نے ایک پروگرام بنایا۔ ان دونوں نصرت کو روپیوں کی ضرورت تھی اسے گاہک مل گیا۔ یہ گاہک خود تو قیر ہی تھا لیکن فیض پر.... اس سے پہلے ہی لکھن یہ معلوم کر چکا تھا کہ نصرت کی بیوی سرو وحید سے ملی ہوئی۔ اس نے یہ بات تو قیر پر نہیں ظاہر ہونے دی اور اندر ہی اندر نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالا۔ آخر وہ سرو وحید سے کٹ کر لکھن سے آٹی۔ چونکہ سرو وحید نے اسے خزانے کے راز میں کر لیا تھا لہذا جلد از جلد اپنی کوششوں کا بہتر انجام دیکھنا چاہتی تھی۔ سرو وحید اس کی دواز ایک ناکارہ آدمی تھا جس نے خزانے کی تلاش کا بار اس کے کانڈھوں پر ڈال دیا تھا۔ لکھن بھی معلوم ہوا اور کام کرنے والا بھی، اس نے اس نے اسی کے ہاتھوں سرو وحید جیہے ہی دیا۔ لکھن نے باورچی خانے ہی سے اس پر فائز کیا تھا اور راٹنل بھی نصرت ہی کی تھی۔ لکھن نے تو قیر کو یہ سب کچھ نہیں بتایا ویسے وہ ظاہر اس سے تعادن ہی کر رہا تھا اور اس کی نعمی والی اسکیم کو بھی بے حد سراہا تھا۔ تو قیر نے سعیدہ کی کوئی بھی کنجی مکانوں سے حاصل کی تھی اور دلائل بھی فیض کو پہانچنے کی سازش میں برادر کا شریک تھا۔ اور ہر کو معلوم ہوا کہ سعیدہ کا رول ادا کرنے کے لئے وہاں سرو وحید کی الٹی تصویر لکھائی گئی ہے باچھیں کھل گئیں اور اس نے دو دن بعد ہی سرو وحید کو ٹھہکانے لگا دیا لہذا الٹی تصویر اور الٹی معاملہ بے حد سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس طرح لکھن نے یہ سوچا تھا کہ جلد یاد یہ سے تو قل کے سلسلے میں ماخوذ کر لیا جائے گا۔ بھی ہوتا..... لیکن اس سے پہلے ہی میں نے پوچھ گچھ کر دیا، پچھلے واقعات کا حوالہ دے بیٹھا۔ لہذا لکھن نے سوچا کہ کہیں تو قیر بجا دے.... خزانے کا ایک راز دو اس سرو وحید تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ رہا نصرت تو جملہ وہ کب کی دیتا۔ تو قیر ہی سے خداش ہو سکتا تھا۔ لہذا لکھن نے اسی رات کو اس کا بھی خاتمه کر دیتا۔ سوت پر وہ عورت بوکھلا گئی۔ جس نے فیض والے ڈرائی میں حصہ لیا تھا اور اس طرح سامنے خود ہی آگئی، اب لکھن نے سوچا کہ ان دونوں کا قتل کسی طرح نصرت کے جائے تو میدان بالکل ہی صاف ہو جائے گا۔ بھر تم نے دیکھا ہی ہے کہ میں نے کس طرح نصرت کی بیوی کو اس کا موقعہ دیا تھا۔ مگر کتنی چالاک عورت ہے.... تمہیں اس کی دن..... اور پھر دوسری طرف سے کھڑکی میں آتا..... اس طرح وہ خود ہی ظاہر کرنا چا

ہوتے۔ ”حمد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اچھا فیم اور اس عورت کا کیا ہو گا جس نے ڈاکٹر بیو کارول ادا کیا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ سر کاری گواہ بنائے جائیں گے۔“

”ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نصرت نے اپنی بیوی کو بتایا ہی کیوں تھا کہ ڈاکٹر سید، کوٹھی کے لئے ایک گاہک مل گیا ہے جب کہ یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ بعد اسے اپنی اسی غلطی کی خلافی کے لئے کافی پاپڑ بننے پڑے تھے۔ فیم کو اس پر آمادہ کرنا پڑا تھا کہ صرف کرایہ داری کی بات کرنے۔“

”اس کا جواب تو نصرت ہی دے سکے گا۔ دیے ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی وقت الحسن بچے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اس عورت کا ناپ دماغ چانے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ناپ....!“ حمد نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”اپے مقدر میں تو شائد کسی ناپ کی بھی عور نہیں ہے.... اور ہم زندگی بھر ناپ رائٹر ہی بنے رہیں گے۔“

”ناپ رائٹر.... کیا بات.... زیادہ بکواس کا نتیجہ مہملیات ہی کی ٹھنڈی میں ظاہر ہوتا ہے۔“

”لندورے کو ناپ رائٹر ہی کہتے ہیں۔“ حمد نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”اکیلا.... لا ناپ رائٹر.... جو مریں اور مخروطی انگلیوں کی راہ سکتے..... بلآخر.... بلآخر.... کچھ نہیں.... ابے او نصیرا.... ایک گلاس ٹھنڈا پانی....!“

فریدی نے جگ سے پانی انڈیلیں کراس کی طرف کھسکا دیا۔

ختم شد

(مکمل ناول)

چکیلا غبار

جاسوسی دنیا نمبر 83

پیشہ رس

سراغر سانوں کے گرد گھومتی ہیں جن کا کام محض اتنا ہوتا ہے کہ وہ مجرم کو پکڑ کر قانون کے حوالے کر دیں۔ لہذا اس حوالگی کے ساتھ ہی میری کہانیاں بھی ختم ہو جائیں ہیں۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بعض حضرات تو کوئی لطیفہ سننے کے بعد بھی پوچھ بیٹھتے ہیں ”پھر کیا ہوا؟“ اور لطیفہ سنانے والے کو دانت میں کر کھنا پڑتا ہے۔ ”پھر یہ ہوا کہ میں نے کوئی میں چھلانگ لگادی۔“

مگر آپ مطمئن رہتے۔ میں اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور اگر رکھتا بھی ہوں تو آپ کو کیوں بتانے لگا۔ کیا ٹھیک ہے۔ کوئی میں بھی آپ کے خطوط پہنچیں۔ کچھ نہیں تو یہی سہی کہ ”بھی اب کتنے پانی میں ہو۔“

آدم بر سر مطلب! یہ اتنی لمبی ”لکھواں“ میں نے اسی لئے کی ہے کہ آپ اس کہانی ”چیکللا غبار“ کے مجرموں کے لئے شائد یہی پوچھیں کہ پھر کیا ہوا؟ کم از کم ایک کردار تو ایسا ضرور ہے جس کے متعلق آپ اجھسن میں پڑجا میں گے۔ پھر مجھ پر جھلائیں گے کہ آخر اسی جگہ کہانی کیوں ختم کر دی گئی۔ کہانی اپنی جگہ مکمل ہے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں کسی کردار کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو تو یہی سمجھتے کہ اس سے دوبارہ بھی ملاقات ہو سکتی ہے یا زندہ صحبت باقی۔

اس کہانی میں میں نے کوشش کی ہے کہ میرے ہر قسم کے پڑھنے والوں کی تشقی ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ”قاسم پسندوں“ کو اس کی ”کم نمائی“ کی شکایت پیدا ہو۔ لیکن اس سلسلے میں گذارش ہے کہ کسی تیز رفتار کہانی میں قاسم جیسے ”ست رو“ کرداروں کے لئے گنجائش کم ہی نکل سکتی ہے۔ بہر حال وہ جتنا بھی آیا ہے خوب آیا ہے۔ اس کہانی میں ”حید پسندوں“ کی شکایت بھی رفع ہو جائے گی کہ وہ صرف ایک درباری قسم کا مختصر بن کر رہ گیا ہے۔

کہانی تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کہانی لکھنے والا کہانی کو اُسی جگہ روک ضرور ہے، جہاں سے بوریت شروع ہو جانے کا امکان ہو۔ اسی کو کہانی کا اختتام ہے۔ دیسے یہ اور بات ہے کہ آپ بعض کہانیوں کے متعلق سوچتے ہیں کہ اسے ابھی نہ ختم ہوئی ہو تو میں لیکن یقین کیجھ کہ ان کا وہیں ختم ہو جانا بہتر ہوتا۔ ورنہ ہیرودیوس کو ”بال بچے دار“ بننے لگتے ہیں۔ اسی طرح کسی کہانی میں ہیرودیوس کو ”بال بچے دار“ بننے دیکھ کر آپ نہ صرف کتاب اپنے سر پر مار لیں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی لات مصنف کے پیٹ پر پڑے۔ یہ بات تو رومانی کہانیوں کے لئے۔ اب آئیے اسرار و سراغ کی کہانیوں کی طرف۔ کہانی ہو گئی لیکن آپ بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ پھر کیا ہوا ہوا؟ کچھ صرف سوچتے تو جاتے ہیں اور کچھ... مجھے لکھ مارتے ہیں ”آپ نے یہ تو دکھلایا ہی نہیں مجرموں کا کیا ہوا؟“

بھیا! دیکھو گرفتار تو ہو گئے اب اور کیا چاہئے۔ لیکن نہیں چند حفڑا عدالتی کاروائیاں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ کہانیوں انداز الگ ہوتے ہیں جس قسم کی کہانیاں میں لکھتا ہوں ان میں عدالتی کاروائی قطعی غیر ضروری ہیں۔ اگر لکھنے لگوں تو وہی حضرات کچھ دنوں کے بعد اٹھیں گے۔ ”آپ خواہ خواہ صفات بھرا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہی نہ آپ بچے صاحب کے بچے کا عقیقہ یا ختنہ کر دیتے۔“

بہر حال اگر آپ عدالتی کاروائیاں پڑھنے کے ایسے ہی شائق ہیں تو اسٹلنے گارڈنر کے ناول پڑھا کیجھ۔ ان کی کہانیاں مقدمات ہی کی شکل میں ٹھہری ہیں اور ان کا مخصوص کردار پیری میں وکیل ہے۔ میری کہاں

”ہاں! بھی تو یہیں ہیں۔“ حمید نے مختلہ سائنس لے کر کہا۔ ”کسی دن جیل میں ہوں گے اور کچھ حضرات، ہپتال میں۔“

”غلط سمجھ۔“ آصف مصلحہ اڑانے والے انداز میں ہوا۔ ”سوال یہ ہے کہ ایسے اہم کسی میں جائے واردات پر سعید اور حامد کیوں بھیجے گئے ہیں۔“

”کس اہم کسی میں....!“

”میک کا مشہور ریاضی دان ڈاکٹر داؤڈ قتل کر دیا گیا۔ اُف فوہ۔ کہاں ہو آج کل تم لوگ کہ تارہ تین حالات سے بھی بے خبر رہتے ہوں۔“

”آپ جانتے ہی ہیں مشر آصف کہ ہمارے پاس کس قسم کے کیس آتے ہیں۔“ حمید نے نشک لبھ میں کہا اور برآمدے سے اتر کر کینٹین کی طرف چل پڑا۔

آن کل دفتر میں قدم رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو فریدی کے سامنے لمبی تعطیل کی جو ہزار پیش کی تھی لیکن فریدی نے نہیں کر بنا دیا تھا اور اب حالات کم از کم حمید کے لئے تو تاقابل برداشت ہی ہو کر رہے تھے۔

وہ کینٹین کے چھوٹے سے صاف سترے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔

اُسے اس حادثے کا علم تھا۔ کیونکہ اُس کی موجودگی ہی میں نے ذہی ایس۔ پی نے انپکٹر سعید اور سب انپکٹر ہائے کو جائے واردات پر بھیجا تھا۔ لیکن اس نے حادثے کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ فریدی ہی سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فریدی کو بھی اس واردات کا علم تھیا نہیں۔

ڈائینگ ہال میں سارجن توفیق پر نظر پڑی جو بسکٹوں کے نکٹے جلدی جلدی طبق سے اتارتا ہوا جائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اُس نے حمید کو دیکھ کر ہاتھ اور اخلاخ اور حمید کے قدم غیر ارادی طور پر اُس کی میز کی جانب اٹھ گئے۔

سارجن توفیق بھی دونوں انپکٹروں کے ساتھ جائے واردات پر گیا تھا۔ ”کوٹ پھنس گئی ہے استاد۔“ اُس نے منہ چلاتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

”کیا ہوا...!“ حمید نے کری کھنچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اپنی صاحب کو اطلاع دینے آیا تھا۔“

الْوَأْرَاقْلِيْدِس

ان دنوں میں فریدی کی مخالفت کا براہ راست تھا۔ پرانے حکام کے تبادلے ہو گئے تھے۔ حکام کو نئی جگہ بھرم بنائے رکھنے کا خیال ہوتا ہے اس لئے وہ کیے گوارہ کر لیتے کہ ایک ماختاہ کا تفوق ان پر بھی برقرار رہے۔ یہاں آنے سے پہلے وہ جانتے ہی تھے کہ مرکزی مکمل کرٹل فریدی کا نام ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ فریدی اپنے مرضی سے اس معمولی سے عہدے پر نکلا ہوا ہے ورنہ کبھی کاپڑے نہیں کہاں پہنچا ہوتا۔ اس سے عہدے پر جنم رہنے کی وجہ بھی سب کو معلوم تھی۔ وجہ یہی تھی کہ وہ کام کرنا چاہتا تھا۔ سراغِ رسانی سے عشق تھا اسے اور یہی عشق مکمل تک لایا تھا۔ ملازمت برائے ملازمت کا یوں نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اُس کی مالی حیثیت بہت بلند تھی۔

لیکن ان دنوں اُسے صرف دفتری امور تک محدود کر دیا گیا تھا۔ اُس نے خاموشی تبدیلی گوارہ کر لی۔ اپنے افعال سے ذرہ برابر بھی احتیاج نہ ظاہر ہونے دیا۔ البتہ حمید بھتھا۔ بور ہونے کی بات بھی کیونکہ اُسے تو اٹھتے بیٹھتے انگلے چبانے پڑتے تھے۔ اب اسی وقت جیسے ہی وہ کینٹین تک جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلا۔ انپکٹر آصف دور ہی سے لکار کر کہا۔ ”جناب پکتان صاحب.... ذرا منے گا۔“

وہ اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ برآمدے کے وسط میں دونوں رک گئے۔ ”ارے تم لوگ ابھی بیہل ہو۔“ آصف نے تھیرانہ لبھ میں کہا۔

”کسی اطلاع....؟“

”ڈاکٹر داؤد قتل کر دیا گیا۔ جانتے ہی ہو گے۔“

”ہم معلوم ہے مجھے۔ تم سعید اور حامد کے ساتھ گئے تھے۔“

”وہ بڑی بے بملی حرکتیں کر کے مرابے۔“ توفیق نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”کیا....؟“

”اُس نے کوتولی فون کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ شائد وہ ڈی۔ ایس۔ پی۔ رشتہ دار بھی تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی دوڑا گیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو ڈاکٹر داؤد کو فرش پر رکھتے دیکھا۔ اُس کا بیان ہاتھ سینے کے زخم پر تھا اور وہ کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہا۔ ایس۔ پی نے چھوٹے ہی پوچھا کہ حملہ آرکون تھا! داؤد نے چیز کر کہا ان لوگوں... پھر داؤد رشتہ رہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون میں انگلی ڈبو کر اس نے ایک مشکل اور دائرہ بنایا۔

”بھر.... مر گیا۔“

”خوب....!“ حید کے ہونٹوں پر شراحت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

”اب.... یہ مشکل.... یہ دائرہ.... اور ان لوگوں.... حامد صاحب اور سعید صاحب کو پھر رہے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر داؤد نے اپنی زندگی میں کبھی کسی انکو کو دائرہ یا مشکل ثابت کر کو شش کی ہو۔ ریاضی دان ہی تھہرا۔“

”نہیں.... پیداے۔“ توفیق نہ کر بولا۔ ”اب دیکھنا ہے کہ کرتل صاحب کے بغیر کام چلتا ہے۔“

حید نے لاپرواں سے شانوں کو جنتش دی اور مڑکروٹیر سے چائے لانے کو کہا۔ توفیق کو شائد اس کی بے توجہی اور لاپرواں پر حرمت ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے اُس کی دیکھتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب بھر دیں جانا ہے۔“

حید نے سر کو خفیف سی جنتش دی اور میز پر انگلیوں سے ملکی بملی ضربیں لگانے لگا۔ پتہ نہیں توفیق کے بیان میں کہاں تک صداقت تھی۔ اُس نے سوچا اگر دائرے مشکل کی کہانی درست تھی تو فریدی (نجی ہی طور پر سمجھی) اس کیس میں دچپی لینے سے باز نہ آئے؟

آفس بند ہونے میں تھوڑی ہی دیر تھی اس لئے اس نے بقیہ وقت ڈائینگ ہال میں گزار دیا۔ لیکن اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ فریدی کی آنکھ بچا کر کسی طرف نکل جاتا۔ کیونکہ اُدھر وہ کیتھیں سے باہر آیا اور اُدھر فریدی اپنے آفس سے برآمد ہوا اور اُس نے اُسے اپنے ساتھ چلے کا ہی اشارہ کیا تھا۔ حید نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ آہستہ اُس شیڈ کی طرف چلنے لگا جہاں ہاری پارک کی جاتی تھیں۔ آج حید اپنی گاڑی سے نہیں آیا تھا۔

فریدی کے ساتھ لیکن میں بیٹھتے وقت وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑ بڑا بھی تھا۔

”کیوں! جانکنی میں کیوں بھتلا ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکریا۔

”طبیعت نیک نہیں ہے۔“ حید نے خشک لبجھ میں جواب دیا اور گاڑی کا جنگلی سی آواز کے ساتھ اشارہ ہوا۔

حید پھر ڈاکٹر داؤد کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ لیکن اُس نے اس کا تذکرہ چھینڑا مناسب نہ سمجھا کچھ دیر بعد اُس نے فریدی سے کہا۔ ”آخر ہم کب تک کلرکی کرتے رہیں گے۔“

”اوہ.... تو یہ بات ہے۔“

”قیمتی! میری دامت میں تو لمبی چھٹی ہی مناسب رہے گی۔“ حید بولا۔

”پھر اس کے بعد....!“

”دیکھا جائے گا۔“ حید نے کہا۔ ”مگر شائد ہم گھر کی طرف تو نہیں جا رہے۔ پھر کہاں۔“ لیکن ہیو شام روڑ پر مزبر ہی تھی۔

”کوتولی....!“ فریدی نے وغڈ شیڈ پر نظر جائے ہوئے جواب دیا۔

”کوہ.... ڈی۔ ایس۔ پی کی کافون آیا ہو گا۔“ حید نے کہا۔ ”ڈاکٹر داؤد اس کا رشتہ دار تھا شائد۔“

”تمہارے پاس بھی کافی اطلاعات معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا تھا کہ کیا میں اس کے لئے تھوڑا وقت نکال سکوں گا۔“

”اور آپ خود ہمیں کوتولی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔“

”کیا ہرج ہے۔“

”میں اسے آپ کی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔“

”بہت اچھے۔“ فریدی نے ہلکا ساقہ تھہ لگایا۔ ”ابھی تک ہوش نہیں آیا حالانکہ کلرکی کرتے

کرتے انگلیاں گھری جا رہی ہیں۔

حید پکھنے بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی محض معلومات حاصل کرنے کو تو اسی جا بہار

شائد اس نے گھر بی پڑی۔ ایس۔ پی کا انتظار کیا ہوتا۔

شائد ڈی۔ ایس۔ پی کو بھی موقع نہیں تھی کہ فریدی خود ہی چلا آئے گا۔ اسی لئے استقبال بڑے پرتاک انداز میں ہوا تھا۔

”کرتل! میں بے حد مشکور ہوں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے گرجوش مصافحہ کے ساتھ کہا۔ اصل گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس نے اس بات پر حرمت ظاہر کی کہ فریدی داروں پر نہیں آیا تھا۔

”آج کل میں زیادہ تر آفس ورک کر رہا ہوں۔“ فریدی بولا۔

دفترا میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈی۔ ایس۔ پی نے ریسیور اٹھایا لیکن ”

ہی لمحے میں وہ ماڈ تھہ پیش میں چیخا۔ ”کیا؟“

اُس کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی حالت میں کچھ سنتا رہا پھر کریڈل پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر صاحب کی کوئی میں آگ لگ گئی۔“

”کس نے اطلاع دی ہے۔“

”ایک ایس آئی نے جو وہاں موجود فلامائی اٹھوانے کے بعد وہاں سامان کی فہرست کرنے کا کام ہو رہا تھا۔“

”کیا وہ مکان میں تمہارے ہے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بھی ہاں۔“

”اور جب تو ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔“ فریدی امتحنا ہوا بولا۔ ”ورنہ ہو سکتا ہے کہ بہترین شہادتیں ضائع ہو جائیں۔“

پھر تھوڑی دیر بعد ایک پیڑوں کا در کو تو اسی کے چہاں سے باہر نکلی جس کے پیچے فرا نکن تھی۔

فریدی بڑی دارا تھا۔ یقیناً کوئی اہم ترین شہادت ضائع ہو گئی۔

”قبل از وقت کیسے کہا جا سکتا ہے۔“ حید بولا۔

”پھر آگ لگنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ میراد عویٰ ہے کہ جائے واردات کا معاملہ کرنے۔“
نے کسی خاص جیز پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ضائع کر دی گئی۔“
ڈاکٹر واؤڈ کی کوئی مذہل کالوں کے ایک دور افتادہ حصے میں واقع تھی۔ آس پاس اور کوئی ت نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے یہاں عمارت بنوائے میں ریاضی داں کی سکون پسندی ہی کو دخل رہا ہو۔ پوری عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور آس پاس آدمیوں کا جم غیر نظر آرہا تھا لیکن بھی کوئی آگ بچانے والی گاڑی نہ دکھائی دی۔

”آگ بچانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔“ فریدی گاڑی روک کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ ایک پولیس کا نشیل مجھ سے گزرنے کے لئے جگہ بنا نے لگا اور وہ عمارت سے تھوڑے ہی طی پر رکے۔ یہاں وہ ایس آئی موجود تھا جس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو فون پر اطلاع دی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی اس پر برس پڑا۔ ”تم کھڑے دیکھتے ہی رہے اور پوری عمارت میں آگ لگ گئی۔“ ”فائر اسٹشن کو فون کئے گئے ہیں جتاب۔“ ایس آئی نے کہا۔ ”لیکن اس وقت ان کے پاس بھی گاڑی نہیں ہے۔ سب گاڑیاں پہلے ہی سے کہیں جا چکی ہیں۔ اس وقت شہر کی کوئی عمارتیں ارہی ہیں۔“

”اوہ....!“ فریدی کے ہونٹ دائرے کی شکل میں نست گئے اور ڈی۔ ایس۔ پی اس کی فڑک

”اُسے بھی بے بی ہی کہنا چاہئے۔“ فریدی بولا۔

”اپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شہادت صالح کی گئی ہے۔ ورنہ ایک ہی شہر ایک وقت آتشزدگی کی اتنی وارداتوں کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ مقصد ہی ہے کہ مد لینے میں دیر اور پوری عمارت خاک کا ذہیر ہو جائے۔“

فریدی ایس آئی سے سوالات کرنے لگا۔

”اپ اس وقت کہاں تھے جب آگ لگی تھی۔“

”ڈر انگر روم میں جتاب۔“

”کیسے علم ہوا تھا....؟“

”کسی کا نشیل نے کہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کون تھا۔ آگ عمارت کے پچھے حصے

سے شروع ہوئی تھی۔ ”
”پکن سے....!“

”می نہیں اپکن تو اس وقت محفوظ تھا۔ ہم عمارت سے نکل آئے تھے۔ پھر کالونی
آفس سے فارماشین فون کیا گیا تھا۔“

پھر فریدی نے اس کا نشیل کے لئے پوچھ گچہ شروع کی جس نے اس آنکھ کو اٹلا
وہاں چھ سات کا نشیل تھے جن میں سے ایک نے اعتراف کیا کہ اسی نے آگ کے مغل
کو بیٹایا تھا۔

”تم کہاں تھے؟ اور تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟“

”میں چمک پر تھا حضور! ایک راہ گیر نے اطلاع دی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا عمارت کو
آیا تھا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ جا کر دیکھا۔ پھر جسے میں آگ لگی تھی۔ پھر میں
کو اطلاع دی۔“

”میا تم نہیں جانتے کہ آگ لگنے کی اطلاع دینے والے کو دکر کر کھانا چاہئے۔“ فریدی

”مجھے نہیں معلوم تھا حضور۔“ کا نشیل کھا سکا۔

”اگر اسے دوبارہ کہیں دیکھو تو پیچان لو گے۔“

”ضرور پیچان لوں گا.... جناب عالی۔“

فریدی حیدر کی طرف مڑا جو بھی ابھی مودڈ کالونی کے پوسٹ آفس سے واپس

”نبہی اشیش پر کوئی گھروں موجود نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

”تب پھر کوئی صورت نہیں رہ گئی۔“ فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ آگ

ہو چکی ہے۔

مارت جلتی رہی اور وہ کھڑے دیکھتے رہے۔ دروازے اور کھڑکیاں ترخ ترخ کر
اور گہر ادھوں جس میں بہت اونچائی تک آگ کی لشیں بھی شامل ہوتی تھیں، آسا

کر رہا تھا۔ لوگ چیخ رہے تھے اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی!

”کیا کوئی ملازم بھی ساتھ نہیں رہتا تھا۔“ فریدی نے ذی ایس۔ پی سے پوچھا۔

”نہیں وہ تھا رہے تھے۔ ادھر آن کی مالی حالت بہتر نہیں رہی تھی۔“ ذی ایس۔

ظریفہ انداز میں کہا۔ ”ابھی میں نے قریب ہی کہیں کوئی فائزہ بایڈرنٹ تلاش کرانے کی کوشش
کرتی۔ لیکن آس پاس ایک بھی نہیں ہے ورنہ اسی سے ہم خود ہی کچھ کام لے سکتے؟“

”آپ اسے خاک کا ذہیر ہو جانے سے نہیں چاہیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ سب
ایک سوچی بھی اسکیم کے تحت ہوا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ذاکر داؤد بہت سمجھی ہوئی
بیت کے آدمی تھے۔“

”بھی تو میسیت ہے کہ ایسا نہیں تھا۔“ ذی ایس۔ پی نے شہنشہی سانس لے کر کہا۔ ”وہ
بلوں بھی تھے اور دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کی بھی عادت تھی۔“

”آپ ان کے مرنے سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔“

”ہاں انہوں نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں لیکن انہوں نے فون پر تفصیل نہیں
کی تھی۔ بس ہندیانی انداز میں بھی جیختے رہے تھے فوراً پہنچو... فوراً پہنچو...!“

”بہت زیادہ خائف تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں! آواز سے تو بھی ظاہر ہو رہا تھا۔“ ذی ایس۔ پی بولا۔ ”اور جب میں یہاں پہنچا تو وہ
بکرے میں زمین پر لوت رہے تھے۔ گولی میں پر لگی تھی اور جون فرش پر پھیل رہا تھا۔ میرا
بیل تھا کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں تھے۔ لیکن قاتل کے متعلق استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ
تکی ذہنی حالت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔“

”میں....؟“

”قاتل کے متعلق پوچھنے پر ان کی زبان سے الٹکا تھا۔ اور پھر وہ آلوہی اور شرمنے رہے تھے۔
راکیک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو اپنے مشاغل سے جنون کی حد تک عشق ہوتا ہے
لیں میں اسے جنون سے بھی زیادہ کوئی اور چیز سمجھوں گا اگر مرتے وقت بھی ان مشاغل کا دھیان
بے یارستہ مرتے بھی انہیں مشاغل ہی سے متعلق کوئی حرکت سر زد ہو جائے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”جب میں نے ان سے قاتل کے متعلق پوچھا تھا تو وہ ایک طرف تو اکو اور شرمنے رہے تھے
وہ اوری طرف اپنے جون میں انگلی ڈبوڈ بکر فرش پر ایک مسئلہ اور ایک دائرہ بھی بنایا تھا۔“

”غوب...!“

"اور اسی حالت میں ان کا جسم سر دپڑ گیا تھا۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا اور اسی وقت آگ بجانے والی گازیوں کی گھٹیاں سنائی دیں
اب کیا باقی بچا ہے۔" حمید نے جلی ہوئی عمارت کی طرف دیکھ کر کہا۔

آگ بجانے والی گازیاں اپنے کام میں لگ گئیں اور وہ لوگ مجھ سے باہر آگئے کا بڑ
ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ سو شل آدمی بھی نہ رہے ہوں گے۔" فریدی
اسی۔ اسی۔ پی سے کہا۔

"بہت زیادہ سو شل تھے۔ میں انہیں عجیب ہی کہوں گا۔ ریاضی داں عموماً انکے طبق
ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اُن سے بہت مختلف تھے۔ گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ اچھی نا
سوڈاںگ بھی کر لیتے تھے.... اُدھ.....!"

یک بیک ڈی۔ اسی۔ پی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی بات یاد
ہمید نے اُس کی آنکھوں میں اضطراب کہ لہریں بھی محسوس کیں۔

وفحاشی۔ اسی۔ پی نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے اُن کا بنا لیا ہوا ایک بتیاں آر
وہ کسی سوچ میں پڑ گیا پھر اس طرح بولا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "اُو.... اُو....
اس سے بھی کوئی تعلق تھا۔"

فریدی اُسے استھانیسیہ نظرؤں سے دیکھ رہا تھا۔ "جی ہاں....!" اسی۔ پی پھر اس کو
دیکھ کر بولا۔ "مٹی اور پلاسٹر آندھیوں کا بت۔ جس کا چہرہ آدمیوں کا سا تھا لیکن
پرندے کا۔ بس وہ آلو ہی معلوم ہوتا تھا۔ گول چہرہ عجیب ہی بھنوں اور آلو کی چونٹ کی سی نار
آپ نے اُسکے متعلق ضرور پوچھا ہو گا۔"

"ہاں.... پوچھا تھا۔ وہ نہ سمجھ سکتا تھا اور صرف "ایک کارٹون" کہہ کر خاموش ہو گئے تھے

تعاقب

اگ بجانے والی گازیوں کی ٹکنیاں خالی ہو گئیں لیکن آگ پوری طرح نہ بچے ہی

اب بھی کثیف دھوئیں کے مرغولے اُنہر رہے تھے اور لپٹیں بھی اٹھتی دکھائی دیتی تھیں۔
فائز فائز زدہاں فائزہ بائیڈرنٹ تلاش کرتے پھر رہے تھے تاکہ مزید پانی حاصل کر کے کام چلایا
سکے۔

"آپ نے یہ تو یقیناً معلوم کرنے کی کوشش کی ہو گئی کہ وہ کس کا کارٹون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔
"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔"

"اُن کے احباب کے بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔ چند ایک کے نام اور پتے بھی دے سکیں
تھے ہو گا۔"

"حلقة احباب نہ مخصوص تھا اور نہ محدود۔ روز ہی نئے نئے احباب بناتے تھے۔ اور ساری
ان احباب نوازیوں کی نذر ہو جاتی تھی اور وہ ہمہ شہ مالی تجارتی کاروباروں تر رہتے تھے۔ ویسے میں
کو چند نام اور پتے بھجوں دوں گا۔"

"شکریہ....!" فریدی نے تشویں کن لبھے میں کہا۔ "لیکن مجھے تجھی طور پر کام کرنا پڑے گا۔
سے شاید ہی اجازت ملے۔"

"کچھ بتیجے کر لیں! میں بے حد پریشان ہوں وہ دراصل بیگم صاحبہ کے ماموں تھے۔ جب سے
سنسنے ناہیں ہے نہ حالاں ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گزرے پھر فریدی نے پوچھا۔ "دائرہ اور مسئلہ اللگ بناۓ تھے
شدارے کے اندر تھا یا پھر اس کے برعکس۔"

"دونوں اللگ تھے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا....!"
ایسے وقت میں ذہنی حالت پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ "فریدی بولا۔ "خیر میں دیکھوں گا۔"

رات گئے وہ دونوں واپس ہوئے۔ فریدی کی جیب میں ڈاکٹر داؤ کے چند دستوں کے نام
پتے موجود تھے۔

"بڑی شدت سے مخالفت ہو گئی اگر آپ نے اس کیس میں ہاتھ لگایا۔" حمید نے کہا۔
"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن آپ تجھی طور پر تدقیقیں ضرور کریں گے۔"
"بھی کلکوں کو بھی حق حاصل ہے کہ فرصت کے اوقات میں تفریح کریں۔"

”مگر یہ کلرک بیدار پڑ جانا چاہتا ہے۔“ حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم بیدار نہ پڑے تو میں تمہاری نائگ ہی توڑ کر بھاڑاں گا۔
”میا آپ کی دانست میں آلو مشلت اور دائرے والی بات قتل از وقت عمارت کے باہر آگئی تھی۔ لہذا ہو سکتا
ہے کہ یہی آتشنی کا موجب بنی ہو۔“

”اگر وہ ہوش میں نہ رہا ہو تو۔“

”تب ہی تو کلیو ہو سکتے ہیں! ورنہ ہم اسے سیدھا سادھا سایان تسلیم کر لیتے۔ یقیناً
ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ بھی اس کی زبان سے لکھا یا جو کچھ بھی اس
خاص فعل کا نتیجہ تھا اسے کیا تم ذہن ہی سے متعلق نہ سمجھو گے؟“

”یقیناً سمجھوں گا لیکن اکو یا اکلیدس آپ کو کہہ رکھ لے جائیں۔ ذی۔ الیس۔ پی نے تا
متعلق استفسار کیا تھا۔ اس نے کہا الو پھر مشلت اور دائرہ بنا کر رکھ دیا۔ کیا یہ ضروری ہے
سے قاتل پر روشنی پڑھی سکے۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تو وہ یا تو قاتل کا نام بتانا
ظاہر کرے۔ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو ہو سکتا۔
اور مشلت ذی۔ الیس۔ پی کے سوال کا جواب ہی نہ رہے ہوں۔“

”لیکن ان کا کچھ نہ کچھ تعلق اس افیت سے ضرور ہونا چاہئے جس کی بناء پر اس
حالت متوازن ہی نہ رہی تھی۔“

”تو پھر پیدا کیجئے تعلق۔“ حمید نے آکتا کر کہا۔ پھر یک بیک چوک کر بولا۔ ”ذی۔
نے کسی مجسمے کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔“

”ہاں! لیکن افسوس ہے کہ ہم اسے نہ دیکھے سکے۔“

حمید پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ جلتی ہوئی عمارت کے متعلق سورج رہا تھا
راکھ کاڈھیر ہوتے بھی دیکھا تھا۔ وہاں اپنے کیا باتی چحا ہو گا۔ سبھی کچھ تو واضح ہو گیا۔ لیکن
نے اس پر فائز کرنے کے بعد ہی آگلے کیوں نہیں لگادی تھی اگر اسے کچھ شہادتی
تمیں۔ آخر پولیس کی موجودگی میں اس کا خطرہ کیوں مولیا؟ یہ ایک ضروری سوال تھا۔
اس سوال پر فریدی کے ہونٹوں پر بلکل سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔
نے مجھے آلو، مشلت اور دائرے کو اہمیت دینے پر مجبور کیا ہے۔ عمارت میں اس وقت آگر

لہ نمبر 27

پولیس وہاں موجود تھی بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اس قسم کے خطرات اُسی حالت میں مول
لے جاتے ہیں جب بچاؤ کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہ ملے۔ جائے واردات کا معافانہ کرنے والوں کی
پروائی کی بناء پر آلو مشلت اور دائرة والی بات قبل از وقت عمارت کے باہر آگئی تھی۔ لہذا ہو سکتا
ہے کہ یہی آتشنی کا موجب بنی ہو۔“

”ہوں... اس کے امکانات تو قوی ہیں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”اب بات سمجھ میں آئی ہے۔
ب پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آلو کا مجسمہ ہی وہ اہم شہادت رہی ہو جس کی بناء پر مجرم کی شخصیت
وہی میں آجائی۔“

”نی احوال یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔“

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ حمید نے پوچھا کیوں کہ فریدی نے لئکن گریننگ روڈ پر موڑی تھی۔
”میرے پاس ایک پیشہ در مجسمہ ساز کا پتہ بھی ہے۔ اس سے ڈاکٹر کے تعلقات بہت اچھے
تھے۔ اُن کا شوروم اسی سڑک پر ہے۔“

کچھ دور چل کر لئکن بائیں جانب والے فٹ پاتھ سے جاگی۔ فریدی نے انہیں بند کر دیا اور
نیچے اتر آیا۔

اب وہ جھومنوں کی ایک بڑی دوکان میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک پستہ قدار عمر آدمی نے
ن کا استقبال کیا۔

فریدی اس طرح شوکیں میں رکھے ہوئے جھومنوں کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کسی خاص مجسمے کی
ٹالی ہو۔ یہاں زیادہ تر ملک کے بڑے آدمیوں کے مجسمے نظر آ رہے تھے۔ شعر افلسفیوں اور
یادداں دنوں کے مجسمے۔

”فرمائیے جتاب۔“ بوڑھے آدمی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے نصیری صاحب سے ملتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”فرمائیے! جتاب یہی خادم ہے۔ کیا آپ اپنا مجسمہ بنوائیں گے۔“

”بھیں.... مجھے ایک ایسا مجسمہ چاہئے جو دلچسپ ہو۔“

”میں نہیں سمجھا جتاب۔“

”مطلوب یہ کہ جسے دلچسپ رہنی آئے۔ جس نے مجھے آپ کا پتہ دیا تھا اسی کے ہاں میں نے

ایسا ہی ایک مجسمہ دیکھا تھا۔

”کس کے ہاں۔“ بوڑھے کی پیشانی پر شنین اُمہر آئیں۔

”ڈاکٹر داؤد کے بیہاں....!“

”اوہ.... مگر وہ مجسمہ کیسا تھا۔“

”سر آدمی کا اور دھڑ پر نمے کا۔ لیکن چہرے کی بناؤت بالکل اُلوکی سی تھی۔“

حید بغور اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ ابھی اُسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کی اولاد نہیں ملی۔ ورنہ وہ اُس کے تذکرے پر اتنا پر سکون نہ دکھائی دیتا۔ لیکن جیسے ہی فریدی نے مجھے متعلق تفصیل ظاہر کی اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

”مم.... میں.... ایسے بت کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ڈاکٹر داؤد خود ہی کلے موڑ کرتے تھے۔ اچھے آرٹسٹ تھے۔ انہوں نے خود ہی بنایا ہوا گا۔“

”جی ہاں.... انہوں نے خود ہی بنایا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں ویسا ہی دوسرا اُپ بنوالوں۔“

”بھلا میں کیسے بنا سکتا ہوں جناب۔ مم.... میں نے تو اُسے دیکھا ہی نہیں تھا۔“

”اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ کچھ خائن سے نظر آرہے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور پھر بیک اچھل کر چیچھے ہٹ آیک۔ باسیں جانب والی کھڑکی سے ایک فائر ہوا تھا۔ بوڑھے کی چیخ دوکار محدود فضائیں گوئی۔

”ویکھو....!“ فریدی نے بوڑھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر حید سے کہا اور دروازے سے پاٹھ پر چلا گئی۔

حید بوڑھے کی طرف چھپتا جو فرش پر پڑا ایڑیاں رکھ رہا تھا۔ گولی اس کی دامنی کیتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے دم توڑ دیا۔ گولی لگنے کے بعد اُس کی زبان سے ایک لظہ بھی نکل سکتا تھا۔

فٹ پاٹھ پر بھیڑ گئی۔ حید نے مجھ بٹانے کے لئے ایک ڈیوٹی کا نیشنل کوپلے لے گلی میں تھا۔ کچھ دیر بعد دوکان میں واپس آگر اُس نے کو تو اولی فون کیا۔

گلی میں تین ڈیوٹی کا نیشنل موجود تھے، جنہوں نے گلی سے آمد و رفت روک دی تھی۔

اے ایک کھڑکی کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

”ویکھو....!“ فریدی نے آہستہ سے حید کو مخاطب کیا۔ ”ہم یہاں بس یونہی ٹپے آئے ڈاکٹر داؤد کے سلسلے میں نہیں۔“

”نہیں ہے۔“ حید نے تشویش کن انداز میں سر کو جنبش دی۔

وزاری ہی دیر میں کمی پولیس کاریں وہاں پہنچ گئیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی سی بھی آیا تھا۔

فریدی نے اُسے علیحدہ لے جا کر کہا۔ ”یہ کوئی گھری سازش ہے۔ میں اُس سے اسی مجھے کے ق پوچھ گئے کر رہا تھا۔“

”اس کا مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل وہیں سے آپ کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔“

ایس۔ پی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکے گا۔ لیکن سننے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ نے اس کیس کی تشویش کروں تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ سمجھنے گا کہ میں آپ سے اس کا پتہ مکر کے بیہاں آیا تھا۔“

”تو گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا تعلق ڈاکٹر کے کیس سے نہ ظاہر کیا جائے۔“

”جی ہاں.... میں بھی چاہتا ہوں۔“

”نہیں ہے.... اس طرح شائد نصیری کا کیس باضابطہ طور پر آپ کو مل جائے۔“

ایس۔ پی نے کہا۔

”برگز نہیں۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”اس کا خیال ہی فضول ہے، چونکہ قتل میری موجودگی میں ہے اس لئے شاید میرے ہی خلاف تشویش شروع کر دی جائے۔“

”نہیں....!“ ڈی۔ ایس۔ پی کے لمحے میں جرحت تھی۔

”جی ہاں.... اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے میں جو کچھ بھی کروں گا اس کا مقدمہ مل ڈاکٹر داؤد کے قاتل ہی پر پہاڑھ ڈالتا ہو گا۔“

”میں نہیں کچھ سکتا کہ مجھے میں آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے اس کے بارے بھی کچھ سنایا تھا۔“

”اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔“ فریدی مسکرا کیا۔ پھر بولا۔ ”آپ فنگر پر نٹ سیکشن والوں کو طلب

”تو کیا وہ اس بناء پر مارا گیا کہ آپ کو پہچانتا تھا۔“
”نہیں صرف اس لئے کہ میں اس کے ذریعے کسی کو پہچان لوں گا۔ نصیری بہت دنوں سے
ی اسٹ پر تھا فرزند۔“

”میرا مطلب....!“
”غیر پرندیدہ اور مشتبہ عناصر کی لسٹ پر۔ لیکن ڈاکٹر داؤد کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“
”تو کیا آپ اسے بھی اس لسٹ میں شامل کرنے کا رادہ رکھتے ہیں۔“ حمید نے جرأت سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔“
”تو کو تذکرے سے نصیری خائن ف نظر آنے لگتا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”شاندروہ نہیں بہت بچھتا سکتا۔“
”میں تو صاحب اب کفر کی ہی میں خوش ہوں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”وہ تو آپ کا
دیکھ کر مجھے ان پابندیوں پر غصہ آ جاتا ہے۔“

”اوہ! تو تم نے حسب عادت بھاگ دوڑ پہلے ہی سے سو گھلی۔“
”ذیکری!“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہوں کیا کہنا چاہتے ہو۔“
”جو لوگ پولیس کی موجودگی میں کسی عمارت میں آگ لگا سکتے ہوں یا ہماری نظروں کے
لئے نصیری کو قتل کر سکتے ہوں کیا وہ ہم پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہ کریں گے؟“
”یقیناً کریں گے۔ میں سبھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”لیکن میں اپنے سہرے کے علاوہ اب اور کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔“
”موت سے ڈرتے ہو۔“ فریدی مسکرا لیا۔

”شادی سے پہلے یقیناً ڈرتا ہوں۔ پھر شادی کے بعد بھلا موت کہاں آتی ہے۔ ارے ارے
بیوی آپ کو ڈھر جا رہے ہیں۔“

”کیا اسکا جگہ جہاں اندازہ کر سکوں کہ تعاقب اب بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔“
جیسے کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو کسی کام سے باز رکھنا امکانات میں سے ہے۔ فریدی
اقلی تھا کہ موت کی تلاش میں رہنے والوں سے موت ہمیشہ دور بھاگتی ہے۔ یا کم از کم ویسی موت

کر کے کھڑکی پر نشانات تلاش کرائے اور دوکان کی تلاشی لجئے۔ مگر یہ تلاشی آپ کی ذمہ
ہو گی۔ میں صرف ساتھ رہوں گا۔“

”ٹھیک ہے..... میں سمجھتا ہوں۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے تشویش کن انداز میں سربراہ
لیکن فریدی اس تلاشی میں شریک نہ ہو سکا کیونکہ اس کے لمحے کا نیا ایس۔ پی بھی
گیا تھا اور شاید وہ اسی اطلاع پر آیا تھا کہ واردات فریدی کی موجودگی میں ہوئی تھی۔

”آپ بہاں کیا کر رہے ہیں۔“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”بس یوں ہی۔ ایک پاپو لر جیسمکی تلاشی تھی۔“

”آپ ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی پر بھی موجود تھے۔ میرا مطلب ہے آگ لگنے کے بعد۔“

”جی ہاں۔ صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”آپ کو معلوم ہے کہ اوپر کے آڑور کتنے سخت ہیں۔“

”جی ہاں مجھے علم ہے۔ مگر میں نے کوئی بے ضابطہ مداخلت تو نہیں کی۔“

”ذی۔ ایس۔ پی سُنی نے آپ کا تحریری بیان لیا یا نہیں۔“

” غالباً مجھے اسی لئے روا کیا ہے۔“

فریدی نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح اسے پیچھا چھڑائے لیکن وہ اسے باتوں میں الہ
رہا اور اس دوران میں ذی۔ ایس۔ پی سُنی تلاشی لے کر باہر بھی آگیا۔

اپنے محلے کے ایس۔ پی کی موجودگی ہی میں فریدی کو دہاں سے رخصت
ذی۔ ایس۔ پی سے گفتگو کرنے کا موقع کہاں تھا۔

”اب فرمائیے۔“ حمید نے لٹکن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ذیکریتے جاؤ۔“ فریدی انجمن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ ”میں خود کو بے بس سمجھنے کا عادی نہیں
بے بس تو وہ مر نے والا بھی نہیں تھا۔“ حمید نے چھپتے ہوئے لجئے میں کہا۔

اور فریدی صرف نہ کر خاموش ہو گیا پھر بولا۔ ”کیا خیال ہے تمہارا... فہم
پہچانتا تھا یا نہیں۔“

”اس کے متعلق لیکا کہا جا سکتا ہے۔“

”قطیعی پہچانتا تھا۔ لیکن شاید اسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بارے میں نہیں معلوم تھا۔“

تو انہیں کہی نہیں نصیب ہوتی جیسی وہ چاہتے ہیں۔ تو پھر موت کے معاملے میں جو ایسا رہا
رویہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔

ایک نہیں ہزاروں اس پر متحیر رہا کرتے تھے کہ آخر وہ اب تک زندہ کیوں ہے۔
تو لا تعداد دشمن تھے اور آئے دن اس کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔

خود حمید ہی نے اسے سینکڑوں بار موت کے جزوں سے صحیح و سلامت نکلتے،
لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ حمید بھی جان بوجھ کر انہے کوئی میں چھلانگ لگادیے کا
ہو، نہ وہ حقیقتاً بزدل تھا اور نہ کام چور۔ لیکن خواہ مخواہ کسی الجھن میں پڑنے سے گریز کر۔

اس وقت وہ تھا ہو تا تو گاڑی کو کسی دیرانے کی طرف موڑنے کی بجائے بھری بُری سڑکوں پر
لیکن اب لئکن ایک سنان سڑک پر دوڑ رہی تھی جس کے دونوں کناروں پر اور

درختوں کی قطاریں تھیں اور ان کے بعد پھر شائد سکھتوں اور جنگلوں ہی کے سلسلے چڑیا
ہوں۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ یعنی طور پر تعاقب ہو رہا تھا۔

”ہے نا...!“ فریدی نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”یقین کے ساتھ کیسے کہا جا سکتا ہے۔“ حمید نے اسمانہ بنا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے وہ“
ہی طرح غلط فہمی کا شکار ہوا ہو۔ یعنی کوئی نامرا عاشق جو سمجھا ہو کہ اس کی محبوبہ ہماری
سفر کر رہی ہے۔“

وفتنہ فریدی نے لئکن کی رفتار تیز کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں کاروں کا
ٹوپیل ہو گیا۔

”دیکھتے رہو! جیسے ہی پچھلی گاڑی کسی نشیب میں جائے فوراً بتا۔“ فریدی نے لہلہ
حمدید پھر مڑا۔ پچھلی گاڑی شائد نشیب ہی میں جا رہی تھی۔ کیونکہ اب اس کے

نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

”نشیب ہی میں ہے۔“ حمید جلدی سے بولا اور فریدی نے گیئر بد لے۔ رفتاد
ساتھ ہی گاڑی کی روشنیاں بھی گل ہو گئیں۔

”بائیں جانب اتر جاؤ۔“ فریدی نے اجنبی بند کرتے ہوئے کہا۔ یہ سب کچھ اتنی جا
حمدید کو کچھ سوچنے کی مہلت نہ مل سکی۔

اس نے دروازہ کھول کر بائیں جانب چھلانگ لگائی اور لڑکا ہوا نشیب میں چلا گیا۔ پھر
بشكل تمام سنجھنے میں کامیاب ہو سکا۔ یقین تھا کہ جسم پر خراشیں آئی ہی ہوں گی۔ لیکن ان کی
سوش محسوس کرنے کا ہوش کے تھا۔

مظاہر آکا ہونے کی وجہ سے اتنی گھری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سمجھائی دیتا تھا۔
یہاں سے سڑک کی بلندی تقریباً چدرہ فٹ ضرور رہی ہو گی۔ لیکن حمید کسی کار کی صرف آواز ہی
من سکا کار نہیں دکھائی دی تھی۔ البتہ ہیڈ لیپس کی روشنی در خون پر جھلکیاں مارنی تکل گئی تھی۔
تو وہ گاڑی کے بغیر رکے ہی گزر گئی۔ حمید نے سوچا اور اسے فریدی کی بوکھلاہٹ پر تاؤ آئے
گا۔ خواہ خواہ جو میں بھی کھائیں اور کپڑے بھی تباہ کئے۔

یک بیک قریب ہی اسے سر سراہٹ سنائی دی اور وہ ستفھل کر بیٹھ گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے
میں اس نے فریدی کی آواز سنی۔ ”کہاں ہو۔“

”آخو شہزادہ میں۔“ حمید جھلا کر بولا اور پھر پہلی سی خاموشی چھا گئی۔ مگر یہ خاموشی بے وجہ
نہیں تھی۔ وہ ضرور ناخاموش ہوئے تھے۔ کیونکہ اب پھر کسی کار کی آواز سنائی دی تھی اور روشنی
بھی نظر آئی تھی۔ آئے والی کاروں ہیں رکی جہاں انہوں نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

”نہیں یہ گاڑی نہیں ہے۔“ انہوں نے کسی کو کہتے سن۔ ”اوہ... ایکیں تو کوئی بھی نہیں ہے۔“
”یقیناً یہ وہ گاڑی نہیں ہے۔“ یہ دوسری آواز تھی۔

”کہیں ہم پھنس تو نہیں گئے۔“ تیسرا آواز آئی جس کے جواب میں انہوں نے کچھ بھی نہ سنا۔

الو کا خوف

فریدی نے حمید کا شاندہ دیا اور پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ چڑھائی پر ریکنے لگے۔ جلد ہی انہیں
ایک لشکر بگلہ مل گئی جہاں سے وہ سڑک پر بہ آسانی نظر رکھتے تھے۔

آنے والی کار کی روشنیاں بھی گل کر دی گئی تھیں اور سڑک پر تین دھنڈے سائے نظر
آرہے تھے۔

”تمہیں خواہ خواہ وہم ہو رہا ہے۔“ کوئی بولا۔ ”ہو سکتا ہے یہ گاڑی قطعی غیر متعلق ہو۔“

وچ رہا تھا کہ اگر شہر پہنچ کر انہوں نے یہی کار اپنے پیچے دیکھی تو ہوشیار ہو جائیں گے۔ کیونکہ
نہوں نے تاریخ روشن کر کے اُسے اچھی طرح دیکھا جلا تھا۔
”اوہو...!“ وہ یک بیک اچھل پڑا۔

چھپی کھڑکی سے تیز قسم کی روشنی کار میں داخل ہوئی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا آنکھیں
بند ہیا گئیں۔ گور و شتی کا فاصلہ زیادہ تھا لیکن ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے اس کی تیز شعائیں آنکھوں
سے گزر کر گدی سے دوسرا ہی طرف نکل جائیں گی۔ اور پھر گھنٹوں کی آوازیں جنگل کی پر سکون
شامی ارتقاش پیدا کرنے لگیں۔

”فائر بر گیڈ...!“ فریدی نے کار کی رفتار کم کر کے اُسے ایک طرف کر لیا۔ مگر پھر پورے
ریک لگائے اور پھر تی سے انجن بند کر دیا۔

”اڑو...!“ اُس نے حمید کو دھکایتے ہوئے کہا۔

اس بارہ وہ دونوں ایک دوسرے پر گرے اور ٹھیک اسی وقت گاڑی کا پچھلا شیشہ چور چور
و گیا۔ یہ وقت کافی فائر ہوئے تھے۔

”چلو...!“ فریدی نے سڑک کے نشیب میں انہاد و حند چلا گا لگائی۔ اس بار پھر حمید
پنے بیرون کو تکلیف دیئے بغیر نیچے پہنچ گیا۔ اس کی چینیں سکاریوں ہی میں تبدیل ہوتی رہی
تمیں۔ جانے کتنے کانے جسم میں چھپے ہوئے تھے اور نیچے پہنچ کر سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا تھا۔
اگ بھانے والی گاڑی گھنٹوں کا سور بکھیرتی ہوئی سڑک پر سے گذر گئی۔ فائر لینی طور پر
کی گاڑی سے کئے گئے تھے۔ لیکن وہاں رکی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے محض راستہ بنانے
کے لئے فائر کئے گئے تھے۔

حمدی نے بڑی قوت سے دانت پر دانت جائے۔ پتہ نہیں یہ جلاہٹ تھی یا سر کی دکھتی ہوئی
جو شجھنے دانت بھینچنے پر مجبور کیا تھا۔

”مگر اخیال ہے کہ تم زندہ ہی ہو گے۔“ تقریب ہی فریدی کی آواز آئی۔
”اُنے وابیات خیال پر مجھے غصہ بھی آسکتا ہے۔“ حمید بھرا ہوئی آواز میں بولا۔ وہ اپنی
خوش طبعی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

”وفلا ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ دھماکے کے ساتھ ہی اتنی روشنی ہوئی تھی کہ سارا جنگل ایک

”اتنی قیمتی گاڑی یہاں دیرانے میں اس طرح چھوڑ دی گئی ہے۔“ دوسری آواز آئی۔
”وقت نہ برباد کرو... یا آگے چلو یا اپس۔“

”وہ تو ہاتھ سے گیا... واپسی ہی مناسب ہے۔“

وہ شاید گاڑی میں بیٹھے گئے تھے۔ گاڑی یہک ہوئی اور پھر شہر کی طرف ٹڑکی۔

جب وہ کچھ دور نکل گئی تو فریدی بھی اٹھا اور دونوں لٹکن کی طرف آئے۔ تھوڑی رہی،
بھی شہر کی طرف مڑ رہے تھے۔ لٹکن کے ہیئت لیپس بچھے ہوئے تھے لیکن عقبی سرزا
اند کیچھے خطرات کے لئے جاگ رہی تھی۔

لٹکن کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ اندر ہرے میں
رفتاری خطرناک ہی تھی۔ لیکن فریدی نے جواب نہ دیا۔ رفتار اُسی وقت کم ہوئی تھی جو
والی کار کی عقبی سرخ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

”ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے۔“ جمید نے پوچھا۔

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“ فریدی نے تشویش کن لمحے میں جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے کہ
قطعی غیر متعلق رہی ہو جسے ہم اپنے تعاقب میں سمجھے تھے۔“

”یہکن خود اُس گاڑی کا تعاقب کیا گیا تھا۔“

”بس اب یہکی دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں۔ اُن کے اندازِ گھنگلو سے تو یہی معلوم
کہ جس کا انہوں نے تعاقب کیا تھا وہ اتفاقاً ہی کہیں انہیں نظر آگیا تھا۔“

”تو پھر ہو سکتا ہے کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کا بھی تعاقب کیا گیا ہو۔ ہم کیسے
ہیں کہ وہ کار ہمارے تعاقب میں نہیں تھی۔ اور اگر نہیں تھی تو خدا ہمیں معاف کرے؟
نے رات صرف آرام کے لئے بنائی ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس بھاگ و دوڑیں حمید کی بھوک چک اٹھی تھی وہ تھوڑی
کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کیوں جتاب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کار میں ہمارے ہی
آدمی رہا ہو۔“

”بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہو۔“
دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں ابھی تک کوئی خاص فرق نہیں واقع ہوا تھا۔

تریڈ بچت کا موقع نہیں تھا۔ حمید چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا اور گاڑی بیک کر کے خاف میں موڑی اور خود سڑک ری بھی نہیں دیکھا کہ فریدی وہیں کھڑا ہے یا نیچے اتر گیا ہے۔ اس نے بڑی جھلاہٹ کے عالم میں اسٹریٹ گگ سنپھالا تھا۔ گاڑی سنان سڑک پر فراٹ نے گئی۔ مگر ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ تار جام کے کسی ہوٹل میں چین سے سوتے کے گا۔ ظاہر کہ اسی وقت تو واپسی ہونے سے رہی۔

تار جام کا فاصلہ اُس کے اندازے کے مطابق یہاں سے کم از کم چالیس میل ضرور رہا ہو گا۔ ارکی فریڈر تیز ہی کرتا رہا۔۔۔ لیکن اس کا ذہن اب پھر اندازے اور مشکل میں الجھ کر رہا گیا۔ یہ کیا چکر تھا جس کیلئے اتنی بیگناہ خیزی ہوئی تھی اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے کسی کا تعاقب نہ اور پھر موت کی آنکوش میں جاسوئے تھے۔ پتہ نہیں اُن میں سے کوئی زندہ بھی بجا تھا یا نہیں۔ یہ بیک اُس کے کافنوں میں ایک سریلی سی آواز گئی۔ ”آپ کے پاس ماچس تو نہ ہو گی۔“ آواز گاڑی کی پچھلی نشست سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ اسٹریٹ گگ پر کانپ گئے اور وہ گاڑی کو قابو ہونے سے بہشکل بچا سکا۔

آواز نسوانی تھی اور سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ لہجہ غیر ملکیوں کا ساتھ لیکن وہ انگریز نہیں تھی تھی۔ حمید کو پہلے تو اپنے کافنوں پر یقین نہیں آیا لیکن یہی جملہ پھر دہرا یا گیا۔ اس نے ایک سانس لے کر اسٹریٹ گگ کو صرف دائبے ہاتھ سے سنپھالا اور باسیں سے اچس نکال کر مڑے فراش پوری کر دی۔ وہ وٹر شیلڈ پر سے نظر نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔

”ٹھری یہ...!“ آواز آئی۔ پھر اُس نے دیا مسلمانی کے جلنے کی آواز سنی۔ غالباً سگریٹ ہی لائی تھی۔

حمدی سوچ رہا تھا کاش رو اگلی سے پہلے گاڑی کے اندر بھی ایک نظر ڈال لی ہوتی۔ مگر کیا وہ تھا وگل۔

یہ کیا اس نے گیر بدلے اور گاڑی کی رفتار کم ہو گئی۔

”یہ مناسب نہیں ہو گا جتاب۔“ نہایت شریفانہ لمحہ میں کہا گیا۔ لیکن اس بار بھی آواز نہ ٹھانی۔

”مناسب تو یہ بھی نہ ہو گا کہ آپ میرے ساتھ اکیلی سفر کریں۔“ حمید نے پر سکون لمحہ

پل کے لئے جاگ سا پڑا تھا۔

”لگی.... ختم ہوئی وہ کارت۔“ فریدی بڑا بڑا ہوا سڑک کی طرف چھپتا۔ حمید میں اُن کہاں تھی کہ وہ بھی ولی ہی تیزی دکھا سکتا۔ سر کی چوٹ نے اسے ٹھھال کر دیا تھا۔

فریدی انہیں اشارت کر چکا تھا۔ لیکن حمید کا انتظار کرنا ہی تھا۔ جیسے ہی وہ پچھلی بیڑ کار چل پڑی۔ آگ بچانے والی گاڑی کی گھٹیاں اب نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

”کیا کر رہے ہیں آپ....!“ حمید بھتنا کر بولا۔

”یہ دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی بچایا نہیں۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں۔“

”اس کار کی جو پچھدی رہ پہلے ہماری گاڑی کے قریب رکی تھی۔“

”تو یہ آگ بچانے والی گاڑی۔“

”آگ بچانے والی گاڑی کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتی ہے اس کی ساخت میرے نہیں تھی۔“

”اوہ....!“ حمید کھڑکی پر جھکتا ہوا بولا۔ ”وہ رہے شعلے.... باسیں جانب.... نیچے۔“

فریدی نے کار روک دی۔ باسیں جانب نشیب میں ایک کار الٹی پڑی دھڑادھڑ جل رہی

فریدی گاڑی سے اتراتو۔۔۔ لیکن وہیں رک گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کار والوں میں

ایک بھی زندہ نہ پچا ہو۔ اُن میں سے کسی کو چیختنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔

”مگر یہ کیسے ہوا ہو گا۔“ حمید نے بھرا ہی آواز میں کہا۔

”ٹکراؤ.... اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر گاڑی ہی ڈرائیور کے قابل ہو گئی ہو۔ ستو وہ گاڑی جیسی بھی رہی ہو۔ شہر کی طرف نہ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس

خاموشی سے واپس آئے لہذا مناسب بھی ہے کہ تم اپنی گاڑی تار جام کی طرف نکال لے جا

پر انہوں نے صرف گولیاں چالائی تھیں اور نظر انداز کرتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔“

”میں آپ کو یہاں تھا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”جاوہ....!“ فریدی نے اسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال میں گاڑی جا

کے موڑ میں نہیں ہوں۔“

میں کہا۔ ”ویسے میری گاڑی پہلے بھی کئی بار لڑکیاں جن چکی ہے۔“

”اوہ.... تب تو آپ ایک تجربہ کارڈ و اونٹ بن چکے ہوں گے۔“

”مہمن بینڈ...!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”لیکن آج تو میں خود کشی کر ہوں۔ اس لئے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ خدا رالیکی باتیں نہ سمجھے جنہیں سن کر نہیں

”خوب! تو آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں۔“

”قطیعی.... کیونکہ لاکیوں سے اس سے زیادہ کی توقع رکھنا ضروری ہے۔ اچھا تو طرح مرنا پسند کریں گی۔ گاڑی کو سڑک کے نیچے گراوں یا کسی درخت سے مکراروں۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔“

”فائز کرو... اچھا ہے۔ مجھے خود ہی گاڑی نہیں گرانی پڑے گی۔“

”اچھی بات ہے۔ جو دل چاہے کرو۔“ اس بار لمحے میں لاپرواں ظاہر ہو رہی تھی۔

”تب تو میں تمہیں ہائینے کی نظم سناؤں گا.... جرمن ہونا تم....!“

”اوہ.... کیا ہائینے پسند ہے تمہیں۔“ لاکی نے پاشتیاق لمحے میں پوچھا۔

”بہت زیادہ....!“

”اور.... رکھے....!“

”وہ تو مجھے بالکل چند معلوم ہوتا ہے۔“

”بکواس ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔“

حید نے محسوس کیا کہ وہ اسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتی ہے۔ یک بیک اڑ رشت کیا اور کار حرکت میں آگئی۔ لیکن لاکی نے اس سے بھی زیادہ پھر تیلے پن کا مظاہرہ کیا۔

نادہ کال کے آگے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ حید کو اسے پیچے چھوڑ جانے کا موقعہ ہی نہیں سب ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں کار کی رفتار ہی کیا رہی ہو گی۔

”میں تمہیں کچل دوں گا۔“ حید جھنجلا کر بولا۔

”تم نے ابھی پستول کی دھمکی رہی تھی۔“ حید مسکرا لایا۔

”وہ تو میں نے یونہی....!“ لاکی نہیں پڑی۔

”میں اپنی گاڑی میں تمہاری موجودگی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”لفت.... تارجام تک۔ آج رات میں نے بڑے ذرا اونے مناظر دیکھے ہیں۔“

”بھی“

”یہاں اتنی رات گئے تمہارا کیا کام....!“

”میں پیڈل ہو اخوری کی عادی ہوں۔ آج راستہ بھول گئی۔“

”جہاں سے تم پیٹھی ہو گی وہاں سے شہر میں میں کے فاصلے پر ہے اور تارجام چالیس میں

”اچھا تو یہ ہو اخوری کہاں سے شروع ہوئی ہو گی۔“

”نہ میں سمجھا سکتی ہوں اور نہ تم سمجھ سکو گے۔ لہذا ہمیں دوسری باتیں کرنی چاہیں۔ مثلاً

”ت کی باتیں۔ اگر تھوڑی بہت سو جھوٹ بھی رکھتے ہو تو اونٹ نیشنل پولیس کی باتوں میں کوئی

”الائف نہیں۔“

”مضاائقہ تو اس میں بھی نہ ہو گا کہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں۔“ حید نے کار سے اترتے

”کے کا اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر تھامانے لجھ میں بولا۔“ ”نیچے آؤ۔“

”یہ تو ناممکن ہے۔ تم خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔ میں اسے قطیعی پسند نہیں کروں گی کہ

”تمہارا چھوڑ کر اپنی راہ لو۔ یہی کرنا تھا تو شہر سے کیوں ساتھ لائے تھے۔“

”اوہ....!“ حید نے دانت پیٹتے ہوئے اس کا بازو بکڑ کر اسے نیچے کھٹک لایا۔

”ورنے.... وحشی۔“ وہ غصیلے انداز میں بسور کر بولی۔ ”عورتوں سے ایسا ہی برداشت کرتے ہیں۔“

”میرے ڈیٹی کے گرائٹ فارور تو چانے اڑا دیا کرتے تھے۔“ حید نہایت اطمینان سے بولا۔ وہ

”لی نشست کا دروازہ بند کر کے لاکی کو ایک طرف دھکیلتا ہوا اگلی نشست پر جائیٹا۔ اب جن

”رٹ کیا اور کار حرکت میں آگئی۔ لیکن لاکی نے اس سے بھی زیادہ پھر تیلے پن کا مظاہرہ کیا۔

”نادہ کال کے آگے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ حید کو اسے پیچے چھوڑ جانے کا موقعہ ہی نہیں

”سب ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں کار کی رفتار ہی کیا رہی ہو گی۔“

”میں تمہیں کچل دوں گا۔“ حید جھنجلا کر بولا۔

”غزوہ کچل دو۔“ اس نے اسی طرح دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

”اتنے پھر تیلے پن سے گاڑی کا راستہ بار بار روک رہی تھی جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو

”لیں رکھتی ہو؟“

”کرے کیا داعی مر ناچاہتی ہو۔“ حید حلچ پھاڑ کر دھڑا۔

آدمیوں کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کی کار اسی طرح اچھل کر کھٹ میں جا پڑی تھی
”کوئی کھلنا ہوا اور کسی شرپر بچے نے ایک معمولی سی ٹھوکر سے اسے دور پھینک دیا ہو۔
”وہ کون تھے۔“

”جدا جانے.... ایک آگ بجھانے والی گاڑی اس سے نکرانی تھی لیکن نہ تو آگ بجھانے والی
ی کی رفتار میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ اسے کوئی تقصیان ہی پہنچا تھا۔ میں نے ایسا حادثہ آج تک
دیکھا۔“

”مگر تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔“

”یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔“

”لوکی.... تم مجھے آؤ بنا نے کی کوشش کرو رہی ہو۔“

”لوکی.... وہ یک بیک اچھل پڑی اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ ”میرے خدا۔“
راہیں جو کی آواز میں بولی۔ ”آن جس وقت تک گیارہ ہویں بار آلو کا نام سنائے۔ تم کون ہو۔“

”لوکی....!“ حید جھلا کر بولا اور پھر یک بیک اچھل کر پیچھے ہٹ آی۔ سامنے کسی گاڑی کے
پیس پچک رہے تھے۔ اس نے جیب سے روپالوں کا نلا اور اس کا رخ لوکی کی طرف کے
لئے نشیب میں اترنا پلا گیا۔ سر کی تکلیف بدستور موجود تھی۔ اسی نے ذہن کو کسی قابل نہیں
اتھاودہ دیا تھا۔ احتنانہ انداز میں وقت بر باد کر لیکن بجائے اب تک کوئی ڈھنگ کا کام کر چکا ہوتا۔
”ارے.... ارے....!“ لوکی کی آواز سے خوف ظاہر ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دور چل کر حید
لباسی جگہ میں جہاں چھپ کر وہ صرف اپنی حفاظت کر سکتا تھا لیکہ سڑک پر بھی نظر کر کے
تمایہ پھرولوں کے پکھڑ دیہر تھے جن کے رخوں سے لمبی لمبی گھاس آگ آئی تھی۔

آنسے والی کار لٹکن کے قریب ہی رکی اور کسی نے انگریزی میں پوچھا۔ ”کیا ہوا۔“

”کوئی نکل گیا۔“ حید نے لوکی کی آواز سنی۔

پھر خاموشی چاہنے لیکن حید کی چھٹی حس کہہ رہی تھی جیسے وہ آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے
سے۔ اچاک لوکی بیخنچنگی۔ ”ارے.... ارے.... تو مجھے مارتے کیوں ہو۔ کیوں مارتے ہو۔“

”تم نے اسے نکل کیوں جانے دیا۔“ کسی مرد نے کہا۔

”کرے.... وہ الو تھا.... الو....!“ لوکی رونی سی آواز میں چیختی۔

وہ جواب دیئے بغیر دوڑتی رہی۔ حید کو خطرہ سر پر منڈلاتا محسوس ہوا تھا۔ اس
کیوں نہ فی الحال کسی پکے راستے پر مڑ جائے یا شہر ہی کی طرف واپس چلے۔ اس طرز
مقصد مخفی گاڑی کی حفاظت تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی کا یہ خیال کہ وہ خطرناک گاڑی پھر رہا
گی ضرف ایک لا یعنی ساندریشہ رہا ہو۔ مگر یہ لڑکی وہاں کیسے رہ گئی تھی۔ یہ اسی گاڑی
ہو گی جس پر آگ بجھانے والی گاڑیوں کی سی گھنٹیاں نکر رہی تھیں۔

یک بیک اس نے رفتار بہت کم کر دی۔ مگر لڑکی اپنی پہلی ہی رفتار سے دوڑتی چا
تھی۔ رفتار کم کر کے حید نے بریک لگائے اور پھر گاڑی کو بیک کر کے شہر کی طرف ہوا
والا تھا کہ لڑکی پلٹ پڑی اور ہاتھ ہلا کر زور سے بولی۔ ”احمق نہ بنو۔ موت کے منہ میں نہ
حید نے دیکھا کہ اب وہ پھر دوڑتی ہوئی اس کی طرف آ رہی ہے۔ اس نے ہیز یہ
دیئے۔ تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ گاڑی کے پیچھے تھا۔
ارادہ تھا کہ اب وہ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر گاڑی میں ڈالے گا اور تار جام کی جائے
رخ کرے گا ورنہ ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر اسے کسی جاں میں پھنسنا پڑتا۔ کیونکہ وہ اسے
ہی کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔

لوکی بھی احمق نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے حید تک پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی
روشنی کر دی۔ پھر بولی۔ ”اچھا تو یہ بات ہے۔ اب تم جھگڑا کرنا چاہتے ہو۔ اچھا تو آؤ۔
سے کمزور نہیں پڑوں گی۔“

حید پھر دانت پیس کر رہا گیا۔

”خود بھی تھک رہے ہو اور مجھے بھی تھکا رہے ہو۔“ لوکی نہ پڑی۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو۔“

”آہ.... یہ نہ پوچھو۔“ وہ سہنڈی سانس لے کر بولی۔ ”جب سے تمہیں دیکھا ہے؟
قايوں میں نہیں ہے۔“

”ذہن کو قايوں میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گاڑی کے سامنے لیٹ جاؤ۔“ جما
ہونٹ بھیجن کر بولا۔

”سنو....!“ لوکی سنی ان سنی کر کے بونی۔ ”یہ رات بڑی بھیانک ہے۔ ابھی ابھی۔“

کافنے کے کلکے پر پنل سے ایک طرف الٹو تحریر تھا اور دوسری طرف ایک دائرة تھا اور
یہ مشکل۔ یہ بھی پنل ہی سے بنائے گئے تھے۔

”یہ کیا حاصل تین شروع ہو گئی ہیں۔“ حمید بڑا بیالا۔

”سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی وہاں کیا کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے پیچنے سے پہلے ہی وہاں
جو ہو گئی۔ تبھی تو گاڑی میں داخل ہو سکی تھی۔“

”یقیناً اس نے باقاعدہ طور پر اس کار کی تباہی کی داستان سنائی تھی۔ بس آنکھوں دیکھا حال
بھی لجھے۔“

”جو بھی ہوں! پر لے سرے کے گدھے معلوم ہوتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔
”کیوں...؟“

”پچھے نہیں! تم خود سوچو جو لوگ تم جیسے الوسے خائف ہو جائیں انہیں پھر اور کیا کہا جائے گا۔“
”ہوں..!“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میری چھٹی کی درخواست اب منظور ہی ہونی چاہئے۔“

”ضرور ہو گی۔“ فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے سے اٹھا کر سلاٹتے ہوئے کہا۔
پھر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا ہا پھر بولا۔ ”آپ گھر تک کس طرح پہنچے تھے۔“

”تمنے چار میل پیدل چلنے کے بعد اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا ورنہ صبح ہو جاتی۔“
”hadیث کی اطلاع آپ ہی نے وی ہو گی۔“

”نہیں! اس ٹرک کا ڈرائیور بھی جلتی ہوئی کار دیکھتا اور ہر ہی سے گزر اتھا۔ اس بحث میں نہ
دھکام کو بہر حال اس حادیث کی خبر ہو چکی ہے۔ لیکن تم اپنی زبان بذرکو گے۔“

”زبان میں لگام دینا محاورہ ہے۔“ حمید خواہ خواہ بڑا بیالا۔ پھر بولا۔ ”آج دفتر میں کیا رہی۔“
”کافنرات اور قابوں کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔“

”اگر اور جیو میٹری ازیادہ زیر بحث رہے ہوں گے۔“
”میں نے اس مسئلے پر کسی کو گفتگو کا موقعہ نہیں دیا۔“

”آپ خود کسی نتیجے پر پہنچے ہیں یا نہیں۔“
”امیکی نہیں۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”چھلکوں میں گھنٹوں میں پے در پے کتنے حادیث ہوئے ہیں۔ ذا کٹرداو کے بعد مجسمہ ساز نصیری
کیا... الہ... نہیں۔“ حمید نے محسوس کیا کہ مرد کی آواز سے بھی خوف ظاہر ہونے والا

”ہاں... ہاں... ہاں...!“

”چلو... بھاگو جلدی...!“ یہ کسی دوسرے مرد کی آواز تھی۔

پھر کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے وہ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے ہوں۔

کار پھر اُسی طرف مرتی دکھائی دی جو ہر سے آئی تھی۔

”اُو...!“ حمید آہستہ سے بڑا بیالا اور دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

امتیازی تکمغہ

کرنل فریدی نے سگار ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”تو وہ لڑکی تمہیں اکو
خائف ہو گئی تھی۔“

”ہاں ہو سکتا ہے جو منی میں ہٹلر جیسے آدمی انکو سمجھے جاتے ہوں۔“ حمید نے اسمانہ بنا کر

”اوہو...! تمہیں اس پر بھی یقین ہے کہ وہ جرم نہیں تھی۔“

”یہ اندازہ ہے۔“

”بہر حال اونے انہیں خائف کر دیا تھا۔ ہاں تم نے رات کہاں گذاری۔“

”تار جام کے علاوہ اور کہاں گذارتا۔ واپسی تو آپ کے قول کے مطابق موت کے

ہی میں لے جاتی۔“

”مجھے وہم ہوا تھا۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”میں سمجھا تھا کہ شاکر وہ گاڑی پھر واپس آئے اُ

”آپ وہیں رکے رہے تھے۔“

”ہاں لیکن وہ گاڑی واپس نہیں آئی تھی۔ کار کے حادیث میں ختم ہونے والوں
صرف ایک کی شکل قابل شناخت رہ گئی تھی۔ دو آدمیوں کے چہرے جل کر سس ہوا۔

قابل شناخت لاش کی جیب سے صرف یہ چیز برآمد ہوئی تھی۔“

فریدی نے کاغذ کا ایک کلکا حمید کی طرف بڑھایا۔

”صرف... یہ...!“ حمید نے متین رہ انداز میں کہا۔

کا قتل پھر ایک کار کی جایی جس میں تین آدمی ہمیشہ کے لئے سو گے۔
”نصیری پر آپ کی نظر کس سلسلے میں تھی۔“

”ایک غیر ملکی سفارت خانہ اُس کے مجسے غیر ضروری طور پر خریدتا ہے۔“

”ہوں! اچھا لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ کا تعلق بھی اُسی ملک سے ہو۔“

”میں یہ کب کہتا ہوں۔ کسی آدمی کی زندگی کے ایک پہلو پر نظر ڈالنے سے بھی
پہلو خود بخود سامنے آ جاتے ہیں۔“

”نصیری کے خلاف آپ کیا چارج لگاتے۔“

”اگر کبھی کچھ ثابت کر سکا ہوتا تو بہترے چارج لگ جاتے۔“ فریدی نے ہاتھ پر
”ختم کرو۔ میں اس کیس میں بہر حال دلچسپی لے رہا ہوں۔“

”آپ جانے... مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہمیں کسی بہت بڑی توہین کا سامنا کرنا پڑے۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔“

”اب فکر بھی نہ کروں! بالکل ہی کامل ہو جاؤں۔“ حمید نے آنکھیں نکال کر کہا
مگر اپنے۔

”ضرور کرو... لیکن یہاں نہیں۔ کیا تمہیں کہیں باہر جانا ہے۔“

”اگر جاسکوں تو۔“

”ضرور جاؤ... ورنہ کسی وفا شعار یوں کی طرح دماغ چائے رہو گے۔“

جانا کہاں تھا؟ صرف قاسم کے گھر تک کیونکہ آج کل وہ اُسے عشقیہ خطوط لکھنے

کر رہا تھا اور آج تو اسی سلسلے میں اپنی ایک شرارت کا رد عمل بھی دیکھتا تھا۔

پکھے دنوں پہلے اس نے قاسم کو پے در پے کئی عشقیہ خطوط لکھتے تھے۔ کسی گمان لڑکی

سے، جن میں ظاہر کیا تھا کہ وہ قاسم کے اوپر مر منی ہے لیکن ابھی اپنے متعلق کچھ
چاہتی۔ ایک نہ ایک دن اُس سے اس طرح ملے گی کہ وہ متین رہ جائے گا۔

قاسم نے دو خطوط کسی نہ کسی طرح ہضم کرنے لئے تیرے خط پر حمید ہی کے

آیا۔ اسے کسی طرح یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کوئی لڑکی اس طرح خواہ مخواہ اُس پر عاشق ہے۔

اس پر حمید بڑی دیر تک اس کے حق میں قلفہ عشق ٹھوٹسرا تھا اور پھر بولا تھا۔

نہیں جانتے راجہ بکر ماجھت کے زمانے میں ایک گلگھری کسی بھینے پر عاشق ہو کر روزانہ سماں ہے
تین بیرون دینے لگی تھی۔

”سالے مجھ خدا تھے ہو۔“ قاسم گھٹ گیا تھا۔

لیکن حمید نے کسی نہ کسی طرح اُسے یقین دلا ہی دیا تھا کہ وہ بھی عاشق ہو جانے کی چیز ہے۔

ہر مل اس موقع پر کہ وہ بکھی نہ کبھی اپنا پتہ بھی لکھتے ہی دے گی قاسم حمید سے عشقیہ خطوط لکھنے کی

رینگ لینے لگا تھا۔

چھپے دنوں حمید نے اُس کا ایک محبت نامہ پار کر کے لفافے میں بند کیا اور اُس پر اس کے

اپ کا پتہ ناپ کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اس طرح کہ قاسم کو اُس کی ہوا بھی نہ لگنے پائی۔

آج وہ اسی لئے قاسم کے گھر جانا چاہتا تھا کہ اپنی اس شرارت کے انجام سے لطف اندوز

وئے۔ فرمت کے اوقات میں قاسم سے الجھنا اس کا محبوب ترین مشغله تھا۔

اس نے گیراج سے کار نکالی اور دل نبی دل میں اپنی شرارت کے موقع نتائج پر ہنستا ہو اکپار اُنہوں

سے سڑک پر نکل آیا۔ شام خاصی خوٹگوار تھی اس لئے اُسے موقع نہیں تھی کہ واپسی جلد ہو سکے

ہر خیال آیا کہ اگر شرارت واقعی کامیاب رہی ہو گی تو اس وقت قاسم کے یہاں چائے ملنے کا سوال

لانگبیدا ہو سکے گا۔ اس لئے اُس نے راہ میں ایک جگہ گازی روکی۔ اتر کر ایک صاف سفرے کیفے

لے آیا۔ گھر پر چائے بھی نہیں پی تھی۔ محض اس خیال سے کہ کہیں چائے کے دوران کوئی اسی

لذاد پڑے کہ گھر سے لکھنا ہی نہ ہو سکے۔ یا کسی سلسلے میں دوڑ دھوپ ہی کرنی پڑ جائے۔

کچھ کی غضا پر سکون تھی۔ بمشکل تمام دو تین میزیں آباد رہی ہوں گی۔ حمید نے چائے

لب کی اور پاپک میں تمباکو بھرنے لگا۔

ان دنوں اس کی ذہنی حالت عجیب تھی۔ نہ کسی کام میں دل لگتا تھا اور نہ تفریحات میں۔

غمومیت سے ہو ٹلوں اور ناٹ کلبوں کی تفریحات تو اس کے لئے بالکل بے جان ہو کر رہ گئی

تھیں۔ دوست لڑکوں کے تصور سے دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اُسے وہ اس نئھے طالب علم کی

عالت سے تعینہ دیتا تھا جسے استاد نے کسی بات پر خفا ہو کر مرغابنادیا ہو۔

البته قاسم کی بات دوسری تھی۔ اس کے ساتھ تو کافی بنتا بنسانا ہو جاتا تھا۔ بھی وجہ تھی کہ

اچ کل اُس کی دوڑ عموماً قاسم ہی کے گھر تک ہوا کرتی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ باہر آیا۔ لیکن اُسے جرت ہوئی جب اُس نے اپنی کار کے گرد لوگوں غیردیکھا۔

اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے دو آدمیوں کو ادھر ادھر ہٹا کر راستہ بناتے ہوئے پوچھا۔

”اکو....!“ تھیہوں کے ساتھ جواب ملا اور اس کی کھوپڑی تاق کر رہ گئی۔ دل چاہا کر

کے سر گلکرادے۔ لیکن پھر طبیعت کو قابو میں رکھنا پڑا۔

”پتہ نہیں کس شو قین کی کار ہے۔“ کسی نے کہا۔

اور جب حمید کسی نہ کسی طرح قریب چہنچا تو اس کی آنکھیں جرت سے پھیل گئیں۔

طرف کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور اندر ایک بڑا سا الو پر چھپھٹا کر ادھر اور

پھر رہا تھا۔

”ہری ہری سو جھتی ہے یار لوگوں کو۔“ مجع میں کسی نے کہا۔

”چلو.... چلو.... بھیڑ ہٹاؤ۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”ہٹو... اے کاشیبل... ادھر۔

ہٹاؤ۔“ اس نے ڈیوٹی کا نشیبل کو مخاطب کیا۔ جو خود بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے اس؟

موجود تھا۔ ذرا ہی کی دیر میں بھیڑ صاف ہو گئی۔

پہلے تو حمید نے سوچا کہ کھڑکیاں کھول کر اُسے اڑا دے۔ لیکن پھر ارادہ ترک

مناسب ہی معلوم ہوا کہ وہ اپنی گاڑی جوں کی توں اکو سمیت وہیں کھڑی رہنے والے اور خ

میں گھر واپس جائے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اس کی گاڑی اُسی حال میں دیکھنا پسند کرتا۔



نیا گرہ ہوٹل کے بڑے رہائشی کمرے میں تین آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔

لبوسات اعلیٰ درجہ کے تھے۔ لیکن ان کی آنکھیں شریف آدمیوں کی سی ہرگز نہیں

حرکات و سکنات سے بھی یہ نہیں خاہر ہوتا تھا کہ ان میں ذرا برابر بھی انسانیت پالی؟

تاش کے پتے اس طرح میز پر پختہ تھے جیسے اس کی ضرب سے میز کے ٹکڑے ہی اڑا دیں۔

وفٹافون کی گھنٹی بجی اور ان میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔ دوسرا

سے بولنے والے کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر بُر اسامنہ بنا کر رسیور کریڈل میں پختا ہوا بولا۔“

مشکل کا پکڑ چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔“

”ہیا ہوادوسرے نے پوچھا۔“

”میں کہتا ہوں۔ اگر مشکل اور دائرے کی کوئی اہمیت ہے تو اُو کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں.... فون پر کون تھا۔“

”اُس....!“

”میں پوچھا تو پھر؟ کیا تم نے اُو کا حوالہ دیا تھا۔“

”ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ اُو کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔“

”سبھی میں نہیں آتا کہ آخر وہ ہر معاملے میں اپنی ناگز کیوں اڑا دیتا ہے۔ بھلاڑا کٹر داؤ کے

یا قتل کی پشت پر جو حالات ہوں ان سے اس کا یہ تعلق....!“

”اس بجٹھ میں پڑتا ہی فضول ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی کرتا ہے جتنا ہم سے کہا جائے۔“

”ہاں.... آں....!“ تیسرے نے اگڑائی لی۔ وہ ابھی تک کچھ بھی نہ بولا تھا۔ اگڑائی لے کر

انے میز پر طبلہ بجانا شروع کر دیا۔

”ٹیک ہے۔“ دوسرا بولا۔ ”مگر کیا تمہارے دل میں خواہش ن پیدا ہو گی کہ تم ڈاکٹر داؤ کے

ہاکے متعلق بھی کچھ معلوم کرو۔ کس نے قبل کیا تھا؟ کیوں کیا تھا؟ اس کے بعد کہیں اُو مشکل

دارے پر غور کرنے کا سوال پیدا ہو گا۔“

”اُسے یاد چھوڑو! اس وقت اس نے کیا کہا ہے۔“ تیسرے نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

”تھی کہ ڈاکٹر کے ملنے جلنے والوں سے مشکل، اور دائرے کا تذکرہ کرتے پھر وہ ہو سکتا ہے کہ

اُس سے کوئی ان کے متعلق کچھ بتا سکے۔ لیکن اُو کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر

کو کیوں اہمیت نہیں دی جا رہی۔“

”اُو کو کوئی اہمیت دے سکتے ہیں۔“ تیسرے نے کہا اور پھر میز پر طبلہ بجانے لگا۔

”اُو اور دائرے وغیرہ کی کہانی سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔“

”پھیل جانے والے دو۔“ میز پر طبلہ بجانے والے نے ہاتھ روک کر کہا۔ ”مجھے تو بس کے علاوہ

رکی کی گھر نہیں رہتی۔“

”باکس کی فکر....!“

”ہاں.... وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ اس کی اصل صورت کیسی ہے۔“
”اصل صورت....؟“ پہلے کالج تحریزدہ تھا۔

”اوہو.... کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ جس شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس کی اصل ہے۔ آنکھوں پر بڑی سی تاریک شیشوں والی عینک چڑھائے رہتا ہے اور گھنی موچھیں قطعی مغلی ہیں۔“

”بکواس ہے۔“ پہلا بولا۔

”مت یقین کرو۔“ تیرے نے لاپرواں سے شانوں کو جبٹ دی اور پھر میز پر طبلہ بجانزا تاش کی گذی ایک طرف رکھ دی گئی تھی اور ان میں سے اب کوئی بھی کھلنے کے مروں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”سوال یہ ہے۔“ پہلا آدمی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کیا ڈاکٹر داؤد کی ذہنی حالت اُس“
ٹھیک تھی جب اُس نے اپنے ہی خون سے مثلث اور دائرہ بنایا تھا۔“

”اگر ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو اپنا باس بھی پاگل ہی معلوم ہوتا ہے۔“ تیراہاتھر دک بولا۔ پھر پہنچنے لگا۔ دونوں نے بھی کی وجہ پوچھی تو بولا۔ ”سب سے بڑا سوال ہے کہن فریدی پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے دفتار و حسین قبغ کرنی گئی ہوں۔

”تھوڑی دیر بعد پہلے نے کہا۔“ ہم نے ابھی تک کوئی غیر قانونی کام تو نہیں کیا۔“
”واہ....!“ تیراہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اکو مثلث اور دائیے کی فکر کے ہونی چاہئے۔“

کہن فریدی کو اور یہ کیا کہہ رہے ہو کہ ہم نے ابھی تک غیر قانونی کام نہیں کیا۔“
”فضول باشیں مت کرو۔“ پہلا جھلا گیا۔

”ہائیں.... مجھے آنکھیں دکھاتے ہو.... تم....!“
”ہاں.... میں تمہارا انچارج ہوں۔“

”اے.... چوکر کے پیشکار صاحب۔ کیا تم مجھے جانتے نہیں۔“
”خاموش رہو....!“ پہلا منھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

”ارے.... ارے....!“ دوسرا دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”پاگل ہو گئے ہو۔“
اس کا علم ہو گیا تو....!“

”میں بھی سچھ کام ہی کی باشیں کر رہا تھا۔ بھائی کو خواہ مخواہ غصہ آگیا۔“
”بیٹھو.... یار.... بیٹھو بھی۔“ دوسرے نے پہلے کو زبردستی بھاتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں

اپت جلد غصہ آ جاتا ہے ایسا بھی کیا۔“

”تم دونوں کو ملازمت کس نے دلائی تھی۔“

”تم نے.... بھی....!“ دوسرے نے کہا۔

”اور مخفی اس لئے کہ میں تم پر اعتماد کرتا تھا اور تم مجھ پر....!“

”ہاں ہاں! اس سے کس کو انکار ہے۔“

”لیا تم یقین کر دیے کہ تمہاری کوئی لغزش مجھے موت کے منہ میں لے جائے گی۔“

”وہ کیسے....!“

”تم سکھوں کا بار مجھ پر ہے۔ ساری ذمہ داری میری ہے۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوئی تو وہ لوئی مار دے گا.... سمجھ۔“

”ہونہب... یہ بھی ایک ہی!“ میز پر طبلہ بجانے والا بے اختیاری سے مسکرا یا۔

”لیا تم تجھ میری زندگی کے گاہک بنو گے۔“

”لیا تم سمجھو ہو۔“ دوسرے نے پوچھا۔

”اے پھر کی لیکر سمجھو! میں غلط نہیں کہہ رہا۔“

”لیکو پیدا رے۔“ وہ پھر مضطربانہ انداز میں میز پر طبلہ بجا کر بولا۔ ”یہ آدمی جسے ہم صرف اسکے نام سے یاد کر سکتے ہیں میرے لئے ایک مستقل ذہنی خلش میں کر رہا گیا ہے۔ کیوں نہ میں کا صفائی....!“

”خاموش....!“ پہلے نے خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ”بہت آگے نہ بڑھو۔“ دشوار ہو۔ اگر تم ذہنی طور پر اتنے ہی الجھ پچھے ہو تو کسی گوشے میں چھپ کر آرام کرو۔ اس میں سے پہچھا چھڑانا چاہیے ہو تو میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔ لیکن کسی قسم کی غیر مخفیہ دارانہ گفتگو میری موجودگی میں نہیں کر سکتے۔“

”کتنے غافل ہو۔“ تیرے نے آنکھیں چلا کر کہا۔ ”تم یعنی.... جیری دی گریت۔“

”میرا ناہامیدان الگ ہے۔ وہاں میں کسی سے بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ سمجھ۔ لیکن اس

آدمی کا مقابلہ تم کیسے کرو گے جس کا پیار بھی موت کا باعث بن سکتا ہو۔“
”کیا مطلب....!“
”یقین کرو.... میں نے ایک بار ایک ایسے آدمی کو مرتے دیکھا ہے جس سے وہ بڑی
سے پیش آیا تھا۔“

”کیا بات ہوئی۔“ تیرسا بہن پڑا۔
”تم نہیں سمجھ سکتے۔“ پہلا جھੱഗلا گیا۔ ”تم نے ہاس کو قریب سے نہیں دیکھا۔“
”اب دیکھوں گا تو دوبارہ دیکھنا فیض نہ ہو گا۔“ طبلہ بجانے والے نے ہنس کر کہا
”جاہا....!“ پہلا آدمی دہاز۔ ”فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔ اٹھو! جب تک تمہاری ذہن
اعتدال پر نہ آجائے میرے سامنے مت آنا۔“

”نہیں....!“ دفعہ دو روازے کی طرف سے آواز آئی اور وہ اچھل پڑے۔ ایک طولیں:
آدمی دروازہ بند کر کے چھپنی چڑھا رہا تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے ان کی طرف مڑا۔ اس کی آ
پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور موچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہے گے
تینوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔
”تمہارا ساتھی دلچسپ ہے جیری۔“ آنے والے کے لمحے میں تفسخ ہا۔ ”میں ایسے
آدمیوں کو پسند کرتا ہوں۔ اب تم دونوں اسی کے چارچ میں رہو گے۔ جیری کیا تمہیں
اعتراف ہے۔“

”نہیں ہاس....!“ جیری تھوک ٹکل کر بولا۔
”میں اس کے سینے پر تمغہ امتیاز اپنے ہاتھوں سے لگاؤں گا۔“ اس نے کہا اور جیسے
چکدار تمغہ کلالا جو سرخ نیتے سے لٹک رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور میز پر طبلہ بجانے والے
سینے پر اُسے پن کرنے لگا۔

”سک.... سی۔“ اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور آنے والا جلدی سے
”اوہ.... پن چھپ گئی کیا! معاف کرنا۔“
تمغہ لگا کر وہ پچھے ہٹ آیا اور جیری کو مخاطب کر کے بولا۔ ”اب یہ تمہارا انچارج ہے؟
خیال رکھنا اور تم سب اُس وقت تک اس کرے میں نہ ہو گے جب تک کہ دسرے انکا۔“

”فوجائیں۔“
”وہ دروازہ کھوں کر باہر نکل گیا۔ جیری نے آگے بڑھ کر دروازے کو بولت کیا اور پھر میز کی
رف لوٹ آیا۔

”دوسرा آدمی کہہ رہا تھا۔ ”لو بھئی.... کیا کایا پلٹ ہوئی ہے۔“
لیکن دھنکا جیری کے حلق سے ایک گھنٹی گھنٹی سی چیخ نکلی۔ کیونکہ تمغہ حاصل کرنے والا
وہ کھڑے زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔
”دیکھا تم نے دیکھا۔“ جیری کا نیپٹا ہوا بولا۔ ”یہ زندہ نہیں ہے.... دیکھا.... تم نے....“
وہ اس طرح گھنٹوں کے بل بیٹھ گیا جیسے پیروں کی قوت جواب دے گئی ہو۔

حال

فریدی حمید کو بیر و فی برآمدے ہی میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ اس کی بدحواسی پر وہ چونکہ ڈا تھا۔
بول کیا ہوا.... تمہاری گاڑی کہاں ہے۔“

”اکو....!“
”کیا بکواس ہے۔“

حمدی نے پوری داستان ایک ہی سانس میں دہرانے کی کوشش کی۔ فریدی بڑی سمجھی گی سے
برہا تھا۔

”اور دوسرا بات۔“ حمید سانس لینے کے لئے رک کر بولا۔ ”اُس کے پنج سے لوہے کا
سدائے بندھا ہوا ہے اور دوسرا سے مثلث۔“

”خوب....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”اکو.... دائرہ اور مثلث بھی موجود ہیں۔ اگر تم اُلوکو
نچا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ چوہیا اور بکرے پر تو بتیرے تجربے کر چکے ہو۔ اس بار اُلوکو
اکی۔ حالانکہ میں نے سنا ہے کہ اُلوکو پالنا آسان کام نہیں ہے۔“

”اُپ سیرا منکر اڑا رہے ہیں۔ تو میں خواہ مخواہ دوڑ آیا تھا۔“

”قطیعی! اگر اُلوکو کی بجائے تمہیں اپنی گاڑی میں نائم بم نظر آیا ہو تو دوسرا بات تھی۔ میں بھی

اپنے سرے اوپر جا کر کے پچھلی سیٹ کی طرف بڑا دیا۔ دفتار کوئی بھی سیٹ کی پیشانی پر رپتی اور اس کی آنکھوں میں بڑی شدید قسم کی جلن ہونے لگی۔
ہرے..... یہ....! اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کچھ کہنا چاہا۔ منہ کھلا اور اس ن ہوا جیسے حلن میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو اور پھر اُس کا سارا وجود محض مرچوں کی ن بن کر رہ گیا۔ جلن.... جلن.... تپش.... آگ۔
پھر اُسے ہوش ہی نہ رہا کہ کچھ یاد رکھ سکتا۔



مردوں سے شرط باندھ کر سونے والی بیویوں کی تو تھی نہیں کہ میدانِ حرث ہی میں ہوش آتا۔
آیا اور اس طرح آیا جیسے سوتے سوتے جا گا ہو۔ نہ تو ذہن پر کسی قسم کا بارہ تھا اور نہ آنکھوں مانے دھندا ہٹھ ہی تھی۔ تازگی کا یہ عالم تھا جیسے جی بھر کے سویا ہو۔ ہوش آنے کے بعد نو ٹکوار مظفر پر بھی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

”ایک بھی سجائی خواب گاہ تھی جس کی مسہری پر اُسے ہوش آیا تھا۔
سب سے پہلے اُس کا ہاتھ کوٹ کی جیب پر پڑا۔ روی اور غائب تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور ہمکن کر تیری سے بند باندھنے لگا۔

لارڈ ایکلی بھی کیا جلدی۔ ”پشت سے آواز آئی اور حمید اچھل پڑا۔
لارڈ ایکلی کے قریب ایک دراز قد آدمی نظر آیا۔ جن کی آنکھوں پر تاریک اور معمول اور بڑے شیشوں کی عینک تھی اور موچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہ گئے تھے۔
میدا اسے اسکی نظروں سے گھوڑا رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی چھپ پڑے گا۔

”میں یہاں کیوں لا یا گیا ہوں۔“ بالآخر اس نے غرا کر پوچھا۔
”پرشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے تمہارے باس ہی کی موجودگی میں گفتگو کر۔“ جواب مل۔

”یا تمہارا اشارہ کرنی کی طرف ہے۔“

”ہاں ایسی نہ اُن سے استدعا کی ہے کہ وہ تشریف لا کر مجھے شکریہ کا موقع دیں۔“
”یا مطلب....!“

”قرول گا۔!“ قاسم ہاتھ پر ہاتھ مدد کر بولا۔ ”اپنی آنکھ میں ششیر دوسرے کی ڈالا۔ حمید کو ہمی آگئی۔ کیونکہ قاسم کے ذہن میں کئی کہا توں گذرنہ ہو گئی تھیں۔ عالمہ اور کہ اپنی آنکھ میں شہیر نہیں نظر آتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آ جاتا ہے۔ شہیر کی اور تنکے کے تصور کے ساتھ ہی چور کی ڈالا۔ حمید یاد آگئی۔

”اے تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔“ حمید اُس کا شانہ ٹھپکتا ہوا بولا۔ ”جا کر الاوں۔“

”نہیں قرتے تفریج! تم بتاؤ... میرے باب قو....!“

حمدی اس وقت قاسم سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گاڑی وہ ایک ڈیوٹی کا نشیل کی چھوڑ آیا تھا۔ اسے جلد ہی واپس آنا تھا اور اب تو جلد واپسی اشد ضروری ہو گئی تھی کیونکہ دانست میں فریدی نے اس وقت اُسے ٹالنے ہی کی کوشش کی تھی۔
وہ تیری سے چھاٹ کی طرف بڑا۔ لیکن اُس نے چھاٹ کے باہر ہر کوائی تھی۔

”اے میں جہنم میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔“ قاسم ہاتھ ملا کر چیخنا۔
تو ہوڑی دیر بعد وہ حمید کی تیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اور ہونٹوا کچھ بڑا کر زدہ گیا۔ اس وقت قاسم اُسے بہت شدت سے کھل زہا تھا کیونکہ اُس کے ذہن اپش عورت کے تصور کے علاوہ اس وقت اور کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

وہ کون تھی؟ بچکیوں اور سکیوں کے درمیان فریدی سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ سوچ ہو تارہ بہ آخر فریدی نے اُسے اس طرح کیوں ٹال دیا تھا؟
اس نے پھر مڑ کر دیکھا قاسم کی کار بدستور تعاقب کر رہی تھی۔ آخر اُس نے ذرا بھ کا ایک نوٹ دیتے ہوئے ہدایت دی کہ وہ تیکسی کسی گلی میں موڑ کر فرار بہت کم کر دے۔
قاسم کو ڈاچ دیتے بغیر چھکارانا ممکن تھا۔ گلی اس جگہ سے قریب ہی تھی جہاں حمید گاڑی چھوڑی تھی۔

”میں اتر جاؤں گا اور تم سیدھے نکلے جانا۔ سمجھے۔“ اُس نے ذرا سیور سے کہا۔

”بہت اچھا جاتا۔“ ذرا سیور نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”بیٹھنے واپس لے گئے رکھو.... رکھو....!“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔ لیکن ذرا سیور سب سی پیشہ کا ہے۔

”وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ میں بیک وقت کی جانب سے حملہ کرنے کا
تاکہ آگر ایک ناکام ہو تو دوسرا ہی بار آور ہو سکے۔ وہ بھی نہیں تو تیرا... لیکن میرزا
دوسری طرف سے کیا ہوا حملہ یقیناً کامیاب ہو گا۔“
”میاں کو اس ہے۔“

”پہلا حملہ تو وہ تھا کہ تم نے اپنی کار میں آؤ دیکھا اور تمہیں پچھلے پڑھے ہوئے سارے
ناول بیک وقت یاد آگئے۔“ کھنی موچھوں والے نے قہقهہ لگایا۔ ”سنٹی... سک...
وہی حرکت سر زد ہوئی جس کی توقع تھی۔ تم نے اپنی گاڑی وہیں کھڑی رہنے والی اور کر
کو اظہار دینے دوڑے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تم وہی تیکسی استعمال کر
پہلے ہی سے تمہاری منتظر تھی اگر کرتل بھی اسی تیکسی پر تمہارے ساتھ ہی آ جاتا تو؛
میں نے سوچا کہ کرتل بہت بڑا آدمی ہے۔ میں الاتو ای شہرت کا مالک۔ اس لئے اس
سے بھی حملہ کرنا چاہئے۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا لیکن وہ لڑکی اُسے ضرور لائے گی
”پہلے بھی بھی کرتل سے ساقہ پڑھکا ہے۔“ حمید نے مصلحہ اڑانے والے انداز
پہلی بار یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا
”اچھی بات ہے۔ تو منتظر ہو۔“ حمید نے لاپرواں سے شانوں کو جبش دی۔

”تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تمہیں یقین ہی نہ ہو کہ میرا دوسرا حملہ کامیاب
اگر تم نے پہلی بار یہ سعادت حاصل کی ہے تو کچھ ہی دیر ہی خوش فہمی میں ضر“
”خیر... ختم کرو۔“ دراز قد آدمی نے کہا۔ ”ہم کھانے کی میز پر کرتل کا انتقال
اوہ میرے ساتھ۔“

”اچھی بات ہے تو پھر میں بھی یہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کروں گا۔“ تم تو
معلوم ہوتے ہو۔ کرتل میرزا دعوت کبھی نہ ٹھکراتا۔“
”سبجدگی سے گفتگو کرو۔“ حمید نے اسے تیر نظرلوں سے گھورتے ہوئے کہا
اور کیا چاہئے ہو۔“

”مشیث اور دائرے کے چکر میں بیترے ہیں۔ مجھے بھی ان میں سے ایک سمجھو
اوہ... تو پھر...!“

”چھے نہیں! اس گفتگو کے لئے کر عل کی موجودگی ضروری ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن تم نے دائرے اور مشیث کے ساتھ اکو کا حوالہ نہیں دیا۔“

”مجھے اکوؤں سے دلچسپی نہیں ہے۔“ اس نے لاپرواں سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

حمد پھر اس نقاب پوش عورت کے متعلق سوچنے لگا جسے فریدی کو ٹھی میں لے گیا تھا۔ کیا
وہی عورت تھی جس کا حوالہ ابھی اس آدمی نے دیا تھا؟ تو کیا فریدی صحیح کسی جاں میں
پھنس گیا ہو گا؟

”ایسا سوچنے لگے۔“ دراز قد آدمی نے مصلحہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

”بھی کہ تمہیں... خیر... ہٹاؤ جانے دو! تم خفا ہو جاؤ گے۔ بات یہ ہے کہ تھیں اس برقدہ
پیش لڑکی کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ ویسے آواز تو بڑی دلکش تھی۔“

”وہ خود بھی بڑی دلکش ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی مقامی لڑکی ہے۔“

”لڑکیوں کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ وہ تو کا بنا تھی ہوتی ہیں۔ کبھی بادلوں سے جھاگھتی ہیں۔ کبھی
پاند اور ستاروں میں بیٹھ کر ستار بجاتی ہیں۔ مگر آج کل ناخن بڑھانے لگی ہیں اس لئے روٹیاں
نہیں پا سکتیں۔“

”شاعر بھی ہوا مرخزے بھی۔ لیکن کیا یہ بے حیائی کی زندگی نہیں ہے۔“

”اپنی بڑی بڑی موچھیں رکھ کر لڑکیوں سے حملہ کرنا چاہیے جیسا کی زندگی ہے۔“

”تمہاری زبان گھونسے کی طرح چلتی ہے۔“

”مگر افسوس کسی کا سرنیں توڑ سکتی۔“ حمید نے سختی سا سانس لے کر کہا۔ ”ویسے تم نے بے
نیالی کی زندگی کا حوالہ کن معنوں میں دیا تھا۔“

”تم دونوں کی موجودہ پوزیشن۔ کیا تم اپنے بھنگے میں حقیر ہو کر نہیں رہ گئے۔ اب اعلیٰ حکام کو
نہاری پرواد نہیں ہوتی۔“

”ٹوہ...!“ حمید سر ہلا کر یو لا۔ ”تو تم محض ایک مجرم ہی نہیں بلکہ غدار بھی معلوم ہوتے ہو۔“

”وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔“

”آ جاؤ...!“ دراز قد آدمی غریا۔

”کام ہو گیا باس۔“ ایک آدمی نے دروازہ کھول کر کہا۔

بل نمبر 27

دیگر بیک وقت کئی چینیں سنائی دیں۔ ان میں شاید ایک فائز کی آواز بھی شامل تھی۔
دیگر بیک گوشے میں رک گیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر فریدی نے دھوکا نہیں کھایا تو یہاں تک
چینا ہی اس کے لئے مشکل نہ ہو گا۔
ویسے وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ لیکن اس کرے سے کوئی بھی
میں مذرا جس میں حید تھا۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ شائد وہ اس کرے سے گذر کر باہر نہ
پہنچے۔

اس نے پھر آوازوں کی طرف کان لگادی۔ لیکن اب وہاں سنانا تھا۔

کچھ ویر بعد وہ ٹھوٹا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پوری عمارت تاریک ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا
ہا کہ میں سوچ آف کر دیا گیا ہے۔ میں سوچ کہاں ہو گا؟ لیکن میں سوچ کے پکر میں بڑا فضول ہی
ہا۔ ہو سکتا تھا کہ اس طرح کسی دوسرے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا۔

دروازے سے گذرتے وقت اس نے ایک ہلکی سی آواز سنی اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔
دمیرے کی وجہ سے اندازہ کرتا دشوار تھا کہ اب بھی وہ کسی کرے ہی میں ہے یا کسی رہداری
میں۔ وہ دوبارہ آہٹ لینے لگا۔ پہلی بار اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ آواز کس قسم کی تھی۔

آواز بھر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی فرش پر آہستہ آہستہ کھک رہا ہو۔ پھر اس نے
لگی کراہ سنی جو غالباً شدت تکلیف ہی کا نتیجہ تھی۔ فرش سے لباس کی رگڑ کی آواز قریب آتی
جاتی تھی۔

حید نے سانس روک لی۔ یقینی طور پر ہکھکنے والا قریب ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ دم لینے کے
لئے رکا ہو۔

لہلک اسی وقت تاریچ کی روشنی کا برا سادا رہ کرے میں ریگ آیا اور حید اچھل کر پیچھے ہٹ
گیا۔ یہ کسی لڑکی ہی کی چیز تھی جس نے اس کے کان پھاڑ دیئے تھے تاریچ کی روشنی کا دارہ فرش پر
پہنچ گیا۔ پھر ہمہر گیا تھا۔ حید نے دوسرے دروازے میں چلا گکا۔
”تمہارو... میں ہوں۔“ یہ فریدی کی آواز تھی۔ حید بے تھاشہ پلٹ پڑا۔



”ٹھیک....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”آؤ کیپن! ہم دوستانہ ماحول میں گنتگو کریں گے۔“
حید ابھن میں پڑ گیا۔ کیا وہ فریدی کو بھی چھانس لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کیا،
دھوکا کھا گیا ہو گا۔ وہ سوچتا ہوا غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دراز قد آدمی خاموشی سے چل رہا تھا۔ اس وقت حید چاہتا تو بہ آسانی اس پر حمل کر
لیکن یہ دیکھے بغیر کہ فریدی کس حال میں آیا ہے وہ کوئی غیر ذمہ دارہ اقدام نہیں کرنا چاہتا
ہاں میں پہنچ کر دراز قد آدمی رک گیا۔ یہاں چار آدمی پہلے ہی سے موجود تھے اور اُ
ایک جگہ ایک بڑا سبندھل پڑا ہوا تھا۔

حید بوکھلا گیا کیونکہ اُسے اس بندھل پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے نظر آئے تھے۔
”او گدھو! تم نے ابھی تک اُسے اس تھیلے سے نکلا بھی نہیں۔“ دفتار از قد آدمی
ہوئے لجھے میں بولا۔ ”اگر گھٹن کی وجہ سے مر گیا ہو تو۔“

پانچوں آدمیوں نے بڑی تیزی سے بندھل کھوٹا۔ لیکن بندھل سے برآمد ہونے
نظر پڑتے ہی دراز قد آدمی کسی زخمی شیر کی طرح دہارا۔ ”یہ کون ہے۔“
حید نے طویل سانس لی۔ یہ فریدی نہیں تھا۔ پانچوں آدمیوں کے چہروں پر ہوانیا
گئی تھیں۔

”یہی.... ت..... تو.... میں سوچ رہا تھا۔“ ایک آدمی ہکلایا۔ ”سوچ رہا تھا کہ ذر
جاری تھی۔“

”اگدھو! تم اپنے ہی ایک آدمی کو زخمی کر کے تھیلے میں ٹھوٹس لائے ہو۔“ دراز قد آدمی پھر اُ
”اندھیرا.... بس.... اندھیرا.... ہمارا قصور نہیں ہے۔“

”اندھیرے کے پیچے میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ کتنا کہاں ہے؟“
حید اب ہر قسم کے خطرات کا سامنا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کچھ کر گذا
کے لئے اس سے بہتر موقع پھر رہا تھا۔ آئے گا۔ اُس نے چپ چاپ ایک کری اٹھا کر اس از
دراز قد آدمی کی کمر پر رسید کی کہ وہ توازن کھو بیٹھ۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے دو آہما
بھی سیستانہ ہوا فرش پر ڈھیر نظر آیا۔ حید نے دروازے کی طرف چلا گکا۔ اگر وہ نہ تھا۔
اس طرح کبھی نہ بھاگتا۔ بہر حال وہ ابھی دوسرے ہی کرے میں پہنچا تھا کہ پوری عمارت

زنخی لڑکی

فریدی کے باسیں ہائھ میں تارچ تھی اور دنہنے میں روپی الور۔

حید احمدقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ لڑکی گھستی ہوئی دیوار گئی تھی اور اب شائد کوشش کر رہی تھی کہ دیوار سے بیک لگا کر پیٹھے سکے۔

روشنی کا دائرہ اب بھی اسی پر تھا۔ اور وہ نبڑی طرح ہانپر تھی۔ شائد وہ جوا

ہوئے ذہن ہی کو قابو میں رکھنے کے لئے بار بار آنکھیں چھاڑ رہی تھی۔ اس کے خدوخا تھے۔ حالانکہ وہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ لیکن خوف بھی اس کے چہرے کی دلکشی پر کوئی نہیں ڈال سکتا۔

”کیا وہ نکل گئے۔“ حید نے پوچھا۔

”تم یہاں کیسے؟“

”پھر بتاؤں گا۔ بہر حال میں قیدی تھا۔“ حید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”اٹھو...!“ فریدی نے لڑکی سے تھکانہ لجھ میں کہا۔

”میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دائیں بازو پر زخم قاحس سے خون بہہ رہا تھا۔

”وہ لوگ کہاں گئے؟“

”میں نہیں جانتی جتاب۔“ قطعی نہیں جانتی یقین سمجھ۔ مجھے گرفتار کر لجھے میں نے دھوکا دیا تھا۔

”تھماری گرفتاری سے کیا فائدہ۔ نہیں تمہیں بیٹیں چھوڑ جاؤں گا۔“

”نہیں نہیں۔“ وہ ہذیافی انداز میں چینی۔ ”مجھے گرفتار کرنے لو۔“

”کیوں... کیا وہ تمہیں مارڈائیں گے۔“

”چلے! نکلے یہاں سے۔ ورنہ وہ واپس بھی آسکتے ہیں۔“

”اس کی فکر نہ کرو۔“ فریدی نے کہا اور ٹھیک اسی وقت کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔

”دیکھئے...!“ حید چینا۔

”پرواہ مت کرد۔“ فریدی مسکرا لیا۔ چند لمحے لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حید سے بولا۔
”ہاں تم یہاں کیسے آپنے تھے۔“

”میں کہتا ہوں اتنے اطمینان سے تینیں رکے رہنے میں کون سی مصلحت ہے۔“

”پھر کیوں گا کہ اپنے ذہن کو ان الجھنوں میں نہ ڈالو۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔“

حید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی بیٹی دہرائی اور فریدی ہٹنے لگا۔

”بھلاس میں ہٹنے کی بات ہے۔“ حید جلا گیا۔

”کچھ نہیں! انخواہ خواہ انگارے نہ چاہو۔ ذرا اس بچاری کو دیکھو۔ اس کا بازو زخمی ہے۔“

”وکھر رہا ہوں.... پھر کیا چاہئے ہیں آپ۔“

”وہی جو یہ چاہتی ہے۔“

”اُس درندے نے مجھ پر فائز کیا تھا۔“ لڑکی کراہی۔

”اوہ.... تو کیا یہ گولی گئی ہے۔“ فریدی نے حرمت سے کہا۔

”پتہ نہیں! مجھے یاد نہیں کہ گولی گئی تھی.... یا کچھ اور.... انہیں اہو گیا تھا۔“

”انہیں ہر کسی کے ہوا تھا۔“

”وہ.... وہ....!“ لڑکی رہ رہ کر آنکھیں چھاڑتی ہوئی بولی۔ ”میرا.... سک.... سر....“

”رالہا ہے.... مم.... مم.... میں....!“

اس کی گردن بائیں شانے پر جھوول گئی۔ آنکھیں قطعی طور پر بند ہو چکی تھیں اور وہ گہری

ری سائنسی لرہی تھی۔

”غالباً بیوشاں ہو گئی۔“ فریدی آہستہ سے بڑھا۔ پھر حید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اے

لاؤ۔“

”کمال ہے.... یعنی کہ میں.... یعنی کہ اتنی خوبصورت لڑکی۔“

”الٹھاک... اور میرے ساتھ چلو۔“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا۔

ٹھوکا دکھا دکھا دیا۔ یہ خوشنگوار فرض ادا کیا۔ فریدی ہی کی رہنمائی میں وہ عمارت کے باہری

یہ میں پہنچا دیا۔ ایک محترس پاپائیں بانگ تھا۔

مگرے تو آپ نے تلاشی بھی نہیں لی۔ اس نے فریدی سے کہا۔

”مجھے پہنچی ہو جائے گی اور وہ ستار بجائے گی۔ اس کی بھی پرواہ نہ کرو۔ آہام نے ابھی تک
نہیں پہنچا کہ میں اچاک وہاں کیسے آپنچا تھا۔“
”مجھے علم ہے کہ وہ رقعہ پوش عورت....!“

”ٹھیک! وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آرٹسٹ نصیری کی سیکریٹری
بچھلی رات وہ اپنے قلیٹ میں سورہ ہی تھی کہ کھڑکی توڑ کر تین چار نقاب پوش اندر گھس
چے۔ انہوں نے اُسے اٹھا لے جانا چاہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت دو تین نقاب پوش اور پہنچے اور ان
درمیان اچھی خاصی جنگ چھڑ گئی۔ اسی دوران میں اُسے اپنے قلیٹ سے نکل بھاگنے کا موقع
میز۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونے والی ہے۔ پھر اس نے
ری کے مغلن کچھ ایسی باتیں بتائیں کہ ذوق تجسس جنجنھوڑے بغیر ہی جاگ اٹھا۔ مثال کے
پر اس نے بتایا کہ وہ نصیری کو مجسم ساز کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی وہ اُسے کوئی اسکار
می تھی۔ اس نے ایک عمارت کا نام لیا تھا کہ وہ اس میں نصیری کے کتب خانے کی دیکھ بھال
نا تھی اور اس کی ڈاک وصول کرتی تھی۔ تیرے چوتھے دن نصیری بھی وہاں جاتا تھا اور وہ
ڈاک دیکھنے میں مدد دیتی تھی۔ عمارت کی سنجیان اس کے پاس ہی تھیں۔ جو اس نے بے چول و
میرے حوالے کر دیں۔ مگر میں اُسے بھی سما تھے لے جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ خاف
ہ۔ لیکن پھر سما تھے چلنے پر آداہ ہو گئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس تاریک عمارت میں پہنچ کر
اتھاڑے گیا ہوں۔ وہ اندر ہرے میں کسی دوسری طرف کھک کئی تھی۔ پھر چند آدمی مجھ پر ٹوٹ
سے اندر ہرے کی وجہ سے میں انہیں ڈاچ دینے میں کامیاب ہو گیا اور انہوں نے میرے
وکے میں اپنے ہی ایک آدمی کو مار لیا۔ شاید اندر ہرے ہی میں اُسے تھیں میں بھی ٹھوٹا گیا تھا۔
اُسے کہ اُس کے بعد میں نے ان لوگوں کا تعاقب ضرور کیا ہو گا۔ لیکن بالآخر وہ نکل ہی گئے۔ مگر
اُپنے وقت میں نے جن لوگوں کو فون کیا تھا وہ ذرا دیر سے پہنچتے ورنہ وہ لوگ نکل نہ سکتے۔“

”میں...!“

”ٹیک فورس...!“
”ٹیک ظاہر ہے...!“

”سب کچھ ہو رہا ہے فکر مت کرو۔“

جبکہ کار سڑک پر کھڑی تھی۔ حمید نے لڑکی کو کچھل نشست پر ڈال دیا۔
”اُسے کہاں لے چلیں۔“ اُس نے فریدی سے پوچھا۔

”پولیس ہپتال...!“

”غلطی کریں گے آپ! نہیں میری دامت میں تو یہ مناسب نہیں ہے۔“

”فکر مت کرو۔ تم خواہ خواہ ان الجھنوں میں پڑتے ہو۔“

”آپ وہاں بتائیں گے کیا۔“

”یہی کہ ہمیں سڑک پر بیہوش پڑی ملی تھی۔“

”کیا عقائدی ہے اس میں۔“

”مجھنے کی کوشش کرو۔ یہ لڑکی ہمارے لئے کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر
متعلق صحیح بیان دے دیا گیا تو یہ حوالات میں ہو گی۔“

”اوہ.... تو اسے آپ ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔“ حمید نے طویل سانس لی۔

”بہت درمیں سمجھنے لگے ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری عقل کو۔“ فریدی نے تمہارے بے
بھوک کے مارے حمید کا دم نکلا جا رہا تھا۔ اس لئے اُس نے بجھ دیں ختم کر دا
بھوک کے عالم میں بکواس کرنے سے سارا زور خالی معدے پر پڑتا ہے اور قلب اتنے لگا
پولیس ہپتال پہنچ کر وہ باہر جبکہ بھی میں بیٹھا رہا تھا اور فریدی بیہوش لڑکی کو اس
کر اندر لے گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی اور اس نے بتایا کہ لڑکی کو
ہوش نہیں آیا۔

”تو پھر آپ نے بیان بھی نہ دیا ہو گا۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں بیان دینے میں کون سی دشواری تھی۔“

”دیکھنے بھوک کی حالت میں مجھے زبان پر قابو پاناد شوار ہو جاتا ہے۔“ حمید نے جھا

”اس جھلاہٹ کی وجہ... فرمند...!“

”وہ ہوش میں نہیں تھی۔ آپ یہ فرمایا کہ آئے کہ کسی سڑک پر بیہوش می خ
اُس نے ہوش میں آکر کوئی دوسری بکواس کر رہا تو کیا ہو گا۔“

”کب میری سمجھ میں آئے گی یہ بلیک فورس۔“ حمید نے سندھی سائنس لی۔
فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔ جیپ کاراب کو سندھی ہی کی طرف جاری
”دوسری بات۔“ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”جانتے ہو وہ لڑکی کون تھی۔“
”بنیتم کی شہزادی۔“

”تم کی طرح جلاعے ہوئے ہو۔“ فریدی بس پڑا۔ ”وہ لڑکی وہی ہے جسے ابھی ہم
ہپتال میں چھوڑ کر آئے ہیں۔“
”نہیں....!“ حمید نے متھر انہ لمحے میں کہا۔
”ہاں....وہی ہے۔“

”اور آپ نے اُسے اس طرح...!“
”ہاں....آل۔“ فریدی نے بات کاٹ دی۔ ”میں دراصل اس وقت کے ڈرائیور
مطمئن نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ مجھے ایسا ہی لگا ہے جیسے میں نے کسی ڈرائیور کے ریبر
 حصہ لیا ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“
”میرا خیال ہے کہ کل تک سمجھ جاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اوہ ابھی تمہاری گاڑی
ہو گی جہاں تم نے چھوڑی تھی اور میرا خیال ہے کہ تمہارا الواب تک کافی مشہور ہو گا کہا
تعجب نہیں کہ بات ہمارے ایسی پی صاحب تک بھی پہنچ گئی ہوا اور ہمیں اس سلسلے میں باقاعدہ
پر جواب دہی کرنی پڑے۔“

فریدی کا خیال غلط نہیں تھا۔ حمید تقریباً آٹھ بجے اپنی گاڑی کا نشیبل کی تحویل میں د
یا تو اور اس انداز میں ویٹر کو بدالیات دے رہا تھا جیسے آج کینے کی بچی بھی ساری چیزیں اس کے ہی
مذکور ایدھن میں ہیں گی۔ فریدی تقریباً تین منٹ تک فون پر گفتگو کرتا رہا پھر وہ بھی میز پر چلا آیا۔
”ہوش آیا اُسے۔“ حمید نے پوچھا۔

”آجٹا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”اور تمہیں حیرت ہو گی کہ میرے اور اُس کے بیان میں سرموم
وقت بھی کار کا نشیبل کی تحویل سے واپس لینے وہاں پہنچ اُسے چاہئے کہ وہ ایس۔ پی۔“

”لمنے چاہئے۔ واپسی خواہ کسی وقت ہو۔“
”میرا خیال ہے....؟“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
”لے بھجے تھا جاتا پڑے گا۔“
”ظاہر ہے۔“
”غم میں کہوں گا کیا۔“

”اب یہ بھی میں ہی بتاؤ۔ یوں بکواس کر کے دوسروں کی کھوپڑیاں بھی خالی کر دیتے ہو۔“
”خیر میں سمجھ بوجھ لوں گا۔“ حمید نے لاپرواٹی سے شانوں کو جتنش دی۔
”الواب بھی کارہی میں موجود تھا۔“ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔
”غیرت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ تم آج ہی سے الوپوری شروع کر دو۔“ فریدی نے
”ہاں....آل۔“ فریدی نے بات کاٹ دی۔ ”میں دراصل اس وقت کے ڈرائیور
مطمئن نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ مجھے ایسا ہی لگا ہے جیسے میں نے کسی ڈرائیور کے ریبر
 حصہ لیا ہو۔“

”غالباً ہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لوگ نصیری تک کیوں جا پہنچتے تھے، ظاہر ہے کہ کسی کو
لی خاص بات کے ظاہر ہو جانے کا خدشہ تھا اسی لئے نصیری قتل کر دیا گیا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ کل تک سمجھ جاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اوہ ابھی تمہاری گاڑی
ات بھر کھلا رہتا تھا۔“
”ٹھہرہ بھی! میں چل رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور اُس کے ساتھ ہولیا۔ لیکن کیفے میں
تک اُس کا رخ کسی میز کی بجائے کاؤنٹر کی طرف تھا۔

کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون پر اُس نے پولیس ہپتال کے نمبر ڈائل کئے۔ حمید ایک میز پر جم
یا تو اور اس انداز میں ویٹر کو بدالیات دے رہا تھا جیسے آج کینے کی بچی بھی ساری چیزیں اس کے ہی
مذکور ایدھن میں ہیں گی۔ فریدی تقریباً تین منٹ تک فون پر گفتگو کرتا رہا پھر وہ بھی میز پر چلا آیا۔
”ہوش آیا اُسے۔“ حمید نے پوچھا۔

”آجٹا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”اور تمہیں حیرت ہو گی کہ میرے اور اُس کے بیان میں سرموم
وقت بھی کار کا نشیبل کی تحویل سے واپس لینے وہاں پہنچ اُسے چاہئے کہ وہ ایس۔ پی۔“

”اُس نے بھی بتایا ہے کہ وہ ریگل اسٹریٹ سے گزر رہی تھی کہ ایک تیز رفتار مور اُس کے قریب سے گزری۔ دھکا لگا اور وہ دور جا گئی۔ اس کے بعد اسے ہوش ہی نہیں ر بازو کے زخم کے متعلق کیا بتایا۔“

”وہ تو کچھ بھی نہیں بتا سکی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زخم کسی دھاردار آئے کا ہے۔ آپ نے بھی ریگل اسٹریٹ ہی کا نام لیا تھا۔“

”ہاں۔ دیکھو۔ میں نہ کہتا تھا کہ اس کی فکر نہ کرو۔ عموماً ہی ہوتا ہے، جو میں چاہتا ہوا میں اس وقت زیادہ اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ فی الحال میرا ذہن معدے ہے۔“ اُس نے دیکھ کی لائی ہوئی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے ہاں میں نظریں دوڑا میں اور پھر سیدھا ہو کر کری سے نکلتا ہوا بولا۔ ”چھپلی رات اُس پر اسرار گاڑی سے ہم پر فائر ہوئے تھے لیکن ایک بھر ملک نہیں منجع سکی تھی۔ حالانکہ ہم پوری طرح روشنی میں تھے۔ ہماری گاڑی کا بھی وہی د نہیں ہوا جو دوسری کا ہوا تھا اور وہ لڑکی جو گاڑی کی چھپلی سیٹ پر ملی تھی ہو سکتا ہے کہ ذہن میں کوئی دوسری ایک سیم رعنی ہو۔ لیکن تمہاری زبان سے لفظ انہوں کوڑے بوجھا گئی تھی کے ساتھی بھی اتنے ہی خوفزدہ ہو گئے تھے کہ پھر ان سے وہاں نہیں نہ ہمہرا گیا تھا۔ کارک میں کام آنے والوں میں سے ایک کی جیب سے صرف کافند کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا تھا؟“ مثاثل اور دائرے کے کھڑاگ کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیا تھا۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“ حمید منہ چلانا ہوا بولا۔

”کہانی بڑے ڈرامیک انداز میں سیٹ کی گئی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وپاریاں یہیں حمید صاحب۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر داؤد کی قاتل ہو سکتی ہے۔“ ”اتھا تو میری سمجھ میں آگیا ہے ظاہر ہے کہ اُس کاڑ کی تباہی اسی کی طرف اشارہ کرتی۔“ ایک پارٹی سے اس وقت بھی ہماری نہ بھیڑ ہو چکی ہے۔“

”چڑی یہ بھی تسلیم ہے۔“

”لیکن یہ پارٹی حقیقتاً ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتی ہے۔“

”یہ سیئے کہہ سکتے ہیں آپ۔“

”مگر یہ بات نہ ہوتی تو تمہاری گاڑی میں الوکی بجائے نائم بم رکھا جاتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مجھ پر اندر ہرے میں جملہ کر کے اپنا ہی ایک آدمی نہ مار گرایا جاتا۔ تم کہتے ہو کہ وہ تھیلا تمہاری موجودگی میں ہی کھولا گیا تھا اور لمبے آدمی کو اچانک اپنے ساتھیوں کی حماقت کا علم ہوا تھا۔ اگر اس میں ذرہ برا بر بھی حقیقت ہوتی تو وہ مجھ سے نک کر نہیں جاسکتے تھے۔ اتنی فاش غلطی کا احساس ہوئے تھے۔ یعنی اپنے بیویوں ساتھی سیست نکل گئے تھے۔ یقین کرو کہ اگر وہ فرار بھی ان کی ایکیم میں پہلے ہی سے شامل نہ ہوتا تو وہ نک کر نہیں جاسکتے تھے۔ میں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔“

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تمہارا بیان ہے کہ تم نے فائر لایا اور بھی سنتی۔ لیکن لڑکی کا زخم گولی کی بجائے کسی دھاردار آئے کی کہانی سناتا ہے۔ پھر اڑکا مقصد کیا تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ انہوں نے لڑکی ہی پر فائر کیا ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”ضروری تو نہیں تھا کہ ولیگ ہی جاتی۔“

”ہاں ضروری نہیں تھا لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ بھی میرا ہی بیان دھرا دے اور اتنی سخاں کے ساتھ کہ ایک لفظ کا بھی فرق نہ پڑنے پائے۔“

”اس پر البتہ غور کیا جاسکتا ہے۔“ حمید نے کپ میں چائے انٹیلیٹے ہوئے کہا۔

”اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جبل میں رہنے کی بجائے ہماری گرائی میں رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔“ ”اور وہ حقیقتاً بیویوں بھی نہیں تھی.... کیوں؟“

”مگر ہوتی تو میرا بیان من و عن کیسے دھرا سکتی۔“

”حالانکہ پہلے اُس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ بس وہ کسی طرح نکل گئی اور اب صرف جبل ہی لکھ رہا تھا۔ اسی کے چھاں وہ ان لوگوں کے انقام کا شکار نہ ہو سکے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”حالات کی سمت بھی نہیں لے جاتے۔“ کچھ دیر بعد حمید بڑا بڑا۔ ”بہر حال نہ لے جاتے ہوں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلاکا کر بولا۔“

اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے مخف اسی لئے اٹیج کیا تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کرے پاری یہ کیوں چاہتی ہے۔ اسے البتہ دیکھا پڑے گا۔ ”
”کیا یہی پارٹی داؤد اور نصری کی قاتل بھی ہو سکتی ہے۔“
”ممکن ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
یک بیک حید نے بوکھلا کر چانے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ کیونکہ ان کے مچکے کا میں میں داخل ہوا تھا۔ وہ اچھے موز میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔
وہ دونوں انٹھ گئے۔

سرخ روشنی

فریدی نے اس کی آمد پر حیرت ظاہر کی اور پھر جلدی سے بولا۔ ”تشریف کئے جانے
”نہیں! میں باہر ہی انتظار کروں گا۔“ ایس۔ پی نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”هم چل رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے.... اور
کاؤٹر پر پیسے ادا کرنے لگا۔ اُسے بہت زور سے غصہ آیا تھا۔ لیکن یہاں تو اپنی ہی بوئیاں تو
بھی موقع نہیں تھا۔

فریدی اور ایں پی فٹ پا تھے ہی پر ملے۔ ایں لی کہہ رہا تھا۔

”یہ کیسا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے آپ لوگوں نے۔“

”ہگامہ....!“ فریدی مکرایا۔ ”ہم تو ہمیشہ ہنگاموں سے دور رہنے کی کوشش کرتے لیکن ہنگامے ہمارا پچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ کا اشارہ حمید کی کار میں پائے جانے والے طرف ہے تو یہ ایک مجبوری تھی اس بیچارے کو اپنی گاڑی میں ایک سننی خیز چیز نظر آئی اور: طلاءع دینے چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں گاڑی کسی نہ کسی کی گُرانی ہی میں چڑھتی.... بہر حال میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی اور حمید کو واپس جانا پڑا۔ اُس کے دوسرا سے واقعات پش آئے۔“

فریدی حید کی گرفتاری کے واقعات دہراتا رہا۔ محمد متحیر تھا کہ آخر کم پک فریدی

حکم بدل کیوں دی۔

جید کی کہانی بیان کر کے وہ اپنی داستان بھی دہرانے لگا۔ جس میں لڑکی کا تذکرہ ضروری تھا۔ بھی ہوں لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی پولیس ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ میں کہانی اُسی دے گئی تم حمال سے وہ نامعلوم افراد فرار ہوئے تھے۔

”تو یا اس کا تعلق نصیری کے قتل سے بھی ہو سکتا ہے۔“ ایں۔ پی نے پوچھا۔
”ہو سکتا ہے نصیری غلطی سے قتل ہو گیا ہو۔“

”یا مغلب...“
”کوئی بچہ پر چلانی گئی ہو۔ نشانہ خطا کرنے کی بناء پر نصیری زد میں آگیا ہوا اور حملہ آور نے
”ہونے پر اب میرے لئے باقاعدہ طور پر کوئی جال بچایا ہو۔“

اسنے پی اسے اعتباہ آمیز نظر دیں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”محظے علم ہے کہ ذاکر داؤد اور یہ گبری دوست تھے اور ذاکر داؤد بھی ایک اچھا مجسمہ ساز تھا۔“

”ممکن ہے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔
دھناتاں سی۔ پی کا چہرہ مسرخ ہو گیا اور اس نے فریدی کو خونخوار نظر دل سے دیکھتے ہوئے کہا۔
آپ نے مجھ پر برماقتا۔ تائے۔

میدنے فریدی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ لیکن اسے فریدی کی آنکھوں میں سکون ہی ناظر آیا۔ غصے کی بلکل سی جھلک بھی نہ دھکائی دی۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔

”وہ سکا ہے کہ میں نے پچھا نہ کچھ صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا مناسب سمجھا ہو۔“
”لیکن مطلب....!“ اسکے لئے کامیارہ خرد چڑھ گا۔

”میں ہاں! اکثر جب وہ اس کی توبت بھی آ جاتی ہے۔“
”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟“

یہ مجرے کے ایک افسوس ناک اطلاع ہو گی کہ اب میری ہوشمندی پر بھی شبہ کیا جانے ہے۔

مہت زیادہ اُن نے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا کیا انعام ہو گا۔“
”میں بالکل نہیں سمجھتا۔“

جوں.... اچھا۔“ فریدی اوہر اورہ دیکھتا ہوا بولا۔ ”ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔“
”اپنی گزیوں کی طرف واپس آئے اور حمید نے انوکھے کو پکڑ کر سڑک پر دے چکا۔

مگر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ یہ رات یونہی گذر جائے گی۔ کیونکہ فریدی خواب گاہ کی
نیجے کی بجائے لاہور یونیورسٹی میں جم گیا تھا اور اب اُس الماری کا قفل کھول رہا تھا جس میں
یونیورسٹی کے ریکارڈ رکھے جاتے تھے۔ اتنے کو نیند نشل کر جن کی آج تک حمید کو ہوا بھی
سکی تھی۔

”یاپہ بھر کی رات ہے۔“ حمید نے مختندی سانس لے کر پوچھا۔
فریدی چونکہ کراس کی طرف مرا لیکن دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اُس نے صرف اُس کی آواز
ہو۔ الفاظ پر دھیان نہ دیا ہو۔

”تم نے اس آدمی کے متعلق مجھے سب کچھ بتایا ہے؟“ اُس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ ”ذہن
باداہ زور دو۔“

”ذہن پر زور دو۔“ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”ذہن کا تقاضہ تو اس وقت یہ ہے کہ تکمیل
رو تو پتھر ہی پر دے پڑو۔ کاش میرا باب پجھی میری یعنی طرح کتوارا ہوتا۔“

”جنہوں ذہن کو میری خاطر۔ میری نہیں بلکہ اپنی خاطر ورنہ صبح کسی کو منہ دکھانے کے
ما بھی نہ رہ جاؤ۔“

”اُرے تواب کیا بتاؤں۔“

”اُس کی چال پر غور کیا تھا۔“

”او..... ہاں..... چال میں ہلکی سی لنگر اہٹ تھی۔“

”لگ.....!“ یک بیک فریدی کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک لہرائی اور اس نے اپنی پیشانی
نہ تو پوچھا۔ ”تاک کی بنادث“

”مگر یہ کی دم سے مشابہ تھی۔“ حمید پھر جلا گیا۔

”بواں نہیں۔“

”مگنے دھیان نہیں دیا۔“

فریدی نے الماری سے ایک فائل نکالا اور اس کے اوراق اتنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر

”پولیس ہسپتال میں آپ نے جس لڑکی کو داخل کیا تھا اب اس نے اپنا بیان تبدیل کر
”اوه....!“ حمید نے طویل سانس لے کر پلکن جھپکا کیں۔

لیکن فریدی نے پر سکون لجھ میں کہا۔ ”مجھے علم تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔“

”اور غالباً یہ بھی جانتے ہوں گے کہ صبح آپ کو مuttle کا پروانہ مل جائے گا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے اپنے بیان میں کس قسم کی تجدیلی کی ہو گی۔“

”آپ نے اُسے غلط بیان دیئے پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے آپ سے درخواست کی تھی
گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے ورنہ وہ خود بھی قتل کر دی جائے گی۔ کیا کہنا چاہتے ہیں
سلسلے میں۔“

”ظاہر ہے کہ اب میں کیا کہہ سکوں گا۔“

”آخر آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟“

”مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ نہیں بتاسکوں گا۔“

”بہتر ہے۔“ ایں۔ پی غریباً اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

فریدی اور حمید وہیں کھڑے رہے۔ جب ایں۔ پی کی گاڑی چل گئی تو حمید نے اپنی
ہاتھ مار کر کہا۔ ”معطلی کی نوبت آگئی۔“

”پرواہ مت کرو۔ اب تم مجھے اس آدمی کے متعلق بتاؤ جو اس پہنچے کا ذمہ دار ہے۔“

”اس کے بارے میں کیا بتاؤ۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔“

”کیا اس کی موجودی مصنوعی تھیں۔“

”شبے ہوا تھا۔“

”اوپری ہونٹ کی بنادث کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔“

”چلا تو دکھائی نہیں دیا تھا۔ آپ اوپری ہونٹ کی بات کر رہے ہیں۔“

”اتی گھنی اور لگی ہوئی موجودی تھیں؟“

”جی ہاں....!“

”تم نے کہا تھا کہ عینک کے شیئے معمول سے بڑے تھے۔ آخر کتنے بڑے ہوں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ پیشانی کے وسط تک پہنچنے تھے۔“

اٹھائے بغیر بولا۔ "اوہر آؤ۔"

حید نے اوگنے کے لئے جگھتے چوک کر کہا۔ "سوارو پے سیر۔"

"اوہر آؤ.... ورنہ کل سے ترکاریاں ہی بجھی پڑیں گی۔"

حید اٹھ کر لاڑکھرا تا ہوا نیز کی طرف آیا۔ لیکن فائل کے صفحے پر چکی ہوئی تو پڑتے ہی نیند رفوجکر ہو گئی۔ وہ آنکھیں چھاڑے تصویر کو گھور رہا تھا۔ تھوڑی دربوہ ہونٹ ملے اور ہلکی سی آواز نکلی۔ "انلو....!"

فریدی نے انگلیوں سے تصویر کی پیشانی اور ٹھوڑی ڈھانکتے ہوئے کہا۔ "اب ناک،"

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی ناک ایسی ہی تھی۔ یہ کون ہے۔"

"میجر والٹن! پچھلی جگ کے دوران اتحادیوں سے کٹ کر دشمنوں سے جالا تھا۔"

حید بے اعتباری سے ہنسا پھر بولا۔ "خدارا کہیں کسی شیخ نہ کو میجر والٹن نہ بنا دیجے

"کیا مطلب....!"

"ارے اس نے خالص لکھنؤی اردو میں مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"اور تم سے عربی۔ فارسی اور پشتو میں بھی بالکل اہل زبان ہی کی طرح گفتگو کر رکا

صاحب۔"

حید کی نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بیجی اور فریدی نے رسپریو

دسری طرف سے ٹھکے کے ایس۔ پی کی آواز آئی۔

"اس عمارت میں جہاں تمہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔ "تم"

علاوہ اور کون کون تھا۔"

"ظاہر ہے کہ آپ کو اس لڑکی کے متعلق علم ہوئی چکا ہے۔" فریدی نے جواب دیا

"وہاں کچھ ایسے آدمی بھی دیکھے گئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے ان

لے رہے تھے۔"

"یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ میرے ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔"

"تمہارے آدمی۔" ایس۔ پی غریبا۔

"جی ہاں۔ لیکن ان کا تعلق آپ کے ٹھکے سے ٹھکے سے نہیں ہے۔"

"لی یہ ہوش کی باتیں ہیں۔" ایس۔ پی کی آواز بے حد غصیل تھی۔

"اُس وقت میرا تعلق بھی آپ کے ٹھکے سے منقطع ہو چکا ہے۔"

"ٹھاکر بہت زیادہ پی گئے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں آپ کو بھی مفید مشورہ دوں گا کہ خاموشی اختیار کیجئے۔ میں اپنے آفسروں کا بے حد

زام کرتا ہوں۔ لہذا مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میرا کوئی قدم مجھے ذمین کی حدود سے باہر لے

جئے۔ بہتر ہو گا اگر آپ اس سلسلے میں وزارت داخلہ کے سیکریٹری سے گفتگو کریں۔ وہ آپ کو

میں کی کہ میں الاقوامی معاملات میں میں صرف ایک ہی ذمہ دار ہستی کو جواب دہ ہوں۔ لیکن شائد

ذمہ دار ہستی کی نشاندہی وہ بھی نہ کر سکیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"ایس۔ پی صاحب۔" حید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہی تھے۔ بیچارے نے آدمی ہیں۔" کسی نے انہیں ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ خیر

تو میں کہہ رہا تھا کہ میجر والٹن اتحادی سیکرٹری سروس سے تعلق رکھتا ہے۔"

یک بیک دہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اور حید بولا۔ "آخر لڑکی نے اپنایاں کیوں بدلت دیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میرا ہی بیان من و عن دہرا دینے کے بعد اسے اپنی ٹھلٹی کا احساس ہوا ہو۔

ایمان تبدیل کرنے کی کوئی معمول وجہ بھی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ اسے یہی سوچ ہو گی کہ

اچھوڑ کھو دے۔ کہہ دے کہ میں نے ہی اسے یہاں دینے پر مجبور کیا تھا۔"

"مگر اس طرح وہ ہمارا اعتماد حاصل کر بکے گی۔"

"ویکھو بھی! وہ بھی محض قیاس ہی تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کرنا چاہتی ہے۔" ہو سکتا ہے

کہ بیان میں صداقت ہی ہو۔ لیکن یہ بات بالکل اٹھل ہے کہ میجر والٹن ہم سے کسی قسم کا

مالٹا چاہتا ہے۔ ورنہ اس کے آدمی ہمیں اب تک ختم کر چکے ہوتے۔ اگر وہ ہمیں کوئی ایہیت

تلکو دھاتا تو یہ چھیر چھاڑ بھی بے مقصد نہیں ہو سکتی۔"

"وہ تم سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔"

"تم اس کے تعلق بکھ بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ سنگاپور میں تم بھی جاپانیوں کے خلاف

بھی ہو۔ میکرٹ سروس سے بھی تمہارا تعلق رہ چکا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ جن دنوں تم

سیکٹ سروس میں تھے تھاہر ایک اعلیٰ آفسر میجر والٹن بھی تھا۔ مشرق بعید ہی میں وہ اپنے سے علیحدہ ہوا تھا۔

”آپ تو میرے ذہن پر ہتھوڑے چلا رہے ہیں۔“

”میں بالکل ٹھیک کہ رہا ہوں۔ اگر تم نے پہلے کبھی اُس کا نام نہیں سناتا تو تمہیں اس پر بھی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تم اپنے امیدیٹ آفسر کے علاوہ اور کسی کو جان بھی کیسے سکتے۔“

جنگ میں حکماں نظام کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔“

”چلنے مان لیا۔ لیکن میں نے پوچھا تھا کہ وہ ہم سے کس قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

”فائدہ...!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر داؤد کا قتل بے مقصد نہیں ہوا۔

اُس سے قاتل کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو اُس کی زبان سے ”اُلو“ نکلا تھا۔ جس طرح لفڑا

مقصد نہیں تھا اُسی طرح مثلاً اور دائرہ بھی کچھ نہ کچھ مفہوم رکھتے ہی ہوں گے۔ اُلو کے

بجائے وہ قاتل کا نام بھی لے سکتا تھا۔ اگر قاتل پہلی ہی براچاںک سامنے آیا تھا تو پھر داؤد

فون کال بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے جس کے ذریعہ اُس نے ڈی ایس پی شی کو اپنی زندگی خا

میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ اس لئے یعنی طور پر وہ قاتل سے اچھی طرح واقعہ تھا۔ جلد

تسیم ہے کہ وہ میجر والٹن کو اُس کے اصل نام سے نہ جانتا رہا ہو لیکن کسی نہ کسی نام سے

ضروری ہے۔ اُلو کے مجھے کے حوالے پر نصیری بھی غافل نظر آیا تھا اور ٹھیک اسی وقت وہ

موت کی آغوش میں جاسویا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ”اُلو“ اُن کے لئے اجنبی نہیں تھا

ابھی نہیں تھا تو اُس کا کچھ نہ کچھ نام بھی ہوتا چاہئے۔ لیکن داؤد نام لینے کی وجہے تھبھے

تصوراتی تشكیل کا حوالہ دیتا ہے۔“

”تصوراتی“ حمید نے پلکنے بھپکائیں۔

”ہاں! اس تصویر کو غور سے دیکھو۔ کیا دیکھتے ہی بے اختیار اُلو کہنے کو دل نہیں چاہتا۔ بخ

کی مخصوص بناوٹ اور آنکھوں کے یچھے کی بڑیوں کا مخصوص ابھار۔ کیا یہ کسی اُلو کی آنکھیں

معلوم ہوتیں۔ تاک اُلو کی چونچ ہی سے مشابہ نہیں ہے۔ بہر حال داؤد نے مرتبے وقت کا

تصوراتی تشكیل ہی کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اُس وقت اس کی زندگی رد نہ

تجربات کی سطح پر بہرہ رہی تھی۔ یعنی تصوراتی تشكیل کے تجربات کی سطح پر۔ لہذا ہو سکتا ہے۔“

لندن 27
رد ارہے بھی کسی چیز کی تصوراتی تشكیل ہوں۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ چیز قتل کی وجہ سے تعلق
تھی۔ تم نے شائد مجھے بتایا تھا کہ میجر والٹن نے تم سے کہا تھا کہ وہ اُلو کو کوئی اہمیت نہیں دیتا
ہے۔ اُن میں اور دائرے کی فکر میں ہے۔“

”ہاں غالباً اُس نے یہی کہا تھا۔“

”ابن تو پھر سمجھ لو کہ وہ صرف ہماری معلومات سے فائدہ اٹھانے کے پکڑ میں ہے حالات کو
ورث سے زیادہ پہنچا کر ہماری زیادہ تر توجہ ان کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہے۔“

”بالکل سمجھ میں نہیں آرہا۔“ حمید نے بے بس سے سر ہلا کر کہا۔

”انتظار کرو۔ بہت جلد سمجھ میں آجائے گا۔ میجر والٹن دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا
ہے۔ شائد نصیری سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا۔“

”آپ نے دوپار یوں کا حوالہ دیا تھا۔“

”ہاں اس معاملے میں دوسرا اہم چیز یہی ہے۔ اگر دوپار یوں کا معاملہ نہیں تھا تو حادثہ
اہم ہو جانے والی کار کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کار میں کچھ ایسے لوگ تھے، جنہوں نے ہمارا
قہر کرنے والے کا تعاقب کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی موت کا باعث بھی وہی بنا ہو گا جس نے
تعاقب کیا تھا اور چونکہ کار کے حادثے میں ہلاک ہونے والوں میں سے ایک کی جیب سے
ذکر اکیلہ ابر آمد ہوا تھا جس پر الو مثلاً اور دائرے کا حوالہ تھا اس لئے یہی سوچا جا سکتا ہے کہ
رکن پارٹی بھی اس معاملے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتی ہے۔“

”اُلو.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ ابھی ایسی پی صاحب سے کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی۔“

”آنہوں نے اُس عمارت کی گلری شروع کر دی ہے جہاں تم لے جائے گے تھے۔ وہاں شائد
کم کچھ ایسے آدمی نظر آئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے اُن کی تصویر لے رہے

ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہاتھ نہ آسکے ہوں گے اس لئے اُن کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا تھا۔
”وہ کون تھے۔“

”بیک فرس کے فنگر پرنٹ سکشن کے کچھ ماہر ہیں۔“

”اوہ تو اُس فرس میں مختلف قسم کے ماہرین بھی موجود ہیں۔“

”مکول نہیں۔“

"میں اس پر عش عش کئے بغیر رہ رہتا۔ مگر اب بہت زور سے نیند آ رہی ہے۔" حیدر کر جائیں۔

"میں بھی ابھی آیا ہوں۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم بتاؤ کہ اندر کون ہے۔" "تمنی ملٹری آفیسر۔ میرا خیال ہے کہ تینوں کرتل ہیں۔ وہ ایک آرم کار میں آئے تھے۔ ان

"آگر اس کی انگلیوں کے نشانات مل گئے تو یہ کیس سو فیصد ہمارا ہو گا۔" فریدی نے کہا
کہ والٹے کے بعد کرتل نے ہولڈر میں سرخ بلب لگوادیا۔ سنتریوں نے ایس۔ پی صاحب تک کو
درپنہ جانے دیا۔ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

"جنم میں گیا کیس۔ آپ تو اس انداز میں کہہ رہے ہیں جیسے یہ دو لاکھ کی رقم ہے
ہو گی۔"

حیدر نے اس شدت سے دل کھول کر پاپ کا کش لیا کہ پہلے ہی جھٹکے میں کھانسیوں کا دورہ

"نقطہ نظر کا فرق ہے۔ کسی کیس کا بہتر اختام میرے لئے دہزار لاکھ کی رقم سے بھر میا
دکش اور شفی بخش ہوتا ہے۔"

"میں تو چلا۔" حیدر اٹھ گیا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ اور اس کے انداز سے یہ
ظاہر ہوا تھا کہ خود بھی اٹھنے کا رادہ رکھتا ہو۔

"دوسری صبح حیدر یوسف سے بیدار ہوا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ پچھلی رات سے
تھایا نہیں کیونکہ لاپری یہی میں تو ایسے ہی آثار نظر آئے تھے جیسے وہ رات بھر بیٹھا رہا اور
ثرے سگار کی راکھ اور متعدد مسلے ہوئے گلکروں سے بھرا ہوا نظر آیا تھا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حیدر نے بھی آفس کی راہ لی۔ لیکن بیباں کا نقشہ ہی بدلا
آیا۔ فریدی کے آفس کے دروازے کے اوپر سرخ بلب روشن تھا اور دو سلیٹ سنتری باہر پہا
رہے تھے۔ لیکن یہ فوبی تھے حیدر کے محلے سے ان کا تعلق نہیں تھا وہ چکر آگیا۔ فریدی کے
کے دروازے پر سرخ بلب ہی چکر ادینے کے لئے کم نہیں تھا۔ پھر سلیٹ فوجیوں کی موجودگی۔
اسے آفس کے اندر جانے سے روک دیا گیا اور اس نے جھلاہٹ میں کینٹین کی راہ لی۔

بیباں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس برآمدے میں داخلہ منوع تھا جس میں فریدی کا آفس
کیونکہ اسی برآمدے کے دوسرے کردوں کا عمل بھی تینیں موجود تھا۔

لیڈی انسپکٹر ریکھانے اس سے پوچھا۔ "میا تم بھی اندر نہیں جا سکتے۔"

"میں آج کل آؤٹ ڈور ڈیوٹی پر ہوں۔" حیدر نے لاپرواں سے کہا اور پاپ کا کل کرائ

تمباکو بھرتا ہوا ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ریکھا بھی وہیں جم گئی۔

"کیا قصہ ہے۔" اس نے زازدارانہ لمحے میں پوچھا۔ "میں نے آج تک آئی۔ جی صاحب

دفتر کے علاوہ اور کہیں بھی سرخ بلب نہیں دیکھا۔"

دلچسپ اطلاع

کچھ دیر تک وہ کینٹین میں ٹھہر اور پھر اس ازاوے سے اٹھ گیا کہ اگر اب بھی داخلہ ممکن نہ
تو یہاں کھیلانے کے لئے ہرگز نہ ٹھہرے گا۔

اب بھی سرخ بلب روشن تھا اور دفتر کے دروازے پر دونوں سنتری ٹیکنیکی ہوئی راٹھیں
جلے ایٹ ایز تھے۔

حیدر نے اپنی گاڑی سنبھالی اور نکل بھاگ۔ شہر آکر ایک پیک ٹیلی فون بو تھے سے فریدی کے
ڈائل کے۔ دوسری طرف فوراً ہی کال ریسیور کی گئی۔ بولنے والا خود فریدی تھا۔

"بہاں تو الال میں نظر آ رہی ہے۔" حیدر نے کہا۔ "کہنے تواب میں گلے میں گھنٹی لٹکا کر کسی
ریاریلوے لائیں پر دوڑنا شروع کر دوں۔"

"بہاں بھی رہو بھجے باخبر رکھنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"لیں بالا... میں قاسم تک جا رہا ہوں... اس کے نمبر نوٹ بچھ۔" حیدر نے قاسم کے
نامبر دہرائے اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

"بھوچ میں ڈوبا ہوا پھر گاڑی میں آمیختا ہیک یک اُسے وہ سخن لڑ کی یاد آئی جسے انہوں نے
ٹوارات پولیس ہپتال میں داخل کر لیا تھا۔ کیا وہ اب بھی وہیں ہو گئی یا بیان کی تبدیلی کے بعد
عووالات میں بھیج دیا گیا ہو گا۔ کیوں نہ اس کے متعلق بھی معلومات حاصل ہی کر لی جائیں۔
وہ پولیس ہپتال پہنچ کر سیدھا انچارج کے کمرے میں چلا گیا۔

”ہم اس کی ملازمت میں کیسے آئی تھیں۔“

”بُن سارے خراب تھے۔“ لڑکی نے مختنی سانس لی۔ ”مجھے وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ میں باشند طور پر کسی نورے آدمی کی ملازمت اختیار کر رہی ہوں۔“

”صرف واقعات بیان کرو۔“ حمید نے کلائی کی گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں بے رو زگار تھی اور اُس دن اسی غرض سے ”دفتر روزگار“ کی طرف گئی تھی کہ شاہزادی کوئی مناسب ملازمت مل جائے لیکن مایوسی ہی ہوتی۔ میں واپسی کے لئے تیار ہی تھی کہ ایک رین آڈی نے مجھے آفر دیا۔ وہ مجھ سے کسی بھی لا بھریری کی دلکشی بحال کرانا چاہتا تھا۔ معقول ہاؤ نے پر میں تیار ہو گئی اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لا بھریری اسی عمارت میں ہے جہاں میں کرتل کو لے گئی تھی۔ لیکن یہ بات قطعی غلط تھی کہ اس کا تعلق نصیری نام کے کسی آدمی سے تھا۔“

”پھر وہ عمارت کس کی تھی۔“

”خدا ہی جانے۔ وہیں ایک کمرے میں میری رہائش کا انظام بھی تھا۔ کبھی بھی کچھ لوگ وہاں بارکتے تھے جن کے ناموں سے میں واقف تھی۔ لیکن وہ کسی بس کا تذکرہ بڑی شدود میں کیا رہتے تھے اور مجھے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوتی تھی کہ میں بھی اسی بس کی ملازمت میں ہوں۔ ہر ہمارتہ میں احساس ہونے لگا کہ میں اچھے تھوڑوں میں نہیں پڑی ہوں۔ پھر دو چار بار بس کے کورٹن ہوئے اور پچھلے دن اُس نے مجھے اس کام پر اکسیلا۔ میں کسی نصیری سے بھی واقف نہیں کیا۔ میں نے کرتل سے جو کچھ بھی کہا تھا اسی نے کہلوایا تھا اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ کرتل سے اُن مذاق کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کرتل اس کے دیرینہ دستوں میں سے ہے۔“

”پلو میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن تم اتنی زیادہ خائف کیوں تھیں۔ تھیں کیسے خیال ہوا۔“

”میں نے خود اسے کہتے سن تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا تھا کہ وہ مجھے بہل بھیاد کیکھ شوٹ کر دے۔“

”اگہے... پچھلی رات میں چھپ کر اُس عمارت میں پہنچی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ انہوں نے کوئی کوہنگار کرنے کے ایک تھیلے میں ٹھوٹ دیا ہے اور انہیں کہیں لے جا رہے ہیں تو میں نے ایک چیلی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور خود بھی اسی عمارت میں جا پہنچی۔ لیکن ان

”وہ سہیں ہے کیپیٹن...!“ انچارج نے کہا۔ ”رپورٹ کے مطابق پچھلی رات آپ کے اس۔ پی صاحب نے اُسے حوالات میں منتقل کرنے کے احکامات صادر کئے تھے اور دوسرا حکم آیا کہ اُسے ابھی ہسپتال ہی میں رکھا جائے۔ وہ روم نمبر نامیں میں ہے، آپ اُس سکیں گے۔“

”شکریہ...!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”رُوم نمبر نامیں میں لڑکی تھا نہیں تھی۔ دو نمیں بھی موجود تھیں اور وہ شاہزادی پہچانتی بھی تھیں کیونکہ ایک دوسرے کو دلکش کر دے اس انداز میں مسکرائی تھیں جیسے دہا آدمان کے لئے کوئی خاص معنی رکھتی ہو۔“

”پھر وہ کمرے میں چل گئی تھیں۔ لڑکی اٹھ کر منکے کے سہارے بیٹھتی ہوئی بولی۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ حمید کر سی کھنچ کر بستر کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”اوہ....!“ یک بیک لڑکی کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں اور وہ جو اواز میں بولی۔ ”یاد آیا پچھلی رات آپ ہی کرتل فریدی کے ساتھ تھے۔“

”ٹھیک یاد آیا۔“ حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کب تک بیہاں نہ ہرنا پڑے گا۔“

”کیا تم باہر جاتا چاہتی ہو۔“

”نہیں.... ہرگز نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”تو پھر کیا ہم تمہیں ابیاں کر کھائیں گے۔“

”وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“

”کوئی نہیں جانتے۔ نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔ وہ صرف بس کہلاتا ہے۔“

”اب کہاں مل سکے گا۔“

”کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب اور کہاں ملے گا۔ حسب ضرورت وہ خود ہی اپنے لہاں کاں کرتا ہے۔“

ہمیں ہر حال میں زبردستی ہوتی ہے۔ عورت ناگن ہی کہلاتی ہے تا۔“
”وہ صرف بدھوؤں کے لئے ہی ناگن ہو سکتی ہے ہمارے لئے نہیں۔“
”میں زیادہ دیر تک گفتگو نہیں کر سکتی۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔“
جد کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
”لیکن بازو کا یہ زخم۔“ حمید نے اسے ٹوٹنے والی نظر دیں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گزی تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز گی۔ مجھے اندازہ نہیں اب تو
یہاں کافی وقت صرف ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس دوران میں فریدی نے قاسم
ہوش تو تمہیں کبھی نہیں رہا۔“ حمید مسکرا لایا۔ ”مثال کے طور پر تم نے اپنا پہلا بیان کے ذمہ پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ پولیس ہسپتال تو وہ بلا قصد آیا تھا۔
بہو شی ہی کی حالت میں دیا تھا۔ اسی لئے ہوش آنے پر بیان بدلا پڑا۔“
”یقیناً میں اسی حد تک نہ سوچتی تھی کہ مجھ سے بے تکلی حرکتیں سر زد ہوں۔“
”اب بھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے تبکی لکھوایا بھی ہو گا۔“
”پھر کیا کرتی۔“

”لیکن تم نے مجھے قاسم کے نمبر دیتے تھے۔“ فریدی کی آواز غصیلی تھی۔
”لیکن اور ہر بھی چلا آیا تھا۔“
”خواہ مخواہ وقت برپا کرتے پھر رہے ہو۔ اب فوراً گھر پہنچو۔ میں آرہا ہوں۔“
حمد خود بھی چاہتا تھا کہ فریدی سے جلد مل سکے۔ کیونکہ وہ ملٹری آفیسروں کی آمد کے
غلظت ہون میں بھلا ہو گیا تھا۔ ویسے ان کی آمد یعنی طور پر کسی کار خاص ہی کے تحت ہوئی تھی۔
دروازے پر سرخ بلب کیوں روشن کیا جاتا۔ سرخ بلب کا مطلب یہی تھا کہ اندر کوئی بہت ہی
نیزٹش قام کا کام ہو رہا ہے۔ اس لئے اس طرف کسی کو بھی نہ آنے دیا جائے۔

”لیکن کیا وہ کو فرید خشن کام اسی قسم کا تھا کہ مجھے کامیں۔ پی بھی فریدی کے آفس میں نہ داخل
وں گے۔ حید جانتا تھا کہ فریدی بعض امور میں اپنے مجھے کے اعلیٰ افسروں کو بھی جواب دے نہیں تھا۔
بلیکن لاپرواں ہی قسم کا کوئی امر تھا جس کیلئے اس کے آفس کے دروازے پر سرخ بلب لگایا گیا تھا؟
کمر پہنچ کر اس نے فریدی کو اپنا منتظر پیا۔
”کمپولیس ہسپتال کیوں گئے تھے۔“ اس نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
”یا آپ بھی سمجھانا کرتے۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔
”بیوی قوف بیانے کی کوشش نہ کرو۔ کسی قسم کا زبردست اب بھی تمہارے دہن میں موجود۔“

لوگوں کی نظر دیں سے پتی ہی رہی تھی۔ ایک کمرے میں چھپ کر میں نے اس کی مایوسی
تحمی جب تھیں سے کرٹل کی بجائے اسی کا ایک آدمی برآمد ہوا تھا۔ پھر تم نے اس پر کرنی
ماری تھی اور اس کے کسی آدمی نے میں سوچ آف کر کے اندر ہر اکر دیا تھا۔ اسی وقت اس کے
کو حکم دیا تھا کہ مجھے جہاں بھی دیکھے گوئی مار دے۔“

”لیکن بازو کا یہ زخم۔“ حمید نے اسے ٹوٹنے والی نظر دیں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گزی تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز گی۔ مجھے اندازہ نہیں اب تو
نہیں تھا۔“
”ہوش تو تمہیں کبھی نہیں رہا۔“ حمید مسکرا لایا۔ ”مثال کے طور پر تم نے اپنا پہلا بیان کے ذمہ پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ پولیس ہسپتال تو وہ بلا قصد آیا تھا۔
بہو شی ہی کی حالت میں دیا تھا۔ اسی لئے ہوش آنے پر بیان بدلا پڑا۔“
”یقیناً میں اسی حد تک نہ سوچتی تھی کہ مجھ سے بے تکلی حرکتیں سر زد ہوں۔“
”اب بھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے تبکی لکھوایا بھی ہو گا۔“
”پھر کیا کرتی۔“

”تو تم اس وقت حقیقتاً یہوش نہیں تھیں جب ہم تمہارے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔“
”میں یہوش نہیں تھی لیکن اتنی خوفزدہ تھی کہ آنکھیں کھولنے کی بہت نہیں پڑی تھی۔
”لیکن تم نے بیان تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ جب کہ کرٹل غلط بیان
چکے تھے۔ ظاہر ہے اس سے اُن کی مشاہی تھی کہ تم تیل کی چہار دیواری سے دور رہو۔“
”میں مرنا نہیں پا رہتی۔“
”میا تھا کہ نہیں سنا تھا کہ انہوں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔“
”ضروری نہیں کہ وہ میری حفاظت بھی کر سکتے۔“
”تو تم جیل جانے کے لئے تیار ہو۔“

”اسی لئے میں نے بیان تبدیل کیا ہے۔“
”سات سال سے کم کے لئے نہیں جاؤ گی۔“
”اب جو کچھ بھی ہو۔“
”بیوی قوف بیانے کی کوشش نہ کرو۔ کسی قسم کا زبردست اب بھی تمہارے دہن میں موجود۔“

”قطیع نہیں۔ اگر مجھے اپنے آفسر سے اس کے متعلق کوئی بدایتہ ملی ہوتی۔“

”وہ دن بھی دور نہیں جب میراپنا الگ آفس ہو گا اور اُس کے دروازے پر آپ کر لال جھنڈی لکھی ہو گی۔“

”اوہ....!“ فریدی نے سگار کیس نکال کر اُس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ ”مجھے انفور کے ایس۔ پی صاحب کو خفت اٹھانی پڑی۔ میں نے انہیں پچھلی رات ہی آگاہ کر دیا تھا۔“

”کیا یہ سرخ بلب اسی لئے لگایا گیا تھا۔“

”ہاں! معاملات الجھ رہے ہیں۔ اُس عمارت سے کچھ ایسے نشانات ملے ہیں جو مجرم والی انگلیوں کے نشانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔“

”تب پھر معاملات سلیج رہے ہیں یا الجھ رہے ہیں۔“

”الجھ رہے ہیں۔“ فریدی نے سگار سلاک کر کہا۔ ”آج صبح میں نے مجرم والث ن کے سلسلے میں اسی سکرٹ سروس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ لہذا تم آفسر اس کا نام سنتے ہی یہاں دوڑے آئے۔

”کیوں؟ کیا انہیں بھی یہاں اُس کی موجودگی کا علم ہے۔“

”ہاں! لیکن وہ اُس کے متعلق شہبے میں مبتلا تھے۔ ان کا خال تھا کہ انہیں دھوکا ہوا ہے۔“

”آخر کس بناء پر۔“

”ایک جگہ سے انہیں کچھ نشانات ملے تھے، جو اُس کی انگلیوں کے نشانات سے مطابقت تھے۔ ابھی وہ ماہرین کے مشاہدے میں ہی تھے کہ میرا پیغام پہنچا۔“

”کیا یہ مجھے نہیں بتایا جائے گا کہ نشانات کہاں ملے تھے۔“

”خود مجھے ہی نہیں بتایا گیا میں تمہیں کیا بتاؤں۔“

”لیکن وہ آئے کیوں تھے۔“

”آن میں سے ایک فنگر پر نش کامہر تھا اور مجھ سے اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا تھا ملما۔ اسے مطمئن کر دیا کہ وہ مجرم والث ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔“

”اوہ تو کیا اب وہ اُس لڑکی سے بھی سوالات کریں گے۔“

”لیقین طور پر اداۓ اسے لے جائیں گے۔ ہر ایک کا طریقہ کار الگ ہوتا ہے۔ میں نے ٹالا۔“

”والث کا حربہ خود اسی پر آزماتا لیکن لڑکی نے بیان تبدیل کر کے کھیل بگاڑ دیا۔“

”واللہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں اُس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ اب یاد آ رہا ہے۔“ ”جید نے کہا۔“ ”دوران جنگ کی بہتری باقی میرے ذہن سے محظی ہو چکی ہیں خواہ وہ کتنی ہی ہم کوئی نہ رہی ہوں۔ حماج جنگ ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔“

”مجھے علم ہے کہ وہ انتہائی بے رحم اور سفاک آدمی ہے۔“ ”فریدی مسکرا یا۔“ ”زندگی اور موت نوں ہی کو سکھلوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔“

”لیکن پچھلی رات وہ کیا چاہتا تھا۔“

”صرف سننی پھیلانا چاہتا تھا اور کچھ نہیں۔ اُسے لکھ لو کہ وہ میری معلومات سے فائدہ اٹھانا ہتا ہے۔ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ میں تیزی سے کام شروع کر دوں۔ کاش مجھے معلوم ہو سکا ہے کہ ملٹری سیکرٹ سروس والوں نے اُس کی انگلیوں کے نشانات کہاں پائے تھے یقیناً وہ کوئی نہیں اہم جگہ ہو گی۔“

”تو پھر اب یہ کیس گیا آپ کے ہاتھ سے۔“

”اب ہی تو میرے ہاتھوں میں باقاعدہ طور پر آیا ہے۔“

”پھر انہوں نے آپ کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ والث کی انگلیوں کے نشانات کہاں ملے تھے۔“

”میں ڈاکٹر داؤڈ والے کیس کی بات کر رہا ہوں۔ چونکہ خیال ہے کہ اُس کے قتل کا ذمہ دار نہیں ہو۔ اس لئے اس کی تفتیش صرف میں ہی کروں گا۔“

”وہ فتحانوں کی گھنٹی بجی اور فریدی نے رسیور اٹھایا۔“ ”ہیلو۔“

”کون ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”فریدی۔“

”مبارک باد قبول کرو کر قتل۔“

”کس سلسلے میں؟ تم کون ہو۔“

”مجرم والث۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں یہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر داؤڈ والا کیس

اعورہ طور پر تمہیں سونپ دیا جائے۔“

”خوب یہ۔“ فریدی نے خنک لبجھ میں کہا اور فون سے لگے ہوئے ایک آئے کا بن دباتا ہوا

لے۔ ”لیکن میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم ایسا کیوں چاہتے تھے۔“

"وجہ بھی تمہیں معلوم ہے۔" دوسری طرف سے بلکے سے قبیلے کے ساتھ کہا گیا
لیکن سنو! میرا نام بھی فریدی ہے۔"

"تھی دیکھنا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ مقطوع ہو گیا۔

فریدی رسیور رکھ کر دروازے کی طرف چھپتا۔ لیکن حمید کو اس پر نہ توجہ رکھتے ہوئے
اس کی تقییدی کی۔ جہاں تھا اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی نی تھہ خانے میں
نجی آٹو میک ایکس چینج پر وہ نمبر معلوم کرنے گیا تھا جس سے کسی نے اُسے مخاطب کیا تھا
سے لگے ہوئے آئے کا بن دبانے کا مقصد یہی تھا کہ تھہ خانے کا ایکس چینج دوسری طرف
نمبر ظاہر کر دے۔"

پچھے دیر بعد واپس آگیا۔ لیکن حمید نے اس کے پیہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"فون کا تعلق سرکاری ایکس چینج سے نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے جھلانے ہوئے
میں کہا۔

"تھا کون....؟"

"میرا والٹن۔"

"نہیں....!" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں اس نے مجھے مبارک باد دی تھی۔" فریدی مسکرا یا۔ "اس خوشی میں کہ ڈاکڑا
کیس باضابطہ طور پر مجھے مل گیا ہے۔"

"کمال ہے! کس دل گردے کا آدمی ہے۔"

"وہ ایسا ہی ہے اور سبھی اس کا مخصوص حربہ ہے جس سے وہ دوسروں کو زدوس کر دیتا ہے۔

"تو پھر اسے اس کا بھی علم ہو گا کہ سیکرٹ سروس والے آپ کے پاس کیوں آئے تھے۔"

"اگر نہیں ہے تو پھر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیس باضابطہ طور پر میرے پاس آگیا؟

"تب تو لو ہے لگ جائیں گے جناب۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گھری سوچ میں تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

یک بیک فون کی گھنٹی پھر بھی اور فریدی نے حمید کو کال رسیور کرنے کا اشارہ کیا۔ حمید

بھی سنارہا پھر ماڈ تھے پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جو کوئی بھی ہے صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا

ہے۔" فریدی نے ہاتھ ہٹھا کر رسیور لے لیا۔
"پیلو... فریدی اسیکنگ...!"

"خوبی دیر مک کچھ سنارہا پھر بیاختہ نہیں پڑا۔" دیے حمید نے اس کی آنکھوں میں تحریر
بلکہ ہی لہر دیکھی۔

مگر بھی! میں اس سلطے میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہو تو یہ نبی تفریح چلا آؤں۔ میں تو سمجھتا
ہو پاگل ہے اور کسی نے اس سے یہ دلچسپ مذاق کیا ہے.... اچھا... اچھا...!"

اس نے سلسلہ مقطوع کر کے حمید کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں مسکرا ہیں رقص کر رہی تھیں۔
کہو تو یہ کیس تھیں دلوادیا جائے۔" اس نے کہا۔
کوں ساکس....!"

پروفیسر غوری نے شتر مرغ کی بجائے آدمی کا پچہ دیا ہے۔" فریدی نے نہ کر کہا۔
میں نہیں سمجھا۔"

پروفیسر غوری کا نام سنائے کبھی۔"

ہاں سناؤ تھے شائد۔" حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جو کہتا ہے کہ جراثیم کی
سے حیوانات بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔"

ہاں وہی! اُس نے اس بار اعلان کیا تھا کہ وہ عقریب ایک معنوی اٹھے تے شتر مرغ کا
لرے گا۔ آج اٹھے نکلت ہونے کا دن تھا۔ اس نے اپنے بھتیرے دوست حکام کو تجربہ گاہ
ویا تھا۔ لیکن اٹھے سینے والی مشین سے آدمی کا پچہ نکل پڑا اور وہ بھی اس دل گردے کا کہ
تھا اپنے خاتق کی کھوپڑی پر ایک چپت رسید کر دی۔ فون پر کو تو ایک اضافی تھا اور یہ اس
لودکھا حال تھا۔

”تشریف لایے جناب۔“ وہ چالاک کھل جانے پر ایک طرف نہیں ہوئی بولی۔
”اے... میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں بہت بھیڑ ہو گی۔“ حمید نے پائیں باغ میں داخل ہو کر
لطف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اہ ہمیں! اب نہیں ہے۔ آئے تشریف لایے۔ کیا یہ باغ آپ کو پسند آیا۔ ہم نے یہاں
مکی پیشی ڈالوائی ہیں۔ ان پر بیٹھئے تو بس ایسا ہی لگتا ہے جیسے سبزے پر بیٹھے ہوں۔“

”بینا... بینا...“ حمید سر ہلا کر بولا۔
”آئے تو پھر بیٹھیں۔“ اُس نے کچھ دور چل کر لان پر پڑی ہوئی ایک نیچے کی طرف اشارہ

”یہاں... جی ہاں... مگر...!“

”مگر... اور لیکن یہیش الجھن ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے ایسے فضول الفاظ
پڑی نہیں ہے۔ بیٹھئے۔“

حیدر بولا کھلائے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے پھر حال اسے منتظر کیا تھا۔ اُس نے ایک بار
روں طرف نظر دوڑائی بڑا پر سکون ماحول تھا۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لیکن اس کے
اطراف میں باغ کا پھیلاو اُسے پر ٹکوہ بنائے ہوئے تھا۔ غالباً اسی عمارت کے کسی گوشے
و فسروں کی رہائش بھی تھی کیونکہ ایک جگہ ایک منظر سی چمنی سے دھواں نکل رہا تھا اور یہ چمنی
اسے متعلق معلوم ہوتی تھی۔

”مجھے پروفیسر سے ملتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”مجھ سے ملتے۔ پروفیسر میں کیا رکھا ہے۔“ لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا
”میں نہیں سمجھا۔ آپ کون ہیں؟“

”مکاں میں آپ سے بھی کر سکتی ہوں۔“

”میں ملکہ سراجِ رسانی کا ایک آفسر ہوں۔“ حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف
تھوڑے کہا۔

”لکھ چکا ہے جیسے اسے دیکھتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولی۔“ میں تو آپ:

نخا قتنہ

پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ شہر سے پدرہ میل دور جھریاں کے علاقے میں واقع ہے
صرف یہی ایک تجربہ گاہ تھی۔ میں میل کے رقبے میں متعدد تجربہ گاہوں کی خواہ
عمار تین کھڑی تھیں۔ ایک آدھ کی حشیت فوجی اور سرکاری بھی تھی جہاں فوجی نو
تجربات ہوتے تھے۔ اس حصے میں داخلہ منوع تھا۔

تقریباً پچھے بے کمین حمید کی کارڈ اکٹر غوری کی تجربہ گاہ کے سامنے رکی۔ وہ تھا آیا
چالاک بند نظر آیا۔ دوسری طرف ایک خونخوار قسم کا چوکیدار موجود تھا۔ وہ تھا
”جاوہا بابا... صاحب النازرا ہے... نہیں میں گا۔“
”پوپیں...!“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”جاوہا... تم اخبار والا ہے۔ ہم سمجھتا۔ صاحب بولا اخبار والوں کو گوئی مارو۔“
حمد نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا لیا لیکن چوکیدار نے دوسری طرف ریک
لار پر واپسی سے کہا۔ ”نہیں چلیں گا۔“

”اے بد تمیز...!“ اچاک ٹپکا ٹپکا کے گوشے سے ایک بڑی سریلی آواز آئی۔ کہ
کھوتا چالاک۔ بڑے آدمیوں کو پہچانا سکے۔“

”اخبار والا... بی بی جی۔“ چوکیدار بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
اتنے میں بولنے والی بھی حمید کو نظر آگئی۔ نظر کیا آتی نظروں میں ساکر سید ہی دل
چلی گئی۔ عمر اخبارہ یا انسیں سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ وہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔ اُو
رنگت کے گھوگھریاں بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ خدو خال کا اندازہ تو اس وقت
تفصیلی جائزے کے لئے ایک بار بھی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر سکی ہوتی۔

”چالاک کے قریب آگئی تھی۔“ حمید نے پلکیں جھپکائیں پچھے کہنے کے لئے ہوٹ
لیکن پھر خاموش ہی رہا۔

”چالاک کھلو لو...!“ لڑکی نے تھکمانہ لجھے میں کہا۔
”آپ جانوبی بی جی۔“ چوکیدار چالاک کھوتا ہوا بڑا بڑا۔ ”صاحب بولا خار کھانا ہا۔“

کو کوئی شریف آدی سمجھی تھی۔ مگر خیر... مٹھریے۔“
اس نے اپنا پرس کھول کر ایک کاپی نکالی اور اس کے اوراق اٹ کر ایک صفحہ
لکھتی ہوئی بولی۔ ”میں آپ کو اس کا موقع ضرور دوں گی کہ آپ خود کو ایک شریف
کر سکیں۔“

یہ کسی قسم کی رسید بک تھی۔ نام لکھ کر رقم کے خانے میں اس نے بلج پچاس
اور برق پھڑک حمید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ”شرافت کا شو بت دیجئے۔“
حمدی نے بھنویں سکوڑیں اور آہستہ سے بولا۔ ”اوہ.... ابھن ترقی خواتین کا چندہ
”جی ہاں۔ مردوں کی بھلانی اسی میں ہے کہ خواتین ترقی کریں۔“ لڑکی تو سے بول
”آپ نے میری توبین کی ہے پچاس کی رقم لکھ کر۔“ حمید نے بر اسمانہ بنایا۔
”پھر فرمائیے۔“

”کم از کم ایک سو پچاس۔“ حمید نے کہا۔ اس وقت وہ بالکل گاؤڈی نظر آنے لگا تھا
”اوہ.... آپ تو شریف الشرفاء ثابت ہو رہے ہیں لایے۔“
لڑکی نے رسید پر پچاس کے ایک سو پچاس بنائے۔ حمید نے پر س سے نوٹ ڈیے اور بولا۔ ”اب پروفیسر سے ملا دیجئے۔“
”آپ بور ہو کر مر جائیں گے اگر انہوں نے بانیل کے اٹھے سے بھینس کا پچہ
کر دیا۔“

”اُن سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“

”بابک کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ اوہو....!“ وہ یہ بیک کھڑی ہو گئی۔ ”اوہ
سر پرست صاحب بھی آگئے۔“ اور پھر زور سے جھنی۔ ”چو کیدار بھائیں کھول دو۔“
لیکن سر پرست پر نظر پڑتے ہی حمید کی کھوپڑی ہوا سے باٹیں کرنے لگی۔ وہ کبھی
کی جانب دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ سر پرست کس نم
سر پرست کار سے اتر کر کمپاؤٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی جہا
رک گیا۔ بھاڑ سامنہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ یہ قاسم تھا۔

”آئیے.... آئیے جناب۔“ لڑکی نے آگے بڑھ کر پر اشتیاق لجھ میں کہا۔ حمید

ہنگامہ اطمینان سے پاپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے قاسم اُس کے لئے اجنبی ہی ہو۔
لڑکی اُسے بھی ساتھ لے کر اسی بیچ کی طرف پلٹ آئی۔

”اُن سے ملنے۔“ اُس نے کہا۔

”مل چکا ہوں۔“ قاسم کی آواز غصیل تھی۔

”تو پھر شائد آپ دونوں کے تعلقات بہتر نہیں۔“

”کھدا جانے۔“ اس بار قاسم مردہ سی آواز میں بولا تھا۔

”بجھے پروفیسر سے ملتا ہے محترم۔“ حمید نے کہا۔

”آپ ابھن کے محن ہیں اس لئے میں نہیں چاہتی کہ آپ مر جانے کی حد تک بور ہو جائیں۔“

”ابھن کے محن۔“ قاسم نے جبرت سے پلکیں جھپکائیں۔

”جی ہاں! انہوں نے ایک سو پچاس روپے عنایت فرمائے ہیں۔“

”وابیں....!“ قاسم تھوک نگل کر بولا۔ ”وابیں قدیمیجن۔“

”قویں؟“ لڑکی نے اسی کے سے انداز میں پوچھا۔

”ابھن سالی کا کبڑا ہو جائے گا۔“

”کیا مجھے بغیر اجازت ہی عمارت میں گھٹا پڑے گا۔“ حمید نے سخت لمحہ میں کہا۔

لڑکی جواب میں کچھ کہنے ہی دالی تھی کہ عمارت کے اندر سے پے درپے چیزوں کی آوازیں

مل اور ایک آدمی دوزتا ہوا بابر نکلا۔ پھر برآمدے کے زینوں پر گر کر لڑکتا ہوا یونچ آگرا۔

”ڈیڈی۔“ لڑکی پچھنی ہوئی اس کی طرف جھیل۔

”وکیم شیخ آدمی منہ کے بل گرا تھا۔ جامات میں قاسم جیسے دیو پیکر سے کچھ ہی کم رہا ہو گا۔

اٹھے دوبارہ اٹھئے میں شائد اُسے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ یک بیک وہ سر انھا کر بہارا۔ ”وہ
رموجو دو ہے۔“

”کون... ڈیڈی.... کون۔“ لڑکی جک کر اُسے انھا نے کی کوشش کرتی ہوئی یوں۔

”وہی... وہی لڑکا....!“ اُس کا ڈیڈی نبی طرح ہانپ رہا تھا۔ قاسم اور حمید بمشکل اُسے

من سے انھا نے میں کامیاب ہو سکے۔

”کوہ ڈیڈی.... وہم ہے آپ کا.... اُسے بھول جائیے۔ خدا نے چاہا تو ابکی آپ شتر مرغ

بلد نمبر 27

”ملئے امیں چلتا ہوں۔“
 ”م... میں۔“ پروفیسر غوری خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ ”میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔“
 ”ملئے میں چلتا ہوں۔“ لڑکی آگے بڑھتی ہوتی بوی۔
 ”درے نہیں... تم نہیں... سارہ... میری بات سنو۔“
 لیکن بوکی حید کا ہاتھ پکڑے زینوں پر چڑھتی چلی گئی۔
 ”میں بھی غاؤں...!“ قاسم نے بھراں ہوئی آواز میں پوچھا۔
 لیکن بوکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

”پروفیسر بہت زیادہ خائن ہیں۔“ حید نے پوچھا۔

”خدا جانے! میں نے دیکھا نہیں! صرف سنائے۔ لیکن انہیں جھونٹا بھی نہیں سمجھ سکتی۔“
 ”خواب گاہ کدھر ہے۔“

”وہ عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔ لڑکی نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا جس کے روانے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ سامنے ہی صہری پر کوئی چادر اوڑھے پڑا تھا۔ لڑکی روانے ہی پر ٹھنک گئی اور مژہ کر حید کی طرف دیکھا۔

حید نے آگے بڑھ کر چادر اٹھائی اور پھر چھوڑ دی جو سونے والے کے سینے پر گری۔ چہرہ اش کی طرح سفید تھا اور وہ حقیقت لاش ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی بچے کی لاش۔

”یہ تو مرچکا ہے۔“ حید نے تحریر انہ لجھے میں کہا۔

”مرگیا... اوہ... میرے خدا... کتنا سفید ہے۔“

”دقائق لاش کے ہونٹ ہیں اور ریلوے انجن کی سیٹی کی سی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ حید جوں کر پچھے بہت آیا لیکن اس کے باوجود بھی اس برہنہ بنجے کی لات اس کے سینے ہی پر پڑی۔ حید لاکڑا کر دیوار سے جا گکرایا۔ میں ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے بیکلی سی چمک گئی ہو! پھر لڑکی بھی لیکن کس ساتھ نہ بتا سکی کہ وہ چھلانگ لگا کر روشنیاں سے نکل گیا تھا یاد روانے سے گزار تھا۔

”تمہری جھلائیت میں رویا اور نکال کر دروازے کی طرف چھٹا۔ لڑکی اس کے پچھے دوڑ رہی تھی۔“ میرا نہیں نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن اس کی پر چھائیں تک نہ دکھائی دی۔

”کوئی دیر بعد حید نے قاسم کی آواز سنی جو دہڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔“ ابے میں سب سمجھتا ہوں۔

کے انٹاے سے بکری کاچھ نکال سکیں گے۔“ لڑکی نے اس کے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا ”کیا کہا... وہم ہے۔“ وہ ہماپنا ہوا بولا۔ ”ارے نصف درجن آدمیوں نے اسے دیکھ میں ابھی ابھی دوبارہ دیکھ کر آرہا ہوں۔“

”افوس میں کیوں نہ دیکھ سکی۔“

”تم اس وقت تھیں کہاں۔“

”کیا قصہ ہے جناب۔“ حید نے پوچھا۔

اب پروفیسر غوری نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔ ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے پہلی بار اس کی دھیان دیا ہو۔

”تم کون ہو... پر لیں روپورٹ۔“ اس نے غصیلے لجھے میں پوچھا۔

”جی نہیں! میرا تعلق محکمہ سراج رسانی سے ہے۔“

”قپچان حید...!“ قاسم نے جلد کئے لجھے میں کہا۔

”اوہ... اچھا اچھا۔“ پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ ”مگر آپ کیا کر سکیں گے۔ وہ تو چا

بھوٹ ہے اپتہ نہیں کیا ہوا شتر مرغ کی بجائے۔“

”آپ بھی تو ایک دم سے شتر مرغ لے دوڑتے تھے ذیڈی۔“ لڑکی نے اسے جلد کرنے دیا۔ ”پہلے مرغی کے چوزے نکالے ہوتے۔“

”ہاں! بس غلطی ہو گئی۔“

”کتنا... بڑا بچہ تھا۔“ حید نے تحریر انداز میں پوچھا۔

”اُف فوہ...!“ پروفیسر پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”سبھی میں نہیں آتا کیا بتاؤں اوہ آخر سال کے بنچے کے برابر ہو گا۔ جیسے ہی میں نے جھک کر مشین کاڑھکن اٹھایا دیکھ کی طرف پھر میری پیٹھ پر سوار ہو کر سر پر ہاتھ مارا۔ پیٹھ سے اچھل کر میز پر پہنچا اور وہاں سے جو نگائی تو روشنیاں سے باہر تھا۔ چھ آدمیوں نے دیکھا ہے۔ چھ آدمیوں نے... وہ سب“

اعلیٰ عہد یار ہیں۔ میرے لئے جھوٹ نہیں بولیں گے اُن سے ضرور پوچھئے۔“

”تو وہ پھر نظر آیا ہے۔“

”ہاں! میری خواب گاہ میں۔ میں بدقت تمام بھاگ سکتا تھا۔“

میں بارہ مرے چوچا جان کی بھی بد نصیبی ہو گئی تھی۔ ایک ساتھ پانچ بچے۔ چھی جان بالکل نہ تھیں۔

میں بکواس کر رہے ہو۔ ”جید نے اسے داشٹ۔

”مے... تو مچوپ راؤ۔“ قاسم بھی غریا۔ ”قیامیں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔“

”اپ نہیں سمجھے۔“ پروفیسر رو میں کہتا گیا۔ ”میں دراصل شتر مرغ کا بچہ نکالنا چاہتا تھا دی اٹھے۔“

”تو پھر قابے کی پریشانی ہے۔ شتر مرغ کا بچہ اٹھے گا نہیں تو کیا پیدل چلے گا۔“ قاسم نے بچہ میں کہا۔

”اوہ... میری بات سمجھنے کی کوشش سمجھے۔“ پروفیسر جھنجلا کر بولا۔ ”شتر مرغ کی بجائے آدمی کل آیا۔“

”اڑے باپ رے۔“ قاسم بوكھلا کر اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

جید نے کچھ دیر بعد وہیں سے فریدی کوفون کیا اور اسے حالات سے آکاہ کیا اور پوچھا کر رات بس کر سکتا ہے یا نہیں۔

اجانت مل گئی۔ سارہ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ وہ بجے تک قاسم بھی وہیں رہا۔ سارہ اسے بتایا کہ قاسم اتفاقاً ان کی انجمن کا سرپرست بن گیا تھا۔

”ہم لوگ اکثر بڑے ہو ٹلوں میں انجمن کے لئے چندہ اٹھا کرتے ہیں۔ بس یونہی لوگوں کی نل پار چلے گئے اور وصول کر لیا۔“ سارہ نے کہا۔ ”ایک دن آر لکھوں میں مشر قاسم سے ملاقات لداں ہوں نے تین ہزار کا چیک دیا۔ اس سے پہلے کبھی یکمشت اتنی بڑی رقم نہیں ملی تھی۔ ان رات سے گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ بالکل ہی کودن ہیں۔ دوسرا لڑکوں کی رائے ہوئی کہ لا سفل طور پر انجمن کا سرپرست بنالیا جائے۔ اب ہم انہیں لیڈر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ ”ہٹھنے گی اور جید ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ خیر اسے جانے دیجئے۔ اب آپ مجھے پروفیسر اور ان امورات کے متعلق کچھ بتائیے۔“

”کیلئی کریک ہیں۔“ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”بس اپنے کچھ سائنسدان دوستوں نوٹس یہ سب کچھ کاٹھ کبڑا پھیلایا ہے۔ مفت میں پیسے بر باد کر رہے ہیں۔ اوت پنگ کتابیں

اتی دیر گاہی۔ سالے مجھے کہیں بھی چین نہ لیتے دیں۔“

”ایک راہداری میں اُس سے ٹھبیڑ ہوئی گئی اور وہ آنکھیں نکال کر بولا۔“ یہ کام ڈھونڈا جا رہا ہے... چھوٹی کا... تیوں؟“

”مت بکواس کرو۔“ ”جید کا مودہ بہت خراب ہو گیا تھا۔

”اچھا ہی... یہ بات ہے۔“

جید اُسے دھکا دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ قاسم کی کھنکھنے کے کی طرح غریباً تھا۔ لیکن اس کی پیٹھ تھکتی ہوئی بوی تھی۔ ”خفا ہونے کی بات نہیں ہے جتنا! ہم لوگ بہت پریشان ہیں ہائے الا! پہلی ہی نیلاکات میں ہم لوگ بھی ہو گئے۔“

”مشر قاسم بورنہ کجھے! آئیے باہر چلیں۔“

وہ پھر لان پر نکل آئے۔ اندھرا پھیل چکا تھا۔ پروفیسر دونوں ہاتھوں سے سرخانے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

”ڈیڈی... اٹھے۔“ لڑکی نے اس کا شانہ ہلا کر کہا۔

”نہیں اٹھا جاتا۔“ پروفیسر اپنی شفاف کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بھراں ہوئی آواز: ”درد سے سر پھٹا جا رہا ہے۔ کم بخت پھر ایک ہاتھ مار گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ام کو بندوق دیو سا بام گولی مارے گا۔“ چوکیدار نے کہا جو قریب ہی کھڑا تھا۔

”تو کیا وہ بھی اور ہر سے گذر رہا؟“ جید نے پوچھا۔

”گزر نہیں تھا بلکہ اڑا تھا۔“ پروفیسر نے کراہ کر کہا۔ ”سر پر سے اڑتا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا ام نہیں دیکھا سا ب۔ اڑتا پڑا تھا؟“ چوکیدار نے خوفزدہ بچہ میں پوچھا۔

”یہ رات کیسے گذرے گی سارہ۔“ پروفیسر پھر کراہ۔

”آپ فکر نہ کیجئے۔ میں تینیں شہروں گا۔“ جید نے کہا۔

”قیا کصہ ہے۔ قیابات ہے۔ قیاساچ۔ قس کاچ۔“ قاسم نے آکتائے ہوئے بچہ میں ”میری بد نصیبی کا بچہ مشر۔“ پروفیسر نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”مگر سمجھ میں نہیں اتنا برا بچ کیسے نکل آیا۔“

”اڑے.... بد نصیبی میں بہت بڑے بڑے بچے نکل آتے ہیں۔“ قاسم ٹھنڈی اڑے

پڑھ کر اٹھ سیدھے تجربات کیا کرتے ہیں۔ بھلا سوچنے تو کہی! مصنوعی انٹے سے شرپ نکالنا۔”
”مگر کچھ نہ کچھ تو نکلا ہی ہے۔“

”میری بھجہ میں نہیں آتا۔“

”آپ تو دیکھ چکی ہیں اُس پچے کو۔“

”اس کے باوجود بھی میری بھجہ میں نہیں آتا! بھی پچھلے ہی دونوں عربی زبان میں ایک نہ خواہ رہے تھے اُس میں کہیں دوچار اوٹ پنگ باتیں نظر آگئیں۔ بس شروع کر دیئے جے مثلاً دی اور گوبر لٹا کر مٹی کی ہانڈی میں رکھ دیا اور فرمانے لگے کہ دس دن بعد اس میں پھو جائیں گے۔ یا باغ میں جگہ جگہ کے سینگ و فن کر دیئے اور کہتے لگے کہ یہاں سرکٹ پودے اگیں گے۔ اب صبح شام اپنے ہاتھوں سے پانی دے رہے ہیں۔“

”لیکن آج تک کوئی تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔“

”میری دانست میں تو کبھی نہیں ہوا۔“

”مگر یہ آدمی کا پچھر۔“

”مجھے خوف ہے کہ ڈیڑی کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔“

”اس خیال کی وجہ۔“

”وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسرے کمرے سے پروفیسر کی چیخ سنائی دی۔ حیدر یو اور کر چپٹا۔“

”پروفیسر فرش پر اونڈھا پڑا تھا اور اُس کی ایک ناگ میں رسی کا پھندا تھا جس کا دو روشن دن سے کھینچا جا رہا تھا۔ لیکن کھینچنے والا شائد اتنا طاقتور نہیں تھا کہ پروفیسر کو اُس کی جگہ جبھی دے سکتا۔“

سرکلر ٹرنیگل

”تل صرف اس غم میں ڈلی ہو رہی ہوں کہ ہر سال ہزاروں ٹن اٹاچ چوہے کھا جاتے ہیں۔“

”ذیلی شتر مرغ پیدا کرنے کی بجائے چوہوں کی پیدائش روکنے کا کوئی موثر طریقہ ایجاد کرتے ہیں۔“

”جید نے رسی کو پکڑ کر جھکا دیا اور خود عقب والی دیوار سے جاگلکرایا۔ وہ سمجھا تھا کہ اُ

”زندگی اچیز کر دی اس ایمیں کے پچے نے۔“ پروفیسر ہاتھا ہوا اٹھ رہا تھا۔
”میں اس بار بھی وہی تھا۔“ حیدر نے پوچھا۔
”پھر کون ہو گا۔“ پروفیسر بُرا سامنہ بننا کر بولا۔
”آپ نے دیکھا نہیں تھا۔“

”میا فرق پڑتا ہے دیکھنے نہ دیکھنے سے! اُس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

”معاف کچھ گا پروفیسر۔“ حیدر نے خنک لجھ میں کہا۔ ”اگر شتر مرغ کے انٹے سے کوئی دبھی لکل پڑے تو رسی کے استعمال سے اتنی جلدی واقف نہیں ہو سکتا! لکنے گھنے گذرنے کے اُس کی پیدائش کو۔“

”وہ کوئی آسیب ہے! کوئی بُری روح ہے۔“

”اب تو پھر اب اس تجربہ گاہ کو کسی خانقاہ میں تبدیل کر دیجئے۔ قوالی کرائیے! اللہ ہر گا۔“

”میرا مذاق مت الاوڑڑ کے۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”حیدر نے سارہ کی طرف دیکھا، جو خود بھی بہت بُرا سامنہ بنائے کھڑی تھی۔“

”یہ کیا بوریت پھیلائی ہے ڈیڑی آپ نے! میں کل صبح ہی یہاں کا سارا سامان نیلام دیں گی۔“

”گولی مار دو ناجھے! میں تو پر لے سرے کا گلدا ہوں۔“ پروفیسر چھپھلا گیا۔

”مجھے حیرت ہے کہ آپ کو اس کے متعلق ذرہ برابر بھی تشویش نہیں ہے۔“ حیدر نے دوسرے کھلے

”گھیا باتیں مت کیا کرو۔“ پروفیسر غریب۔

”یکپہنچ! ہائے آج تو دی بڑے کھانے کا موڑ تھا۔ وہی میں اچھی طرح ڈوبے ہوئے سرخ مرچیں پودیں اور پیاز کے قٹلے... اور اوپر سے لیموں کا رس۔“ سارہ نے کھاواز پر ڈرف دیکھنے لگی جو کسی ندیدے بنے کی طرح منہ چلا رہا تھا۔

”منہ میں پانی آ رہا ہے ذیلی۔“ وہ فس پڑی اور پھر سنجیگی سے بولی۔ ”کتنی گھیا بات بڑا سائنسٹ اور... ہااا... ہااا... ہااا...!“ وہ پھر ہنسنے لگی۔

”بہت بکاس کرنے لگی ہو۔“ پروفیسر نے جھپٹنے ہوئے ہوئے سے غصیلے انداز میں کرے سے باہر چلا گیا۔

حیدر چند لمحے سارہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”بہت رحم دل آدمی ہیں۔ میں ہوتا تو کھال گراو۔

”پہنچ نہیں کس نے آپ کو تھانیدار مادیا ہے۔ آپ تو مولیشی خانے کی محمری کے قبا نہیں ہیں۔“

”میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں محترمہ کہ یہ آپ کی شرارت ہے۔“

”کیا مطلب...!“

”یہی پچھے...!“

”میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ آپ سے مولیشی خانے کی محمری بھی نہیں سنبل لئے گو۔ وفتا عمارت کے کسی گوشے سے گھنٹی بجھنے کی آواز آئی۔

”مکونی آیا ہے شامک۔“ سارہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ حیدر ہاں نہ کرتا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے ہی برآمدے میں پہنچا تھا۔

”لبی بجی... اب دوسرا پولس ہے۔“ چوکیدار آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”کارڈیا ہے۔“

سارہ نے کارڈ لے کر نام بلند آواز میں پڑھا۔ ”کرٹل اے۔ کے فریدی۔“ اور انداز میں حیدر کی طرف دیکھنے لگی۔

”ماں! باس...!“ حیدر بولا۔

”خدا کی پناہ... آپ ہی کیا کام تھے کہ اب باس بھی تشریف لائے ہیں... خیر۔“ اسنس لے کر چوکیدار کی طرف مڑی۔

”ہے دو...!“ اُس نے کہا۔

کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں تھا در سارہ اُسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی دوسری بنا کی قلوچ ہو۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ حیدر سے اخبارات معلوم کر رہا تھا۔

”آپ پروفیسر کی صاحبزادی ہیں۔“ حیدر نے سارہ کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ...!“ فریدی اب اس کی طرف متوجہ ہوا لیکن سارہ نے بوکھلا کر اُس کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔ وہ کچھ نہ سو سی نظر آئنے لگی تھی۔

”میں پروفیسر سے ملتا چاہتا ہوں محترمہ...!“ فریدی نے کہا۔

”جی اچھا...!“ اُس نے جلدی سے کھا اور صدر دروازے میں مڑ گئی۔ اس وقت اس کی چال گھوڑے کی ”سربت“ کا گان ہو رہا تھا۔

حیدر کتاب ہو گیا۔ یہی لڑکی کچھ دیر پہلے اُسے کسی طرح گھستی رہی تھی اور اب؟ فریدی کو کہ کر شہ تو اُس نے اجھن ترقی خواتین کے چندے کی رسید بک نکالی تھی اور شہ زبانی طراریاں ہی کمال تھیں۔

”یہ لڑکی بہت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔“ حیدر نے آہستہ سے کہا۔

”کیوں...?“

”یہ پچھے شتر رنگ کے مصنوعی اٹھے کی بجائے اس کی کھوپڑی سے نکلا ہے۔“

”مگر تم تو اسے دیکھے چکے ہو۔“

”ہاں دیکھ چکا ہوں۔ مطلب یہ کہ اس نے کہیں سے کوئی شتر یا پچھے پکڑ کر پروفیسر کی مخفی نہیں کر دیا ہو گا۔“

”مقدمہ...!“

”ایک سو پچاس روپے تو مجھ سے عقید صول کر چکی ہے۔“

”لیا مطلب...!“

”چال کسی نے کپاٹ میں قدم رکھا اس نے اجھن ترقی خواتین کے چندے کی رسید بک

فلڈ کل شانکر یہ براشا نہدار برس کرے کیونکہ صح کے اخبارات میں یہ حیرت انگیز خبر ضرور اُٹے گی۔“

قدموں کی آہٹ پر حمید خاموش ہو گیا۔
پروفیسر خود ہی چلا آیا تھا۔ سائزہ اُس کے پیچھے تھی۔
”اوہ کتنی آپ نے بھی تکلیف فرمائی۔ میں بے حد مشکور ہوں۔“ پروفیسر نے مصافی
لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
”مجھے انفوس ہے کہ میں نے نادقت تکلیف دی۔“
”اوہ کچھ نہیں آئیے! اندر چلیں۔“

فریدی نے حمید کو دیں ٹھہرنا اور لڑکی کو بھی روکے رکھنے کا اشارہ کیا۔ اُن دونوں
مرتے ہی سائزہ بھی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”ٹھہریے۔
ورک گئی اور اُسے اس طرح گھونرنے لگی جیسے روکا جانا گراں گزر ہو۔
”کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ کو اس پر ذرا سی بھی تشویش نہیں ہے۔“ حمید نے یونہی
گفتگو کے لئے کہا۔
”کیوں تشویش ہو۔“ وہ جھੁংਖلا کر ہوئی۔ پھر مسکراتی اور بھنوئیں سکوڑ کر ہوئی۔ ”اگر کسی
نے شتر مرغ کا اندھہ دیا ہوتا تو میں یقیناً پال ہو کر سر پیٹھے لگتی۔“

”مگر یہ شتر مرغ کا پٹھا آپ کی انجمن کے لئے بہت سود مند ثابت ہو گا۔“ حمید نے کہا۔
”وہ کیسے....!“ سائزہ نے پلکیں جھپکائیں۔ ”میں نہیں بھجی۔“
”یہ خبر کل صحیح کے اخبارات میں یقینی طور پر آئے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہاں
اور نجیب الظرفین لوگوں کا جم غیر نظر آئے گا۔ ہو سکتا ہے آپ اکیلے کام نہ کر سکیں اس
انجمن کی کم از کم ایک یا دو یا تھوڑی درجن کارکنوں کو اسی وقت آگاہ کر دیجئے تاکہ وہ رسید بکیں۔
صحیح یہاں پہنچ جائیں۔“

”گذ...!“ وہ چنکی بجا کر نہ مسرت لجھے میں بولی۔ ”اس مشورے کا بہت بہت شکر پہا
ابھی جوانست سکریڈی کو فون کرتی ہوں۔“
”لیکن ٹھہریے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولा۔ ”لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ آپ لوگوں نے
محض اسی لئے کیا ہے۔“
”ہوں! بھجی۔“ وہ آنکھیں نکال کر ہوئی۔ ”آپ یہی سمجھتے ہیں۔“

”نہیں دوسروں کے بارے میں کہہ رہا تھا۔“
”آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟“
”میں نہایت بذات آدمی ہوں! اس لئے میری ذاتی رائے محفوظ ہی رہنے دیجئے۔“
”دننا چاہاں کی طرف سے آواز آئی۔“ اب اب تھیں مر رہے ہو۔
”اوہو....!“ سائزہ پوچک کر بولی۔ ”یہ حضرت پھر واپس آگئے۔ غالباً مخاطب آپ ہی ہیں
انہیں تکلفی ہے آپ دونوں کے درمیان۔“
”چاہاں نہ کھلنے دیجئے گا۔“ حمید نے کہا۔
”واہ....! اس بوریت میں اس سے بہتر تفریح اور کیا ہو سکتی ہے۔“ اُس نے کہا اور پھر
لیدار کو آواز دی۔ ”گل خان چاہاں کھول دو۔“
چاہاں کے قرب و جوار میں اندھیرا تھا اس لئے انہوں نے چاہاں کھلنے کی آواز تو سنی تھیں
مگر وقت تک نہیں دکھائی دیا جب تک برآمدے کے قریب روشنی میں نہیں آگیا۔
”آئیے.... آئیے۔ خرپست صاحب۔“ حمید نے خوش ظاہر کرتے ہوئے اُس کا استقبال کیا۔
لیکن قاسم نے تباہ اسمنہ بنا کر ضرورت سے زیادہ بیزاری ظاہر کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے
لیکن کی صورت دیکھنے کا روا دار نہ ہو۔
لیکن پھر یہک یہک چونکا اور آنکھیں نکال کر بولا۔ ”قیا.... قیا! خرپست۔“
”نہیں تو.... بھلا خرپست کے کیا معنی ہوئے۔“ حمید نے کہا۔
”نہیں مسٹر قاسم! یہ جھوٹے ہیں۔“ سائزہ بولی۔ ”انہوں نے خرپست ہی کہا تھا۔“
”اسے میں تمہارا کھون پی جاؤں غائب۔“
”اوہ پیتے ہی مر جاؤ گے! کیونکہ میرا خون بالکل سفید ہو چکا ہے۔“ حمید نے کہا۔
”لبھجے اب خون بھی سفید ہو گیا۔“ سائزہ نے مغموم لبھے میں کہا۔ ”کیسی کیسی گالیاں دے
ہے ہیں۔“
قاسم کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھیں نکلی پڑی ہی تھیں۔ حمید نے سوچا کہیں بالکل ہی
ہٹانے سے باہر نہ ہو جائے! ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ سب کچھ ہو جاتا جسے حمید ایک لڑکی
کو خودگی میں ہرگز پسند نہ کرتا۔

دھنٹا اس نے قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہتہ سے کہا۔ "کوئی پھر لای کہتا تھا گھری تھے۔"

پہلے تو قاسم کے چہرے پر بڑھاٹی کے آثار نظر آئے اور پھر یک یک نش پارم پہلاں... ہی ہی... غیرمی... ہلا... ہلا... وہ... حمید بھائی... وہ...!"

"کیا بات ہوئی۔" سارہ نے تھیرانہ انداز میں باری باری سے دونوں کی طرف دیکھا۔ "پچھے نہیں۔" قاسم بوکھائے ہوئے لجھے میں بولا۔ "حید بھائی بڑے دلچسپ آدمی ہیں اپنے پہلا کہتے ہیں... اور آپ غیرمی ہیں... ہی ہی ہی...!"

سامنے مالپوسانہ انداز میں پچھہ بڑھاٹی جیسے کہہ رہی ہو۔ "یہ تو پچھے بھی نہ ہوا۔"

لیکن حقیقتاً دسری طرف بہت کچھ ہو گیا تھا۔ قاسم اسے پند نہیں کرتا تھا کہ کسی لوگی سانے اُس کی بیوی یا شادی شدہ زندگی کا حوالہ دیا جائے۔ اس وقت حمید نے اُس کو قابو میں رہی کے لئے پیڑا اور گھری کی گویا حسکی دی تھی۔

دھنٹا اپنے باری سے قد مون کی آوازیں آئیں اور فریدی برآمدے میں داخل ہوا۔ اُس ساتھ پروفیسر بھی تھا لیکن حمید کو اُس کا چہرا اتھوہا سانظر آیا۔

"تم نے رسی والے معاملے کے متعلق پوری طرح چھان میں نہیں کی تھی۔" فریدی میں سے پوچھا۔

"نہ... نہیں۔"

"اوپر... قد مون کے جو شان ملے ہیں وہ کسی بچے کے نہیں ہو سکتے... اوہ۔" فریدی بیک قاسم کی طرف مڑا۔ "آپ بیہاں کیسے۔"

"جج... جی... مم... میں سر پرست ہوں۔" قاسم نے بوکھا کر جواب دیا۔

"کیا مطلب...!"

"آپ انجمن ترقی خواتین کے سر پرست ہیں۔" حمید بولا۔

"بے بی۔" پروفیسر نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ "تم شہر جاؤ۔ پچھلے دن آٹھی کے ساتھ کیوں؟ کیا بات ہے ڈیٹی۔" سارہ چونکہ کی پڑی۔

"میرا خیال ہے کہ میں کسی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"تو میں آٹھی پکے بیہاں کیوں جاؤں نہیں نہیں میں یہیں رہوں گی۔"

"مچھا تو اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں اکیا صیبت ہے۔ وہ پیریٹ کر بولی۔"

"سارہ! میری الجھنوں میں اضافہ نہ کرو۔ جاؤ۔"

وغل فریدی کو چونکہ کڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور سارہ اتنی تیزی سے راہداری کی طرف آتی کہ حمید سمجھا شاکن دیوار سے گلکر جائے گی۔ وہ سید ہمی اندھر چل گئی۔

"اب آپ بھی تشریف لے جائیے۔" فریدی نے قاسم سے کہا۔ "رات زیادہ گزر چکی ہے۔"

قاسم نہ اسامنہ بنائے ہوئے برآمدے کے زینوں سے یچھا تھتا چلا گیا۔ چند لمحے خاموشی لذتیں۔

"میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فرمائیے... فرمائیے۔"

"اندر چلے۔" فریدی نے کہا اور پروفیسر راہداری میں مز گیا۔

"وہ ایک کمرے میں آئے۔" پروفیسر کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے اب وہ کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

فریدی نے ایک کری پر لکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے صاحبزادی سے فرمایا تھا کہ اپنے خیال طلاق آپ کسی سازش کا شکار ہو گے ہیں؟"

"تھاہاں... میں نے کہا تھا۔"

"میں آپ کے اس خیال کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کلکی ہوئی چیز ہے۔ آخر آدمی کا پچھے کیسے نکل آیا۔"

"وو شتر مرغ عی کا پچھے نکل آتا۔" فریدی نے اسی نظر وں سے دیکھا یہی وہ کسی پاگل، ہنگو کر رہا ہو۔

"اللهارہ بورتا اسی عیسوی میں برشن کارلوس نے بھی یہی تجربہ کیا تھا لیکن بعض خامیوں کی بجائے کتاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"برشن کارلوس کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔ "میں نے پہنام پہلی بار سنائے۔"

”ہمکھیں تو آج تک دیکھی ہی نہیں۔ عینک اتنے بڑے شیشوں کی لگاتا ہے کہ آدمی پیشانی
بن کی ٹپیاں ڈھک جاتی ہیں۔“
”اور غالباً چال میں ہلکی سی لگراہت بھی پائی جاتی ہو گی۔“ فریدی نے پوچھا
”اوہ تو آپ اُسے جانتے ہیں۔“
”وہ کہاں رہتا ہے۔“

”اس سوال کا جواب مشکل ہے۔“ پروفیسر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میونکہ وہ اپنے بتائے ہوئے
بھی نہیں ملا! اجب بھی ملاقات ہوئی اس سے کہا گیا کہ وہ فلاں جگہ نہیں ملا تھا فور آئی کہے گا
آپ کو بتانا بھول گیا تھا کہ میں فلاں ہو مل میں رہتا ہوں۔“

”کسی نے اُسے آپ سے ملایا تھا یادِ خود ہی نہ لئے آیا تھا...؟“
”بل خود ہی آیا تھا۔“ پروفیسر نے لاپرواٹی سے کہا جیسے اس کے مقابلے میں خود کو زیادہ
دیا ہو۔

”فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”ڈاکٹر داؤد سے بھی آپ کی جان پہچان تھی۔“
”ڈاکٹر داؤد۔“ پروفیسر نے متیر انداز میں پلکنیں جھپکائیں۔ ”کیا آپ اُس ڈاکٹر داؤد کے
میں پوچھ رہے ہیں جو پچھلے دونوں قتل کر دیا گیا تھا۔“
”تھیاں.... وہی....!“

”بل یونہی رکی سے تعلقات تھے۔“ پروفیسر نے کہا اور نیک بیک ہنس پڑا۔ ہستا ہی چلا گیا۔ پھر
یابود بولا۔ ”یعنی طور پر پولیس چکر میں پڑ گئی ہو گی کہ آخر یہ اکو مثالث اور دارہ کیا بیلا ہیں۔“
”ظاہر ہے۔“ فریدی اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”اوہ پچھلے کچھ دونوں سے خط ہو گیا تھا کہ وہ سرکلر ٹرینیگل بناسکتا ہے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے
اپنے مرتبے وقت اُس نے اپنی حماقت تسلیم کرتے ہوئے اپنے اکو ہونے کا اعلان کیا ہو اور
لے کیا ہو کہ سرکل اور ٹرینیگل کبھی ملی جلی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔ اللہ ہی الگ رہیں گے یا
اکل کے اندر ٹرینیگل یا ٹرینیگل کے اندر سرکل.... لیکن نہ وہ ٹرینیگل سرکل کہلانے گا اور نہ
ٹرینیگل....!“

”وہ برلن کا رسول ہی تھا۔ اُسے ہم کسی دوسرے نام سے نہیں یاد کر سکتے۔“
”ترax....!“ پروفیسر کی شفاف کھوپڑی پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ کرسی سیست فریدی
ہوتا ہوا چینا۔ ”دیکھا دیکھا.... خدا غارت کرے۔“
”نخاچھلا وہ حمید کی ناگلوں کے درمیان سے نکل کر پھر پلتا اور پروفیسر کی کھوپڑی پر دو
جھالتا دیا۔ فریدی پروفیسر کے نیچے تھا۔ حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر چھلا وے کے پیچے
لیکن اس بارہ وہ سیدھا صدر دروازے کی طرف گیا تھا۔ حمید نے اُسے پائیں باغ کے اندر چھر
گم ہوتے دیکھا۔

”کدھر گیا۔“ فریدی نے پوچھا۔ حمید اس کی آواز سن کر مڑا لیکن اُس کے ہو
مکراہت دیکھ کر نہ جانے کیوں جھخٹلا گیا۔ پروفیسر بھی لکڑا تاہا ہوا اوہرہ ہی آرہا تھا۔
”حمید نے پائیں باغ کے تاریک گوشے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔“

”مشکل ہے۔ وہ اس طرح ہاتھ نہیں آسکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”پروفیسر اچھا فرنیک
کیا ہے آپ نے؟“
”ڈاکٹر ڈہر گن نے مجھے تباہ کر دیا۔“ پروفیسر ہانپتا ہوا بولا۔ ”اس تجربے کا مشورہ اُسی نے
”یہ کون بزرگوار ہیں۔“

”میرا ایک جرم من ملا قاتی.... آج کل یہیں مقیم ہے۔“
”اُس کی کیا کو ایکیکیشن ہے۔“
”خدا جانے۔ میں اُس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے تو اُس کی صورت ہی ہے!
ہوتی ہے۔ بس زبردستی دوست بن بیٹھا تھا۔“

”بہت بد صورت آدمی ہے۔“ فریدی نے پوچھا
”اُس کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔“
”ہو سکتا ہے کہ وہ فاختہ کے اٹھے سے برآمد ہوا ہو۔“ حمید بول پڑا
”واہ....!“ پروفیسر کے ہونٹوں پر خفیف سی مکراہت نظر آئی اور وہ بولا۔ ”اُس کے
پر موچھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں نظر آتا۔“
”اوہ....!“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

قاسم کی شامت

فریدی نہیں پڑا۔ لیکن پروفیسر اسے ایسی نظریوں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس طرح فرید
نے اس کی توپیں کی ہو۔

”هم لوگ خواہ خواہ اتنے دنوں نے سرماد رہے ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”آپ نے چکلی بھل
ملکہ بھی حل کر دیا۔“

”اسکے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی! میرا دعویٰ ہے۔“ پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”آس سے قائل کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر کسی انویں نے اسے قتل کیا ہو گا۔“ پروفیسر نے لاپرواں سے شانوں کو جبکہ
پھر اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی بہت ہی پرمداق جملہ کہہ کر داد کا طالب ہو۔
”ڈاکٹر ڈوہر گنگ سے ڈاکٹر داؤد کے کیسے تعلقات تھے؟“

”میں کیا بتا سکوں گا اس سلسلے میں۔“

”کبھی آپ نے انہیں ساتھ بھی دیکھا تھا...؟“

”نہیں؟“

”لیکن یہ بات آپ نے پھر بھی نہیں بتائی کہ آپ کو کسی سازش کا خیال کیوں پیدا ہوا۔
”شر مرغ کے اٹھے سے آدمی کا بچہ کیوں نکلا! اور پھر اتنا بڑا بچہ کہ دس انہوں میں
ماں کے۔“

”چلے! تسلیم کر لیا۔ لیکن اس تجربے کا انجام دیکھنے کیلئے شہری حکام کو کیوں مددو کیا گیا تھا۔“

”وہ میرے احباب تھے! نہیں ایسے تجربات سے دلچسپی ہے۔“

”کیا پہلے بھی آپ کا کوئی تجربہ کامیاب ہو چکا ہے۔“

”ہاں میں نے بچھپیدا کئے تھے الیسے چو ہے پیدا کئے تھے جو چنکبرے یعنی سفید اور سیلانہ۔“

”بچھو اکثر شریہ پچھے بھی پیدا کر لیا کرتے ہیں اور چت کبرے چو ہے! وہ مختلف انا۔
چو ہوں کی کراس برینگ کا متوجہ ہوتے ہیں۔“

”آپ خواہ خواہ سائنس میں اپنی ناگن کیوں اڑا رہے ہیں۔“ پروفیسر غصیل آواز میں بولا۔

”یہ سائنس ہے یا منخرہ ہے! مجھے حیرت ہے کہ آج تک کسی نے آپ کی طرف دھیان
پہنچنے والے“

”میا مطلب...!“

”آپ تین دن کے اندر اندر اپنے ذرائع آمدن کے متعلق تفصیلات میرے دفتر میں پہنچا یے!“
”بہت ہو چکا۔“ پروفیسر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ ”بہت ہو چکا! براہ کرم تشریف لے جائیے۔“

”ڈیڈی۔“ سارہ کی آواز پر وہ چونک پڑے۔ وہ یا میں جانب والے دروازے میں کھڑی
نفیر کو گھوڑ رہی تھی۔ پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہمارے ذرائع آمدنی کی
میلات آپ کو اکتم نیک آفس سے مل جائے گی! یہاں کے اتنی فرصت ہے کہ چادر بناتا پھر نے!“

فریدی کی نظر پروفیسر کے چہرے پر تھی۔ اس نے ایک بار بھی لڑکی کی طرف نہیں دیکھا
۔ اس کے اس رو بیسے سے سیکی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بات اُسے مخاطب کر کے نہ کہی گئی ہو۔

یک بیک وہ پھر پروفیسر سے بولی۔ ”ڈیڈی...“ تم نے پہلے بھی کسی ڈاکٹر ڈوہر گنگ کا تذکرہ
لے کیا؟“

”کیا یہ ضروری ہے کہ تم سے ہر ایک کا تذکرہ کیا جائے۔“ پروفیسر جھلا کر بولا۔

”ڈیڈی....!“ سارہ نے پھر آنکھیں نکالیں اور حید آنکھیں مل مل کر اسے دیکھنے لگا۔

”اچھا تو تم ہی مغرب کھاؤ ان لوگوں سے... میں جنم میں جا رہا ہوں۔“ پروفیسر اٹھا اور کرے
، لٹلا چاکیا۔ حید نے سارہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور غیر ارادتی طور پر اپنے ہوت
ئے لگا۔

”پورا ولڈ ٹھنگ (Poor Old Thing)۔“ سارہ نے محنتی سانس لی۔

”یادا قی جنم میں گئے ہیں۔“ حید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

”دیکھنے میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں! بعض لوگوں کی ضد میں
ٹھنک بن بیٹھے ہیں اور ہزاروں روپے مفت میں برباد کر رہے ہیں۔ میں سنکھ ہی تو ہے لیکن۔“

”جیسا تقریب کسی شرارت کا نتیجہ ہے یا ڈیڈی حق تھج کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آپ اپنے ڈیڈی کی طرف سے غیر مطمئن ہی رہتی ہیں۔“

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ اس نے فریدی کی آنکھوں سے نیچتے ہوئے کہا۔ نہ

جانے کیوں وہ اس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر رہی تھی۔

”اگر نہ سنتی تو آپ نہیں معلوم کتنا غالط اثر لے کر یہاں سے جاتے۔“

”بہر حال آپ غیر مطمئن نہیں تو پھر چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“

”آپ سچ مجھے بھلے آدمی کو غصہ دلا سکتے ہیں۔“ سارہ نے ناخوٹگوار لمحے میں کہا۔ ”ہمارے سچی معاملات میں آپ کیوں و خل اندازی کر رہے ہیں۔“

”لیکن اگر کل یہ مشینی پچھہ شہری نظم و نق میں و خل اندازی کیا کیا حشر کر رہا ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی! کیا آپ نے ٹھیں دیکھا کہ وہ ذیئُتی ہی کا کیا حشر کر رہا ہے۔“

”اچھا محترمہ.....! فریدی اٹھتا ہوا بولا۔“ مجھے یقین ہے کہ ہمیں یہاں پھر آنا پڑے گا۔

سارہ برآمدے تک اسکے ساتھ آئی تھی۔ لیکن شاندہل اس کا مودہ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا کیونکہ جس زندہ دلی کے ساتھ اس نے حمید کا استقبال کیا تھا اتنی ہی بے دلی سے ”الوداع“ کہی تھی!

چھانک کے قریب پہنچ کر حمید نے کھلتا پتہ نہیں وہ کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ بس اسی طرح ہماری آیا تھا جیسے اپاک بجلی سی چک گئی ہو۔

”اس کے صوفے کے پیچھے تھا۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن پہلے میری نظر بھی نہیں پڑی تھی باپ بیٹی میرے لئے ایک نئی اجنبی بن گئے ہیں۔ اب پروفیسر غوری کے متعلق بھی چھانک کرنی پڑے گی۔“

”اس نے ڈاکٹر ڈوہرگ کا جو حلیہ بتایا تھا میجر والٹن کے طلبے سے مختلف نہیں معلوم اور تحریبے کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔“

”سبھی کچھ سوچنا پڑے گا۔“

چوکیدار نے چھانک کھولا۔ لیکن اپنی گاڑی پر نظر پڑتے ہی حمید بوکھلا گیا۔ پچھلے دونوں ہی کی ہوانہ دار تھی۔ فریدی کی لئکن صحیح و سلامتی! حمید مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”یہ ٹائم کی حرکت ہو سکتی ہے۔ مجھے یہاں دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔“

چوکیدار کو بتا کر حمید کی کارو دیں چھوڑ دی گئی اور وہ لئکن میں بیٹھ گیا۔

جیری اپنے بارے کے متعلق الجھن میں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھی نیا گرد ہی میں رہتا ہے۔ لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے لمحے میں اس سے کہاں ملاقات ہو گی! میل کے طور پر اگر اسے فون کال کے ذریعہ کرہے نمبر دس میں طلب کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ کرہ نمبر دس ہی میں رہتا ہو گا ایک گھنٹہ بعد اسی کمرے میں اسے کوئی دوسرا آدمی نظر آتا۔ پھر بھلاجیری میں اتنی سخت کہاں کہ وہ اس دوسرے آدمی سے اسکے متعلق کچھ پوچھ سکتا۔ بارے کے تصور ہی سے اس کا دام نکلتا تھا۔ پتہ نہیں خود اسے ہی کب امتیازی تنفس نصیب ہو جائے! اپنے اس ساتھی کی موت اسے ابھی تک نہیں بھولی تھی جسے بارے اسے امتیازی تنفس عطا یا تھا اور پھر اسے اپنے دو ساتھیوں سیست اس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑی تھی۔ وہ لکھڑتاك کام فالاٹ کو توڑ سرور کر صندوق میں بھرتا اور بھرے پڑے ہوئے نکالے جاتا۔

اس وقت بھی وہ اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ظاہر تھا کہ یہاں بارے کے علاوہ اور کون اسے فون کرتا۔ اس نے کاپنے ہوئے ہاتھوں سے رسیور اٹھایا۔

”کمرہ نمبر آٹھ میں ملو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوکے.... بارے....!“ اس نے رسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرہ نمبر آٹھ کے دروازے پر ہوئے ہوئے دستک دے رہا تھا۔

”آجاؤ....!“ اندر سے آواز آئی۔

حالانکہ کمرے میں دھوپ کا گذر بھی نہیں تھا لیکن بارے کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی یک بدستور موجود تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس غیر معمولی عینک کو دیکھ کر اسے بڑی شدت سے گھوکھو کرنے لگتی تھی۔

”یئچھے جاؤ۔“ بارے نے کری کی طرف اشارہ کیا۔ خلاف معمول اس کا لبچہ نرم تھا۔ جیری کا پیٹ کیا کیونکہ اس کا نازم لبچہ عموماً موت ہی کی آواز ثابت ہوتا تھا۔

”رپورٹ....!“ بارے نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”کل رات میں اس وقت تک وہاں رہا جب تک کہ کرتل فریدی اور کمپنی حمید وہاں بے

پلے نہیں سمجھے تھے۔ پروفیسر غوری نے انہیں بتا دیا ہے کہ اس تجربے کا مشورہ ڈاکٹر ڈوہرگر
دیا تھا اور اُس نے انہیں آپ کا حلیہ بھی بتایا تھا۔
”میں کہنا چاہتا ہوں بس کہ فریدی ایک خوشگ سانپ ہے لیکن انتہائی زہریلا۔“
”ہو سکتا ہے؟“ بس نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”تو پھر....!“

”اُسے راستے سے ہٹا دینا چاہئے۔“

”پچھے نہیں تم لوگ اُس سے کیوں خائف ہو۔“

”اس شہر میں کامیابی کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ فریدی کو ہماری راہ میں حاکل ہونے کا
ٹنڈلے۔“

”اوہ... ختم کرو۔ میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ پچھلے سارے کارناموں پر خاک پڑ جائے گی۔
ابھی تک گدھے ہی ملتے رہے ہیں۔“

”باس کی مرضی۔“

”پروفیسر غوری پر کڑی نظر رکھو۔ وہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ میں اُسے پرے سرے کا
کی سمجھتا تھا۔“

”مجھے بھی وہ حق ہی معلوم ہوتا ہے.... البتہ اُس کی لڑکی....!“

”ایسا موت کو آواز نہ دینا۔“ بس ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی
ماگروں کے چکر میں پڑ کر میرے لئے کسی قسم کا مسئلہ بن جائے۔“

”میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا بس کہ وہ بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے پروفیسر
بچھا تھا کہ اُس نے اُسے کسی ڈاکٹر ڈوہرگ کے متعلق کیوں نہیں بتایا! پروفیسر شامد اُس سے
اگلی ہے ایسے باپ بیٹی آج تک میری نظر وہ سے نہیں گزرے۔“

”اُس کی لڑکی کے متعلق بہت زیادہ منہ سوچو۔ اس سے یہاڑی جڑ پکڑ سکتی ہے۔“

”میں باس مجھے لڑکوں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔“

”میں سوال تو یہ ہے کہ پروفیسر نے اُٹھے کی آڑ میں یہ فراہ کیا ہی کیوں؟“ بس کچھ سوچتا
بولا۔

”اگر آپ بھی اُسے فراہ ہی تصور کرتے ہیں تو مجھے بھی پروفیسر کے بارے میں اپنی رائے
بلکہ لپڑے گی۔“

”بچے نے ایک بار فریدی کی موجودگی میں بھی پروفیسر کی مرمت کی تھی۔“

”اوہ یہ بچہ! پتہ نہیں کم بہت سمجھتا ہے۔“

”وہ اُسی اُٹھے سے نکلا ہے بس....!“

”بکواس ہے۔ وہ تجربہ ہی بکواس تھا۔“

”اوہ.... تو پھر.... میں تو سمجھا تھا۔“ جیری کی آنکھیں جھرتے سے پھیل گئیں۔

”میں نہیں جانتا۔ وہ کیا بلاتے ہے۔“

”اور ہاں جتنا! اُلوٹا ٹھٹا اور دائرے کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔“

”وہ کیا....!“ بس چونک پڑا۔

”آپ کے تذکرے کے بعد ڈاکٹر ڈاؤن کا تذکرہ نکل آیا تھا۔ فریدی نے پروفیسر سے پوچھا

کیا اُس نے کبھی آپ کو اور ڈاؤن کو ساتھ بھی دیکھا تھا۔ پروفیسر نے نئی میں جواب دیا۔ پھر مٹلا
اور دائرے کی بات چھڑ گئی۔ پروفیسر نے بتایا کہ ڈاکٹر ڈاؤن اُن دنوں کی سر کلر ٹریگل کا دجود ٹاہر
کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو قطعنی ناممکن ہے لہذا پروفیسر کی دلانت میں اُس نے مرتبہ واقع

اپنے اگو ہونے کے اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اعلان کیا تھا کہ مٹلا اور دائرہ دو مختلف
النوع ایکال ہیں۔ وہ ایک دوسرے میں خشم ہو کر کبھی کوئی تسری شکل نہیں اختیار کر سکتی۔“

”بکواس ہے۔“ بس نے بُرا سامنہ بتایا پھر بولا۔ ”فریدی نے اس خیال پر رائے زندگی تھی
نہیں۔“

”اس نے بھی اس کا مفعکہ اڑایا تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی تھیہ بکھر ضرور پہنچ گا۔“

”باس ایک بات کہوں۔“ جیری خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”یوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میرا
موت بھی آپ ہی کے ہاتھوں آئے گی۔“

”یہ بھی بکواس ہے۔ میں اسی وقت زندگوں سے کھیتا ہوں جب مجھے یقین ہو جائے کہ۔“

یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ یہ پچھہ کیا بلا ہے۔



حید کو بھی انجمن ترقی خواتین کی طرف سے جلسے میں شرکت کاد عوت نامہ ملا تھا اس کی نوعیت اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یعنی وہ تھات خواتین کا جلسہ لیکن اُس میں مرد بھی کئے گئے تھے۔ کارڈ پر تحریر تھا کہ جلسے کی صدارت مسٹر قاسم آف عاصم ملٹی انڈسٹریز فرم ایم اُسے تو شرکت کرنی ہی کیونکہ جلسے کی صدارت قاسم کرنے والا تھا۔

بنت ہے آجھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ شیر و انی میں وہ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی منارہ پر غلاف زندہ بنا گیا ہو۔ حید نے اُسے آج سک شیر و انی اور شلوار میں نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ پگڑی! قاسم اپنی کامانی کے مارے نہ احوال تھا کیونکہ پگڑی نے اُسے بالکل ہی کارٹون بنایا کہ رہا تھا۔ لیکن ورزی ہی دیر میں وہ بہت زیادہ بور نظر آنے لگی۔ کیونکہ پھتیوں اور فقردوں کی بھرمار بڑھتی رہی تھی۔ کچھ بھی ہو وہ اُس کا شوہر ہی تھا۔

”آپ مجھے اسی لئے لائے تھے حید بھائی۔“ اُس نے بور کر کہا۔ ”خدا نہیں عقل دے۔“ میں صرف یہ دکھانے کے لئے لایا تھا کہ یہ کتنا عقائد ہے۔ اگر احمق ہوتا تو گھر بھی سے یہ باندھ کر آتا۔“

”گھر سے تو اچھے بھلے گئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے پاس اس قسم کا بھی اپاں ہو گا۔ آخر یہ پگڑی کیوں باندھی گئی ہے۔“

”قوم کی لیڈری ہی تھبیری۔ اس میں ہر جا حق بنتا پڑتا ہے۔“ کسی نہ کسی طرح شور کم ہوا۔ دو چار تظمیں پڑھی گئیں۔ سیکریٹری (سائزہ) نے انجمن کے افسرو مقاصد پر روشی ڈالی۔ صدر کا تعارف ہوں۔ سائزہ نے بتایا کہ کس طرح چندے کی معمولی نیل پر جتاب صدر نے یکمشت تین ہزار کا عطا یہ دیا تھا۔

”خدا کی پناہ۔“ قاسم کی بیوی بوریا۔ ”بابر اس طرح روپے اڑائے جاتے ہیں اور مجھ سے لہا جاتا ہے کہ کھپات شعار بن۔“

خدا فدا کر کے خطبہ صدارت کی باری آئی اور قاسم کی بیوی الجھ کر بولی۔ ”میں تو جاری ہوں یہ جھائی۔“

”واہ.... اصل کامانی تواب شروع ہو گی۔“

قاسم کھڑا ہوا۔ مگر وہ بُری طرح ہاپ رہا تھا۔ کبھی ہنسنے کے سے انداز میں دانت نکل پڑتے رہے۔ کبھی ہونٹ مضبوطی سے بند کرنے لگے جاتے۔ مائیک کا شنیداں انداز میں پکڑ رکھا تھا جیسے اُسے بنایا جائے گا۔

”مگر بُشکل تمام اس کے حلقو سے آواز نکلی۔“ ”خواتین و خواتین۔“

”بکر بہیر....!“ مجمع نے تالیاں پیشیں۔

لیکن قاسم اس وقت غدر سے بھی کوئی اپنی چیز معلوم ہو رہا تھا۔ خود اُس کی بیوی نے

چلاں گیا تھا۔
جید نے بھی بڑے پھر تیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن قات کی دوسری طرف پہنچ کر اس نے میدان صاف پالیا۔ بعض لوگوں سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی لڑکے کو قات پہنچنے دیکھا لیکن انہیں سے کوئی بھی اس کی راو فرار کے متعلق کچھ نہ بتا سکا۔ جلد و زہم برہم ہو چکا تھا۔

بلڈ ہاؤنڈ

پالا خرپ و فیر غوری کی شامت آتی گئی کیونکہ وہ مشنی پچھے شہر والوں کے لئے مستقل درود سر کر رہا گیا تھا۔ راہ پلٹنے لوگوں کے ہاتھوں سے چیزیں چھیننا اور یہ جا... وہ جانظر وہیں سے غائب اس کی لاگو بندر کا روں ادا کر رہا تھا۔ لیکن اسی دوران میں کچھ بڑی دارادتیں بھی ہو گئیں۔ مثلاً بدم فرم کا خراچی ایک بڑی رقم بینک میں جمع کرنے جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بینک کی کمپاؤنڈ میں کار اتال ماتی کی جھاڑیوں سے اُسی پچھے نے اس پر چلاں گیا اور فوٹوں کا ٹھیلا چھین کر نو دو اہو گیا۔ اسی طرح ایک بڑے صراف کو بھی پچھے بہت ہی قیمتی زیورات سے ہاتھ دھونے سے تھے۔

ظاہر ہے اسی صورت میں پروفسر غوری کی جان کیے چھوٹی۔ اُسے کو تو ای ٹلب کر لیا گیا۔ لذپو فیر کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں تھا کہ اس نے یہ سمجھ کر تجوہ نہیں کیا اکر اس کے ننانچ آدی کے پچھے کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ فریدی نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اس کی دائست میں بھی وہ ایک نیم خلیل آدی تھا۔ سارہ بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ لٹا اس کے چہرے سے ذرہ برا بر بھی پریشانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔ پروفیر کا بیان تحریر کیا گیا لسا کے اختام پر پروفیر نے اپنے دستخط کئے۔ پھر فریدی نے کئی سادہ کاغذات پر بھی اس کے خلاں سارہ نے اس پر احتجاج کیا۔

”اپ مطمئن رہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ دستخط غلط طور پر استعمال نہیں کئے جائیں گے۔ لٹا پر کوکھ کر دے سکتا ہوں کہ میں نے یہ و فیر کے کچھ دستخط سادہ کاغذات مر لئے ہیں۔“

غالباً قاسم اس وقت خود شناس بننے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے اور زیادہ یوکھا نہیں، ہورہی تھیں سے ”خواتین خواتان“ غالباً اسے غلط معلوم ہوا تھا لہذا اس نے دوسرا بار ”حائز حاضرات“ کی ہاکی لگائی۔ قہقہوں سے پنڈاں اڑا جا رہا تھا۔ قاسم نے نہیں ہوا کہ بولنا شروع کر ”بھی ہاں میں صدر بننے کے لایک نہیں تھا۔ آپ کی ہمہ بیانی ہے کہ آپ نے مجھے صدر، آلام قسم.... میں پاکل.... پاکل.... انوکا پھاٹا.... اے باپ رسے۔“ اس نے دونوں ہاتھ سے منہ دبایا۔ پھر بہت زیادہ زور سے بولے لگ۔ ”بھی تمن ہزار کیا آپ پر تو تمن لاخ نڈیں پر قسم اتنا بھی چاہتا ہے کہ کھاتمن ترقی کریں بھی ہاں۔ آپ لوگ کر کٹ بھی کھیلا سکتے۔ بڑی جگہ ہے بدن میں! اور قیاقہوں! میں اب کھوب بھی خول کر چندہ دوں گا۔“ تھیسے سے کوئی کچھ کہا کر ”تمہیرہ بھیر... قاسم صاحب زندہ ہا۔“ قاسم نے کسی پر جوش مرغ کی طرح گردن اوچی کی اور بولا۔ ”نہیں ابھی جندہ بادنے ابھی مجھے خدمت کرنے دیجئے۔ میں آپ سب کے لئے پاگل ہو جانا چاہتا ہوں.... مطلب مطلب یہ کہ..... بھی ہاں! کھوب ترقی پھیجئے۔ اگر توئی آپ کو ترقی نہ کرنے دے تے بتائیے۔ سالے کا سر پھاڑ دوں گا۔“ ”دھوپی ہے۔“ مجھ سے کسی نے ہاکی لگائی۔

اس ریمارک پر قاسم کا منہ ذرا سائل آیا اور پھر یہ بیک اُس کی آنکھیں پنگالیاں برم لگیں۔ چہرہ چندہ رہ گیا اور وہ میز پر ہاتھ مار کر دہاڑ۔ ”کون ہو بیٹا جا سامنے تو آتا۔“ تھیک اُسی وقت ڈائس کے پچھے سے ایک چھوٹی سی کھوپڑی ابھری! پھر کوئی اچل کرتا آیا اور اُس کے دونوں ہاتھ اس کی ”سربند“ کھوپڑی پر پڑے۔ دوسرے ہی لمحے میں ڈائس سیست ڈائس کے پیچے تھا۔

حمد اچل کر ڈائس کی طرف چھپا کیوں کہ یہ تو وہی لڑا کھا جس کی بیدائش پروفیر غوری بیان کے مطابق مشین طور پر نہیں تھی۔

اس لڑکے کی کہانی پچھلے دونوں میں اس نری طرح مشہور ہوئی تھی کہ شہر کا پچھے سے واقف تھا۔ لیکن اس وقت کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ وہی ہو گا۔ لوگ عموماً یہ تھے کہ وہ کوئی شریر پچھے ہی تھا جو قاسم کی کھوپڑی پر دوہتر سید کر کے ڈائس کے پیچے والا

اُس نے اس قسم کی ایک تحریر سازہ کو دے بھی دی۔

نہ جانے کیوں حید کی خواہش تھی کہ سازہ اور پروفیسر کی الجھن میں نہ پڑنے پاگزیدہ سے اُس نے سازہ کو دیکھا تھا وہ ایک پل کے لئے بھی اُس کے ذہن سے جو نہیں ہوئی تو اُس طرف وہ اُن دونوں کو فراہم بھی سمجھتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ پُرہم مل کٹھرے میں کھڑے ہوں۔

پکھ بھی ہو۔ پروفیسر کا شمار معززین شہر میں ہوتا تھا۔ اس لئے یہی طے کیا گیا کہ اُسے اسی شہری اقامت گاہ میں وقتی طور پر نظر بند کر دیا جائے اور تجربہ گاہ پولیس کی گھر انی میں دے دی جائے۔ تجربہ گاہ ہی میں مقیم رہنے پر مصر تھی۔ فریدی نے پکھ دیر اس مسئلہ پر غوراً اُسے اس کی اجازت دلوادی۔ کوتالی سے فریدی سیدھا اپنے دفتر آیا۔ حید بھی ساتھ ملا۔ اُس فس میں جانے کی بجائے کینین ہی میں رک گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ فریدی کی ضرورت ہی کے تحت آفس آیا ہے۔ درست اسکیم تو یہ تھی کہ اب وہ اُن تمام لوگوں سے مطہری کے وقت پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں موجود تھے۔ فریدی نے آفس کے انداز سے زیادہ وقت نہیں لیا۔ اُس کے آفس کے دروازے پر آج کل ہر وقت دو سنٹری رہتے تھے اور جب بھی وہ آفس میں موجود ہوتا سرخ بلب ضرور زدش نظر آتا۔ کیونکہ جیسا علاوه اور ہر ایک کا داخلہ منوع تھا۔ مجھے کے ایس۔ پی صاحب تو اُس کے دوسرا ہی دن اُنکی رخصت پر چلتے گئے تھے جب پہلی بار فریدی کے آفس پر سرخ بلب دکھائی دیا تھا اور اُس کے اندر داخل ہونے سے روکا گیا تھا۔ آج کل حالات یہ تھی کہ فریدی کے ہر دن اُنکے کترائے پھرتے تھے اور حید سوچتا تھا کہ کہیں فریدی کو خفت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ وہ اگر سے محروم۔ مسحود اللہ کا سراغ نہیں پاس کا تھا اور نہ ڈاکٹر داؤد ہی کے کیس میں پکھ ہو سکتا تھا۔ پروفیر دالے کیس میں بھی کسی حد تک مسحود اللہ کی پرچھائیں نظر آتی تھی۔

کار میں میٹھے وقت حید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”پکھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کو کیا کرنا چاہئے۔“

”عیش....!“ فریدی کا جواب تھا۔

”بہت خوش نظر آرہے ہیں۔“

”خوبی کی بات ہی ہے کہ پروفیسر غوری ملکت اور دارے سے بھی برا معمد بن کر رہ گیا ہے۔“

”می مطلب....!“

”اُس کے بعد سخت طبقتیں نے اس وقت حاصل کئے ہیں وہ اُن دستخطوں سے نہیں ملتے جن کے بیک سے رقمات نکلوائی جاتی ہیں۔“

”تو پھر....!“ حید چمک کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”انداز تحریر ہی مختلف ہے۔“

”مگر اُس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ نے اس کی تفصیل طلب کی تھی۔“

”لاکھوں کا آدمی ہے۔ ملک میں شنستے کے سائنسی آلات ڈھالنے کا واحد کارخانہ اُس کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مزید چھان بین فضول ہے۔ البتہ یہ دستخطوں کا معاملہ۔“

”یہ بھی نہایت آسان ہے۔ اُس سے ایک چیک پر اپنے سامنے دستخط لیجئے اور اُسے کیش کے لئے بھیج دیجئے۔ اس کے بعد اُسے لقینی طور پر وضاحت کرنی پڑے گی۔“

”اس اٹھ پر میں ایسا کوئی اندام نہیں کرنا چاہتا۔“

”خواہدہ مشین کا پچھا سارے شہر میں آگ ہی کیوں نہ لگادے۔“

”اُس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔“

”آپ کا خیال ہے کہ یہ غوری کوئی بیوقوف آدمی ہے۔“

”ہاں امیر اندازہ سیکی ہے۔“

”تو پھر سمجھو والٹن ہی کی آؤ میں اسی بچے کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔“

”اُسی صورت میں بھی کہا جاسکتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کیا سمجھو والٹن نے ڈاکٹر داؤد کی کوئی میں صرف اس لئے آگ لگوائی ہو گی کہ اُنکا جنم۔

”ہو جائے۔ کیا نصیری اس لئے قتل کر دیا گیا تھا کہ اُسے اُلوکے متعلق کچھ معلوم تھا؟“

”ظاہر ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ نہ تھیں اس طرح پکڑو اتنا مجھ پر حملہ کر اتا اور نہ بعد

ٹھوک سے فون پر گتھکو کر کے میرے بہہات کو مزید تقویت دیتا۔ اُسے اس کی پرواہ ہرگز نہیں

کو اس کی شخصیت روشنی میں آگئی ہے۔ جب اُسے اس کی پرواہ نہیں ہے تو اُلوکے مجسے کو

ان مام بھی تھے جنہیں صرف سارہ سے دلچسپی تھی۔ چونکہ فریدی سے بھی ان کے تعلقات اس لئے انہوں نے بڑی بے تکلفی سے اس کا انتہا کر دیا تھا۔

پس بھی ہو لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ بات ماننے پر تیار نہیں تھا کہ پروفیسر نے کسی نبیری سے ڈھونگ رچایا ہو گا ان کا خیال تھا کہ کسی دوسرے نے پروفیسر کی حماقتوں سے فائدہ نہیں کو شش کی ہے۔ انہوں تھنخے اس پر افسوس ظاہر کیا کہ اُسے اس کی شہری قیامگاہ میں نظر دیا گیا ہے۔

”یا نتیجہ لٹا ہے اس بھاگ دوز کا۔“ حمید نے مٹھنڈی سانس لی۔

”اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ پروفیسر کے تجربے ہی کا سا کوئی نتیجہ نکل آئے۔“ فریدی جھنجھلا لد۔ اگر جلدی ہی ہے تو تم مرغی کے انہوں پر بیٹھنا شروع کر دو۔“

”شائد اسی کی نوبت آنے والی ہے۔ کیونکہ ایک اُنہیں اس طرح نچاہا ہے۔“

”اُسے توجہ کوہ پکڑ کر کسی درخت سے اٹا لے کا دوں۔ میں نے ابھی تک اُس کی طرف نہیں دیا۔“

”ہمیں تو پہر ہم کیوں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔“

”صرف اس لئے کہ ڈاکٹر داؤڈ کے قتل کی وجہ معلوم ہو سکے! ہو سکتا ہے ملکث اور دائرے قتل کی وجہ ہی پوشیدہ ہو۔“

”سبحان اللہ! تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ خود قاتل ہی قتل کی وجہ سے ناقص تھا۔“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔ مثال کے طور پر وہ ڈاکٹر داؤڈ سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ڈاکٹر نہیں تیلے۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کو اس کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ نہیں بتائے گا تو قتل کر دیا گا۔ لیکن وہ کوئی ایسی ہی اہم بات تھی کہ ڈاکٹر اُسے نہ بتا سکا اور اپنی خلافت کے لئے اُسے لا کی مدد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔ مگر پولیس کے چینچے سے پہلے ہی قاتل حملہ کر بیٹھا۔“

”دائرے اور ملکث کی بات سمجھئ۔“

”دائرے اور ملکث ہی میں وہ سب کچھ پوشیدہ ہو سکتا ہے جو واللہ ڈاکٹر داؤڈ نے معلوم کرنا تھا تو اور یہ بھی واضح رہے کہ اُس نے ڈاکٹر سے یہ نہ معلوم کرنا چاہا ہو گا کہ منار کا مرغی سال ماکٹ نہ لے دیتی ہے۔ واللہ کا قدم جس سر زمین پر پڑے اُس کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ

تکف کرنے کے لئے عمارت میں آگ لگوانا بھی مہمل ہو جاتا ہے اور نبی کہنا بھی فضول ہے کہ نصری پوچکہ اُو کی شخصیت سے واقع تھا اس لئے قتل کر دیا گا۔“

”ارے کچھ کہنا عقائدی بھی ہے یا سب مہمل اور فضول ہی ہے۔“

”سائزہ کو میٹھی نظروں سے دیکھنا ہی سب سے بڑی عقائدی ہے۔“ فریدی مسکرا کر پڑا۔ ”عشق کردا اور موٹے ہو جا گے۔ اپنی لائس میں تدماغ سوزی اور خون جگر پینے کے علاوہ اور کچھ نہ رکھا۔“

”نداق میں نہ نالے۔ میری الجھن برحقی جا رہی ہے۔“

” غالباً اختلاج قلب کی بھی شکایت ہو گی۔ اخفا بیٹھا بھی نہ جاتا ہو گا۔ شروع میں حتیٰ کہ شکایت بھی رہی ہو گی۔ اہلی کا شربت چانو۔ ڈفر کہیں کے۔ فرماتے ہیں الجھن برحقی جا رہی ہے اپنی کھوپڑی کیوں نہیں استعمال کرتے۔“

”اگر میں آپ کو کسی قابل نہ سمجھوں تو یقیناً مجھے بھی اپنی کھوپڑی استعمال کرنی پڑے۔ لیکن جب مجھے آپ پر اعتاد ہے تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو بعض اوقات آپ پر اتنے زد سے غمز کرتا ہوں کہ میری آنکھیں نکل پڑتی ہیں۔“

”ماش زبان کیسا تھا ہی کھوپڑی بھی کسی کام کی ہوتی۔“ فریدی نے ناخن گوار بچھ میں کہا۔ ”ابھی کل ہی ایک لڑکی میرے گھونگھریاں بالوں کی تعریف کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ کیا محراب دار پیشانی ہے، دیکھ کر ہمایوں کا مقبرہ یاد اپناتا ہے۔“

فریدی نہ اسامنہ بنائے ہوئے وٹا اسکرین پر نظر جائے رہا۔ تقریباً تین گھنٹے تک وہ شہر کے ان حکام سے ملتے پھرے جن کی موجودگی میں پروفیسر اپنے تجربے کا حیرت انگیز نتیجہ دیکھا تھا۔ لیکن کسی نے بھی کوئی ایسی بات نہ بتائی جسے فریدی اور معلومات میں اضافہ سمجھ سکا۔ بھی اس پر متفق تھے کہ پروفیسر یوں توف گریا رہا۔ آدمی نے شہر میں صرف آٹھ سال سے مقیم ہے۔ اس سے پہلے ملک کے مشرقی حصے میں رہتا تھا۔ سائیہ آلات کا کارخانہ اُس کے باپ نے قائم کیا تھا، جو خود بھی ایک اچھا سائنسدان تھا۔ پروفیسر غور دیا مجھ سے مزخرہ ہے۔ خواہ خواہ خود کو سائنسٹ پوز کرتا ہے اور وہ لوگ تو تفریح اُس کی تجربہ گاہ میں گھر تھے۔ پروفیسر کو الو بنا کر مختلوظ ہوتا ہی وہاں ان کی موجودگی کا مقصد تھا۔ ان میں دو لا

وہاں کوئی میں الاقوامی سازش جنم لے رہی ہے۔ ”
اچھا نصیری کا قتل...!“

”ہو سکتا ہے کہ وہ کسی راز میں ڈاکٹر داؤد کا شریک رہا ہو۔ لیکن قاتل نہیں چاہتا تو اکثر پولیس تک پہنچ سکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ڈاکٹر داؤد کو بھی اس نے اسی لئے مار دالا ہو۔ کہیں اس نے وہ راز ظاہر کر دینے ہی کے لئے پولیس کو نہ طلب کیا ہو۔“

”اب سمجھ میں آزی ہے بات۔“ حیدر ہلاکر بولا۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ نصیری کے بنائے ہوئے تھے مگر میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔“

”جی ہاں! مجھے یاد ہے۔“

”وہاں کی ایک ذمہ دار عورت قابو میں آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ مجھے ایک تحریر ملی ہے۔ قتل سے دو دن قبل نصیری نے اس غیر ملکی سفیز کے فوجی اہلی تک پہنچائی تھی۔“ فریدی اور داہنے ہاتھ سے اسٹرینگ سنبھال کر باسیں ہاتھ سے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک لفڑی ہوا بولا۔ ”اُس میں سے زور لگ کا کانڈ نکالو۔“

حیدر نے تہہ کیا ہوا کانڈ لفافے سے نکالا۔ لیکن تحریر پر نظر پڑتے ہی ایسا برا منہ بڑا حلقوں میں کسی نے زبردستی کو نہیں کی تکہ ٹھوٹی دی ہو۔

”اس پر صرف تین لفڑی کھٹے ہوئے تھے۔ چوہا محفوظ ہے۔“

”بہت مشہور بات ہے کہ الودود چاہے کھاتا ہے۔“ حیدر نے خنک لبھ میں کہلہ ”پہ نہیں خوست سوار ہے کہ اب الودود اور چوہوں کے کیس ہمارے مقدار میں لکھے جانے گے ہیں۔“ ”تحریر سو فیصدی نصیری ہی کی کہے۔ میں اطمینان کر چکا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”مگر یہ ہے کیا بلاء۔“

”ہو سکتا ہے کہ کسی طویل سلسلے کی کوئی اہم کڑی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویے جب گاڑی تو یاد ہی ہو گی جس نے ایک کار کے پرچے اڑا دیئے تھے۔ تین آدمیوں میں سے صرف یہی اس قابل رہ گیا تھا کہ اس کی شناخت ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود بھی آج تک نہ معلوم کہ وہ آدمی کون تھا۔ حالانکہ کار کا سراغ غلیظ ہے۔ اس کی تبر پلیٹ ضائع نہیں ہوئی تھی۔

”مان پڑھے جا سکتے تھے۔“
”ہم کسی کی ختمی۔“

”ہی سفارت خانے کی جس کا تذکرہ میں ابھی کرچکا ہوں۔ حادثے کی دوسری صحیح سفارت نے کے ایک آفسر نے کار کی گشداری کی روپورٹ درج کرائی تھی۔ لیکن سفارتخانے کا کوئی بھی انسان لاش کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ چوروں کو وہ کیا پہچانتے۔“
”وآپ کا خیال ہے کہ وہ کار چرانی آگئی ہو گی۔“

”میرا خیال۔“ فریدی نے طویل سانس لی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میرا ہے کہ سفارتخانہ کے کچھ نامعلوم اجنبی ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بعد سے پولیس کے گرد لائت رہے تھے۔ نصیری کے قتل کے بعد انہوں نے کسی ایسے آدمی کا تعاقب کیا جو میری کار ہات کر رہا تھا۔ ان لوگوں کی گفتگو تم نے سنی ہی تھی۔ لیکن وہ کون تھا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم تھا۔ جس کا تعاقب انہوں نے کیا تھا وہ نہ صرف اس تعاقب سے واقع تھا۔ بلکہ یہ بھی جانتا تھا۔ جس کا تعاقب کرنے والے کون ہیں اگر یہ بات تھہ ہوتی تو وہ تینوں ایسے انجام سے کیوں دوچار ہوتے۔“ ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میجر والٹن کی مخالف پارٹی کا تعلق اسی سفارتخانے سے ہے۔“

”فی الحال میں تھی سوچنے پر مجبور ہوں۔“

”اور یہ سب مثبت اور دائرے کے چکر میں ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حیدر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بائیں آنکھ دبائی اور آہستہ بولا۔ ”ہو سکتا ہے ہم سب ہی اٹو ہی بن کر رہ گئے ہوں۔“

”کیوں...؟“

”ڈاکٹر داؤد ایک میتھ میٹھنک تھا۔ اس کی ساری عمر قوسوں، دائروں اور ملنٹروں کے چکر ہی۔

لکن کذری ہو گی۔ ہو سکتا ہے مرتب وقت پہنچ اس نے اپنے ہی الو ہونے کا اعلان کیا ہو اور

اہل قلمیانہ انداز میں بتایا ہو کہ اس کی موت کا باعث دائرے اور مثبت ہی بنے ہیں۔ اگر ان

لکھ رکھنے کی بجائے اس نے نارزن بننے کی کوشش کی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

ٹھاکر ہے کہ اس صورت میں قاتل کاریوں کو نکلنے سے پہلے ہی اس کا گھونسہ اسکے جزوے پر پڑا ہوتا۔“

”لیکن اب تم اسی پر ایک فلمی کہانی لکھ ڈالو۔ بڑا شے لے گی۔“ فریدی نے نہ اسماں پتا کر کہا۔

غوری دیر تک خاموش رہا پھر جھنگلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”اس کچھ راستے پر کیوں لکن کو پر رہے ہیں۔“

”بعض چیزوں لکن سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہیں۔“

کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے گاڑی روک دی اور یقین اتر گیا۔ لیکن حمید کو دانست میں یہ رامک نہیں تھی جہاں تفریح گاڑی روکی جا سکتی۔ کچھ راستے کی دونوں جانب اوپنی اونچی جهازیاں میں اور زمین بھی ہموار نہیں تھی۔ حمید نے تھیہ کر لیا تھا کہ اب کچھ نہیں پوچھے گا۔

وخت فریدی نے اسی انداز میں سیٹی بجائی جیسے کتوں کو متوجہ کرنے کے لئے جیلا کرتا تھا اور بد کھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تو بوكلا ہٹ اور زیادہ بڑھ گئی ہو گی بایک برا سابلہ ہائٹ بائیں جانب سے جهازیاں پھلانگتا ہوا کچھ راستے پر آکر دا ہو گا۔

فریدی نے اس کے پیٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ حمید آنکھیں چھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہرگز معلوم ہوتا تھا کہ وہ کافریدی سے غیر مانوس رہا ہو لیکن یہ ان کتوں میں سے بھی نہیں تھا کی جھول کی جھول گھر پر موجود تھی۔

فریدی نے بچپن نشست کا دروازہ کھول کر کتے کو اندر چھوڑ دیا اور پھر دروازہ بند کر کے الگ ست پر آبیٹھا۔ انہیں اشارت کیا اور لیکن پھر چل پڑی۔

”آپ کی تعریف....!“ حمید نے بچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ کتابوں سی سرخ زبان نکالے پڑا تھا۔

”اپسپر....!“

”اس نام کا کوئی کتاب ہمارے پاس کبھی نہیں تھا۔“ حمید نے کہا۔

”ایسے نہ جانے اور کتنے ہیں۔ جن سے پہلے کبھی تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔“ فریدی مسکرا لیا۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ حمید نے جھلا کر پوچھا۔

”شامِ اس وقت کوئی ڈھنگ کا شکار ہوئی جائے۔“

غوری دیر بعد وہ پھر کھلے میدان میں آگئے اور اب لکن کارخ ڈیہور کی پہاڑیوں کی طرف۔

”میرے شہنشہی سانس لی۔ ڈیہور کی پہاڑیاں جھریاں سے تفریح اس میں کے فاصلے پر تھیں۔

”نہ چکوں سے ڈھکی نہیں یہ پہاڑیاں درمودوں کے شکار کے لئے خاصی مشہور تھیں۔ لیکن حمید

”اہ... ہاں۔ اُس لڑکی کا کیا ہوا ہے ہم نے پولیس ہپتال میں داخل کیا تھا۔“

”ملٹری ہیڈ کوائز میں اُس نے پوچھے گھوگھ کی جا رہی ہے لیکن وہ میر واثن کی قیام ہے۔“

”بجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہماری معلومات سے کیسے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ ہماری معلومات آگاہ کیسے ہو سکے گا۔“

”یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے۔ میں خود بھی نہیں بجھ سکتا کہ وہ میری معلومات سے آگاہ کے لئے کون سے ذرا لع احتیار کرے گا۔“

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کار جھریاں کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ حمید غالباً فریدی سے پوچھنے والا تھا کہ اب کہاں چلتا ہے لیکن جھریاں کی سڑک پر مرتے ہی اس کی ضرورت بالآخر اور وہ بے حد خوش نظر آنے کا قافہ بہت عرصے کے بعد کسی لڑکی نے اُسے اتنا تھاڑ کیا تھا۔

”کیا آپ اُس سے دستخطوں کے اختلاف کے متعلق پوچھیں گے۔“ ”حمد بولا۔“

”نہیں.... اسے خود ہی دیکھنا پڑے گا۔ تم بھی اس کا تذکرہ مت کرنا۔“

”بجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسے حالات میں یہاں تھا رہ کر کیا کرے گی۔“ ”حمد نے کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔“ ایسی صورت میں یہی سوچنا پڑتا ہے کہ وہ بچہ اسی کی شرارت کا ہے۔

”لیکن حمید صاحب! ایسا پھر تیلاچہ آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر تم بھی اس تھوڑی بھگتی سے دل ہزار روپے نقد و صول کر لیں۔“

”ہمیں! تو کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ شتر مرغ کے اٹھے سے برآمد ہوا ہے۔“

”فی الحال شتر مرغ کے اٹھے ہی سے برآمد ہوا ہے۔“

”جہنم میں جائے۔“ حمید جھلائے ہوئے بچھے میں بولا۔ ”میں خواہ جھک مار رہا ہوں۔“

وخت فریدی نے گاڑی ایک کچھ راستے پر اتار دی اور حمید چونک کر بولا۔ ”ادھر کہاں؟“ ”بس چلتے رہو۔“ فریدی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

”میر کامنہ بگڑو گیا۔ ظاہر تھا کہ وہ راہ پر ویسر غوری کی جگہ ہرگز نہ لے جائے۔“

سچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی خواہ درندوں کے شکار کے لئے چل پڑا ہو گا۔
ڈبیور کے علاقوں میں پہنچ کر فریدی نے ایک جگہ کارروائی اور حید سے اترنے کو کھل کر
بھی اتارا۔ اور پھر یک بیک حید نے محسوس کیا کہ وہ کسی آدمی ہی کا شکار ہو سکتا ہے کیونکہ فریدی
نے ایک پہنچی ہوئی جراب سیٹ کے نیچے سے نکال کر کتے کے سامنے ڈال دی اور وہ اُسے سوچ کر تھا
یہ لوگ ایسے ہی راستے پر رکے تھے جہاں سے جنگل میں داخلہ ممکن تھا۔ عام طور پر یہ
اسی راستے سے گذر رکتے تھے۔

کتنے نے سراخا کر چاروں طرف دیکھا اور ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ ساتھ ایک مرد
دوڑنے لگا۔

ہنگامہ اور حیرت

راستہ اس قابل تھا کہ کار جائے۔ لیکن فریدی کے انداز سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ
استعمال کرے گا۔ وہ وہیں کھڑا رکتے پر نظریں جمائے رہا۔ کتنا کچھ دور جا کر رک گیا تھا۔ تھوڑا
قرب و جوار کی زمین سو گھنٹاہا پھر ان کی طرف پلٹ آیا۔

اب وہ فریدی کے پیروں سے اپنا جسم رگڑتا ہوا طلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکال رکھتا ہوا
فریدی نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔ ”ریوال ہے نا تمہارے پاس۔“

”ہے لیکن صرف چھ راؤ نہیں۔“ حید نے جواب دیا۔
”اگلی سیٹ کے نیچے سے دو پیشیاں نکال لو۔“
”کیوں! کوئی لمبا عاملہ۔“

”احتیاط! توچ نہیں ہے کہ بات زیادہ بڑھ سکے۔ ویسے وہ آدمی جس کی تلاش ہے
راستے سے گذرتا رہا ہے۔“

حید نے کارتوسون کی دو پیشیاں نکالیں۔ اُسے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ لیکن کی سیٹ
نیچے اچھا خاصاً سلسلہ خانہ موجود تھا۔ وہ فریدی ہی کیا جس کے متعلق روزانہ نئے نئے اکٹھا
ہوں۔ اب یہ کتنا ہی حید کے لئے نئی چیز تھا۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ عارماً

مال کیا گیا ہے۔ اگر بھی بات ہوتی تو وہ فریدی سے اس قدر مانوس نہ دکھائی دیتا تو پھر وہ یقیناً
زیدی ہی کا تھا اور اگر فریدی ہی کا کتاب تھا تو اب تک حید اُس کے وجود سے کیوں ناواقف رہا تھا۔

بُر بُر سے بڑی بات تو یہ کہ وہ سرکندوں کی جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔
مُگر میں الجھن کے عالم میں مارا گیا تو اپ کو میری تبر و بارہ کھدوں ان پڑے گی۔“ حید نے کہا۔
”کیا بات ہے۔“

”یہ کتنا! اگر یہ آپ ہی کا ہے تو ان جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔“

”میں نے ایک آدمی کو وقت دیا تھا کہ وہ کتنے سیت وہاں موجود ہے۔“ فریدی مُکرایا۔
”بھی تم اس پکڑ میں نہ پڑا کرو۔ بہتری ایسی باتیں ہیں جو میں تمہیں بھی نہیں بتا سکتا۔“
”یہ پہنچی ہوئی جراب کس کی لے بھاگے تھے۔“ حید نے جل کر کہا۔

”چلو وقت نہ بر باد کرو۔ کتنا گل ہوا جا رہا ہے۔“

”مگر میری یہ حالت ہے کہ اگر میں اس وقت اسے کاٹ لوں تو یہ اٹھ کر پانی بھی نہ پی سکے گا۔“
”چلو....!“ فریدی نے اُسے بائیں ہاتھ سے دھکیلا۔ اُس نے کتنے کا پہنچ دھوڑ دیا تھا۔ کتنا اتنی
غور نثاری سے نہیں چل رہا تھا کہ انہیں اس کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ اُن سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے
نیا وہ سفر رہا ہو گا۔ وہ پھر اُسی جگہ رک گیا جہاں پہلے رکا تھا۔ راستے کے دونوں جانب کہیں
نہ ہیں میلے تھے اور کہیں گھری گھری درازیں تھیں جن پر مختلف قسم کی گھنی جھاڑیاں سایہ کے تھیں۔
اچانک کتنا ایک درازی میں اترتا چلا گیا۔

”یہ کیا....!“ فریدی چوک کر بولا۔ وہ اُسی درازی میں جھاٹک رہا تھا۔ حید بھی جھک پڑا۔
یہ نیلے رنگ کی کسی کار کی چھت تھی جسے غالباً اسی درازی کے ذریعہ نیچے اتارا گیا تھا۔ لیکن
راہ پتھے آدمیوں کی نظر اُس پر نہیں پڑ سکتی تھی تا وقیکہ وہ خاص طور سے اُسے تلاش کرنے کی
کوشش نہ کرتے۔ درازی کے اوپر جھکی ہوئی جھاڑیاں بہت گھنیری تھیں۔

فریدی درازی میں اترتا چلا گیا۔ حید کو اس تک پہنچنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ کار کو
نہیں سے دیکھ کر وہ متغیر رہ گیا۔ فریدی بھی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کتنا اُس کے ہاتھ سے نکل
جیا گیا ہوتا اگر اُس نے اُس کا پہنچ مضبوطی سے نہ پکڑ رکھا ہوتا کیونکہ وہ ایک طرف طرف نکل
جانش کے لئے زور کر رہا تھا اور ساتھ ہی اُس کے طلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

”یہ یہ.... کارتوس ارے کی معلوم ہوتی ہے۔“ حمید ہکلایا۔

”ہاں اسی گاڑی پر وہ کو تو اسی سے روانہ ہوتی تھی۔ میں اپنی یادداشت پر شبہ نہیں کر سکتا۔ یہی تھے۔ اوه.... یہ کیا۔“

کتنے نے بھی لیخت اپنی اچھل کو دختم کر کے کان کھڑے کئے۔ فائز کی آواز حمید سے مل تھا۔ لیکن وہ قریب سے نہیں آئی تھی۔ پھر پے در پے کئی آوازیں آئیں اور یہ بھی عجیب افرا کر کتنے پہلے ہی اُسی سمت جانے کے لئے زور کیا تھا جدھر سے آوازیں آئی تھیں۔

”کریپ....!“ فریدی نے کتنے کا سر زمین پر جھکاتے ہوئے کہا۔ کتاب میں سے لگ کر اس طرف مڑا۔

”گو.... کریپ....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور خود بھی رینگنے ہی کی پوزیشن میں ہے۔ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے وہ آواز کی سمت بڑھنے لگا۔ حمید کو کتنے پر جھرت ہو رہی تھی کونکہ وہ بھی اُسی طرح رینگ رہا تھا اور ان کے آگے تھا اور یقینی طور پر آوازی کی جانب رہ کر رہا تھا۔

رہ رہ کر فائز ہو رہے تھے اور بذریع آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ کتنے کی رفتار پلا جیسی تھی۔ کبھی بھی وہ میڑ کر اس انداز میں فریدی کی طرف وکھنے لگا تھا جیسے دوسرا سے حکم کا منتظر ”دیکھو....!“ یک یہک فریدی نے زمین سے چپک کر رہ گیا۔ شاند و سری گولی اس کا نہیں کر دیتی اگر اُس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ حمید بھی جہاں تھا وہیں رک گیا۔

دونوں گولیاں باسیں جانب سے آئی تھیں۔ پھر یہک یہک داہنی طرف سے بھی تین ہوئے لیکن اب وہ گولیوں کی زد پر نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو مختلف یہاں آپنی نکرائے ہوں۔

”کیا خیال ہے۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہم نشیب میں ہیں اور کسی وقت بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔ غالباً انہوں نے ابھی ہمیں نہیں ہے۔“

”پھر کیا کیا جائے۔“

”تم دا سیں جانب والوں کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں باسیں طرف دکھنا ہے۔“

ہٹ کو اسی طرف جانے دیا جائے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جراب والے کی راہ لے پا کہے۔

”آگریہ مارڈا لگایا تو۔“

”اب خود یہ اپنی حفاظت کر سکے گا۔ ایسے حالات میں آدمی کا کام نہیں ہے کہ اپنے کے کو اپنے کے۔ پرواہنہ کرو۔ اسے جانے دو۔“

پھر اُس نے کتنے کو مطابق کیا۔ ”کوئیک اسپری... کوئیک۔“ اور کتاب تیر کی طرح سامنے لے قیب میں اترتا چلا گیا۔

فریدی اور حمید راستہ کاٹ کر مخالف سمتوں میں رینگنے لگے۔ حمید کو بڑی دشواریوں کا سامنا اپنہا تھا۔ جا بجا کافنوں دار جھاڑیاں تھیں۔ چٹانوں پر سبز رنگ کی کائی کی چھلن پر نہیں اپنہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رکا۔ باسیں جانب وہ چٹان نظر آرہی تھی جس پر پہنچ کر وہا پہنچنے دیتی تھی۔ کچھ دور چل کر وہ رکا۔ باسیں جانب وہ چٹان نظر آرہی تھی جس پر پہنچ کر وہا پہنچنے دیتی تھی۔ لیکن اس چٹان پر چڑھنا آسان کام نہ تھا۔ کوئیک بھی کائی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ مکن تھا کہ کوئی معقول سا نہ نظر آ جاتا۔ چٹان کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی احتیاط تو بر تی ہی تھی! وہ چاہتا کہ فائز کرنے والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اچانک کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی ”خود اپنی ہی غفلت کا شکار ہو گیا اور حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ چٹان کے اوپر سے کوڈ اٹھایا یعنیچے لگنے پہنچا بیٹھا تھا۔

حملہ شدید تھا لیکن حمید نے اپنے اوسان بحال رکھے۔ اسی جدوجہد کے دوران یہ بھی سوچا گیا۔ تو چل ہیں حملہ آور اُس پر فائز بھی کر سکتا تھا۔

”وہ جلد ہی اس کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن حملہ آور کو بھی اتنی مہلت مل گئی۔“

”ایک برا اسماچا توکھوں لیتا۔ حمید کاریو الور تو ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔ شاند وہ اونچ کھول سکتا۔ اب اسے خالی ہاتھ اس کا مقابلہ کرنا تھا لیکن کم بخت کائی۔ اُس کا بیک ایک بار اپنے گیا۔ ٹھیک اسی وقت حملہ آور نے بھی اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن حمید نے گرتے اسی اسماچا توکھوں کا پکڑ لیا۔ اب وہ نیچے تھا اور حملہ آور اُس کے سینے پر چڑھا بیٹھا اسماچا توکھوں پر مل کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھوں سے چا توکھوں کا پکڑ کر ایک زور دار حبسکے

انکا جان بچانے کے لئے جدوجہد بھی نہ کر سکتا۔ ریو اور اُس کے ہاتھ سے ضرور نکل گیا تھا
نہ نہ تو غافل نظر آرہا تھا اور نہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جان چھڑا کر نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ کائی
پہلی اب بھی حمید کے لئے مصیبت بنی ہوئی تھی۔

یک بیک اوپر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں اور اُس آدمی نے حمید سے
نہ پالنے کیلئے جدوجہد تیز کر دی۔ اس وقت وہ دونوں ہی خطرناک پوزیشن میں تھے۔ بس ذرا ہی
انفلت کی کوبڑی گہری ڈھلان میں لے جاتی۔ یہ بھی مکن تھا کہ دونوں کا یہاں خشر ہوتا۔
انفلت ہی چنان کے سرے پر کچھ لوگ نظر آئے حمید نے اُسے ڈھلان میں دھکیتا چاہا لیکن وہ
بیک ہی چنان کے ساتھ ہی نیچے لگتی چل گئی۔ دوسرا آدمی اس کی گرفت سے نکل پکا تھا
راکائی اُسے بھی اُس کے ساتھ ہی نیچے لگتی چل گئی۔ اس کی تیزی کی تصدیق کرتا۔ لیکن شکرا
اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اسکے متعلق سوچتا یا اُس کا انجام ہی معلوم کرنے کی خواہ پیدا ہوتی۔
واب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اپنی ہی جان نک جائے۔ کئی بار ابھرے ہوئے پھر اُس کے ہاتھوں
آئے لیکن وہ انہیں اتنی مضبوطی سے نہ پکڑ سکا کہ لڑکنے کی رفتار میں کم کی ہی واقع ہوتی۔

پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کرہی ٹوٹ کر رہ جائے گی۔ وہ کس چیز سے اٹک کر کمان
طرح جھوول گیا تھا اُس کے ہاتھ افطراری طور پر اُس چیز پر جاپڑے۔ یہ ڈھلان پر اگے ہوئے
لاد رخت کا پلاسٹا نہ تھا۔ اُس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر بمشکل تمام سیدھا ہوا۔ ایک
وہ منٹ تک تو اسی کا احساس نہیں ہوا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے یا اگر وہ کمزور سا
رخت بھی جس سے اکھڑ گیا تو کیا ہو گا جس سے وہ جھٹا ہو گا۔

وہ اُس وقت چونا جب اُس نے کتے کے بھوکنے کی آواز سنی۔ سب سے پہلے اُس نے سر اٹھا
والی بلندی پر نظر دوڑائی جس سے لڑکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن یہاں اُسے کچھ بھی دکھائی
نہیں۔ اب نیچے نظر دوڑائی اور اطمینان کی سانس لی۔ وہ سطح میں سے صرف پانچ یا چھٹ فٹ کی بلندی
ہے۔ قدر کا قریب ہی کہیں متواتر بھونکے جا رہا تھا۔ لیکن وہ آدمی حمید کو کہیں نظر نہ آیا جس سے لڑتا
ہوا ڈھلان سے پھلا تھا۔ اُس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اُس کے آدمیوں نے اُسے اوپر ہی سنبھال
لیا ہوا۔

وہ کراہتا ہوا نیچے اتر۔ سارے جسم میں سوزش ہو رہی تھی۔ اب کتنے کی آواز کی طرف بھی
تو چڑھا پڑا لیکن اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا کیونکہ ریو اور بھی پاس نہیں رہا تھا۔

کے ساتھ کروٹ لی اور حملہ آور نیچے چلا گیا۔ چاقو والا ہاتھ دوسری طرف زمین سے جاگا
نے باسیں کلائی اُس کی گردان پر رکھ دی۔

پھر حملہ آور کو اٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس کی گردان پر حمید کی کلائی کا دباؤ لختہ ہے لجھے
جارہا تھا۔ چاقو پر اُس کی گرفت ڈھلی ہو گئی۔ حمید نے دابنے ہاتھ کو جھکایا اور چاقو دور چاہر
”کون ہوتا...!“ حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

لیکن اچاک اور سے فائر ہوا اور گولی سامنے والے درخت کے تنے سے گل کر لے
چکا کی طرف چلا گئی لگانی پڑی۔ اسی طرح وہ اوپر سے آنے والی گولیوں سے نیچے سکتا تھا
حملہ آور کے لئے بھی یہی سلسلہ تھا۔ ورنہ وہ بھی کیوں حمید کی تصدیق کرتا۔ لیکن شکرا
ستارے گردش ہی میں آگئے تھے۔ جیسے ہی اُس نے چنان کی طرف رخ کیا اوپر سے آئے
اُسے چاٹ ہی گئی۔

حمد خود تو گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا لیکن حملہ آور کی موت نے اُسے نی ابھجن
دیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ فائر گک کرنے والوں میں سے نہیں تھا مگر نہیں۔ وہاں
دو پارٹیاں بر سر پیکار تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق مخالف پارٹی سے رہا ہو اور وہ بھی ج
طرح اپنے مخالفوں پر پشت سے حملہ کرنے کی کوشش میں ادھر نکل آیا ہو۔
اب حمید چنان کے نیچے ہی نیچے ریک رہا تھا۔ کچھ دور چل کر اُسے اپناریو اور پڑا دا
لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اُسے لازمی طور پر گولیوں کی زد پر آتا پڑتا۔ ویسے اب اوپر سے
ہو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی خطرہ تو باقی ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ فائر کرنے والا بھلا دادے کو
مفترضہ ہو۔

یک بیک اگلے موڑ سے ہلکی سی سر سراہٹ کی آواز آئی اور حمید تیزی سے ادھر علی
گیا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ ایک آدمی چنان کی طرف منہ کئے ابھرے ہوئے پھر
رکھتا نیچے اتر رہا تھا۔

حمید نے نہایت اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ٹانگ پکولی اور پھر پہلا ہی جھکا
لے آیا۔ لیکن گرتے گرتے بھی اُس نے فائر جھوک ہی مارا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں نہ
کرتا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ریو اور والے ہاتھ پر پڑا۔ لیکن گرنے والا اتنے بے شکنے پنا۔

خوبی دیر بعد اس نے پھر کتے کی غواہت سنی اور چونکہ کرمڑا۔
”اوہ....!“ آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی کیونکہ سب سے پہلے اس کی نظر سائزہ ہی پر پڑی
اس کے پیچے ایک آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں پڑی ہوتی تھیں اور فریدی سب
پیچے تھا۔
سائزہ حید کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

”اوہ....!“ بڑی چوٹیں آئی ہیں آپ سے۔“ اس نے کہا۔
”اوہ....!“ میرا پرس بھی کہیں گر گیا ہے۔ ”حمدی نے تشویش کن لمحے میں کہا۔ ”کیا آپ کے پاس
پد بک موجود ہو گی۔“

”جلتے رہو۔“ فریدی نے کہا۔ لیکن قیدی بھی رک گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”مجھ پر زیادتی
رہی ہے۔ یہ لڑکی جھوٹی ہے۔ میں یہاں شکار کھیل رہا تھا۔ یہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور
پنگی کہ میں اس کی مدد کروں کچھ آدمیوں نے اُسے گھرا ہے۔ میں اس کے لئے سینہ پر ہو گیا
لی تھے۔“

”یہاں نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جو کچھ بھی کہنا ہو ہیڈ کوارٹر میں کہنا۔
”میں تو نہیں جاؤں گا۔“

”مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ میں تمہیں اسی کتے کے حوالے کر دوں۔“
”نہیں۔“ اس نے خوفزدہ نظروں سے کتے کی طرف دیکھا اور چپ چاپ چلنے لگا۔ اور وہ
سے سے نکل کر اوپر چٹانوں کے درمیان آگئے تھے۔ لیکن اس حصہ سے نکلنے کے لئے انہیں
ہر حال ایک بڑی چڑھائی ملے کرنی پڑتی۔
کبکبک کتا حلقوں پہنچانے والا اور سامنے سے ایک فائر ہوا و سرے ہی لمحے میں قیدی زمین پر
ٹاٹاٹاں رگڑا تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے سائزہ اور حید کو ایک چٹان کے پیچے دھکیل دیا اور پھر حید نے
ٹوٹ کیا کہ فریدی بھی فائر کر رہا ہے۔ اس نے شائد کتے سے بھی کچھ کہا تھا۔
”اب کیا ہو گا۔“ سائزہ نے کامنے ہوئے کہا۔ ”پھر وہی مصیبت.... ارے.... وہ دیکھئے۔“
حمدی نے سر اچھار کر دیکھا۔ بلند ہاؤٹ شائد حملہ آور تک پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ ایک چٹان کے

کچھ دور چل کر وہ ایک نگاہ سے درے میں داخل ہوا کتے کی آواز اور ہر ہی سے آجھی
اب اتنی قریب تھی کہ درے میں اس کی گونج کی جھنکاریں بھی محسوس ہونے لگی تھیں
پھر وہ اُسے نظر بھی آگیا۔ شائد کسی غار کے دہانے میں گھنٹے کی کوشش کر رہا تھا جس
کی رانقل کا کندہ باہر نکل کر اس کے سینے سے ٹکرایتا اور وہ پھر اچھل کر پیچھے ہٹ آئی۔
حمدی رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی ہے صرف رانقل ہی رکھتا ہے۔ کارروز
ہو چکے ہیں ورنہ اب تک اس نے کتے کو زندہ کیوں چھوڑا ہوا تو اور پھر ہو سکتا ہے نیو دی اور
جس کے لئے کتابیاں لایا گیا تھا۔ ورنہ یہاں تو فائرنگ ہو رہی تھی۔ درجنوں آدمی غنائم اور
میں بکھرے رہے ہوں گے۔ پھر وہ خصوصیت سے کسی ایسی آدمی کے پیچھے کیوں پر گیا تو
کے پاس اب اپنی جان بچانے کے لئے بھی کارتوس باقی نہیں بچے!

وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ کتے نے اُسے دیکھ کر اور زیادہ جوش سے جملہ
کر دیا تھا۔ یک بیک کوئی چیز اس کی پشت پر لگی اور وہ پھر چونکہ کرمڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ازا
ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ حید پھر واپس ہوا۔

”تم درے کے دہانے پر ٹھہرو۔ رویالور کیا ہوا۔ اوہ.... یہ کیا حالت ہے تمہاری۔“
اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

”میں خالی ہاتھ ہوں۔“ حید نے جواب دیا۔
”یہ لو.... ویں ٹھہرو۔“ فریدی نے اپناریو اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
حمدی بھنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ چپ چاپ رویالور لے کر درے کے دہا
طرف چل پڑا۔ پتہ نہیں وہ سب فائرنگ کرنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے اب تو چاروں
ستاناہی سناتا تھا۔

درے کے دہانے تک پہنچنے پہنچنے کتے کی آوازیں آئیں بھی بند ہو گئیں۔
وہ ایک پھر سے نکل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس تھوڑے سے وقت میں اس پر جو کچھ گذرا
ایک عمر کی کہانی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی تو بالکل ہی ترو تازہ نظر آیا تھا۔ کیا اس کی
بھی تم بھیز نہیں ہوتی تھی؟ پھر یہ سارا ہنگامہ خود بخود کیسے فرو ہو گیا؟ چٹان کے اوپر سے
کرنے والے کیوں بھاگے تھے!

پچھے بار بار رائفل کا کندہ بلند ہو رہا تھا اور کتے کی غراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس سے ادا کیا جاسکتا تھا کہ حملہ آور تباہی ہے۔ حمید پھر خالی ہاتھ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اُسے چنان کے چھلکتے وقت فریدی نے اُس کے ہاتھ سے روپا اور بھی لے لیا تھا۔

”آپ کچھ نہیں کر رہے۔“ سائزہ نے کہا۔

”میں صبر کر رہا ہوں۔“ حمید نے مختنڈی سانس لی۔ ”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پھر یک بیک فریدی بھی اُسی چنان کے پچھے نظر آیا۔ حملہ آور رائفل کو لڑکی طرح گمراہ تھا بلکہ ہاؤٹ نے کئی بار اس پر چھلانگ لگائی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

حملہ آور غالباً یاوس ہو چکا تھا۔ اُس نے وہیں سے ایک گہری کھند میں چھلانگ لگادی اور اُس کی کریبہ جنگ سے جنگل میں سناٹ لرز اٹھا۔ اتنی اوچائی سے گر کر فتح جانے کا سوال ہی نہیں یا ہو سکتا تھا۔

تو ہوڑی دیر بعد فریدی کہہ رہا تھا ”کتنا وابیت دن ہے دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔“ سکا۔ اب پھر اندر ہیرے میں ہاتھ پیر مارتے پھر د۔

وہ چڑھائی پر چل رہے تھے لیکن حمید کو موقع نہیں تھی کہ صحیح راستے پر لگ سکیں۔ خود انہی قلعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس راستے سے آئے تھے اب شائد وہ اُس چنان کی بھی نشان دیتا کر سکتا جس کے نیچے اُس نے دو آدمیوں کا مقابلہ کیا تھا۔

”کیا ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے جہاں سائزہ کی کار دیکھی تھی۔“ حمید نے کہا۔

”فکر مت کرو۔ ہم وہیں پہنچیں گے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”آن کا دن مجھے زندگی بھریا رہے گا۔“ سائزہ بڑا بڑا۔

”انہوں نے تمہیں کیوں پکڑا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اُسی کم بخت بچے کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے؟“

”لیا تمہیں یقین ہے کہ تم حق بول رہی ہو۔“

”کیوں؟ بھلا میں جھوٹ کیوں بولنے لگی۔ پھر ایسی صورت میں....!“

”عادت ہی نہ تھی! جھوٹ بولنے کے لئے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے۔“

”میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔“

ڈیڈی کی تنخواہ دار

حمدیڈ کو اس کا ہوش نہیں تھا کہ شہر پہنچنے کے بعد دن کا باقیہ حصہ کیسے گزارا تھا۔ پولیس نال میں اُس کے زخموں اور خراشوں کی ذریتگ ہوئی تھی اور وہ اب وہیں آرام کر رہا تھا۔ رہ کو بھی پولیس ہسپتال میں ہی روکا گیا تھا۔ گودہ بالکل محفوظ رہی تھی لیکن فریدی کے اس ماسے ڈاکٹر کو بھی متفق ہونا پڑا تھا کہ غیر متوقع ڈھنی جھکوں نے اُس کے احصاب پر بھی برا لالا ہے اس لئے اُسے بھی آرام کرنا چاہئے۔ سائزہ نے اس پر شدت سے احتجاج کیا تھا لیکن اُس بیک نہ سنبھال سکی۔

فریدی نے حمید کو اس کے متعلق کچھ ہدایات دی تھیں جن پر وہ شام سے پہلے عمل نہ کر سکا! لیکن اُس کا خیال تھا کہ لڑائی بھڑائی سے زیادہ تباہی پر نما اثر پڑتا ہے اور معدے کے اخربات انسان صورت میں عموماً دماغ ہی کی طرف ہوتے ہیں اس لئے ڈھنی پر اگندگی پر بے ہوشی کا اطلاق بھلکتا ہے اور اُسے بیہوٹی ہی کہیں گے کہ آدمی کوئی ڈھنک کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جائے۔ تقریباً بچھے سائزہ حمید کے کمرے میں آئی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ بہت زیادہ بوریت

”میرا خیال ہے کہ کرٹل سے زیادہ بھیک آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذر رہا۔ اُس آدمی کو گردن سے پکڑ کر اسی طرح لکالا تھا جیسے کسی خرگوش کو کوئی شریر پچھا اٹھا جکو لے دینے لگے۔“

”آپ کو یہ حرکت مطلقاً پسند نہ آئی ہو گی؟“ حمید نے سوال کیا۔
”اوہ... مزہ آگیا تھا۔ ہااا۔“ وہ پس پڑی۔ ”کچھ درپلے وہ کم جنت کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے اُس پچھے کی اصلاحیت نہ بتائی تو مجھے مارڈا لے گا۔“

”پل مجھے بھی بتا دو۔“ حمید نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔
”جس غریب نے تجربہ کیا تھا وہ تو بتاہی نہ سکا۔ میں کیا بتاؤں گی۔“
ونتا فریدی کمرے میں داخل ہوا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

”حدار مجھے اس الجھن سے نجات دلائیے جناب۔“ سارہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”بیٹھنے بیٹھنے۔“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا اور خود بھی ایک کرسی کھیجنے کریٹھتا ہوا حمید کی خیریت فٹ کرنے لگا۔

”میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں یعنی کہ اب آپ مجھے...!“
”غیر... خیر...!“ فریدی نے ہاتھ انھا کر کہا اور حمید کا جملہ ادھوراہی رہ گیا۔ اب وہ سارہ کرف دیکھ رہا تھا۔

”اپنے ذیڈی کے غیر متوقع پچھے کے متعلق ایک نئی خبر سنو۔“ وہ مسکرا کر بولا۔
”میں کچھ نہیں سنا تا چاہتی! براہ کرم مجھے یہاں سے نجات دلائیے۔ میں تجربہ گاہ میں وابس لیں گی۔“

”حلاں کہ وہاں آپ نئے لئے خطرات ہی خطرات ہیں۔“
”ہر قسم کی بیانیں آپ ہی کے لئے ہیں۔ بھر ان سے ڈرتا کیا معنی رکھتا ہے۔“
”بات معقول ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی یقین کسی الجی بلا کی پیدائش کا ذمہ دار ہو جو سماں کے نواب جان بن جائے تو تم اُس آدمی کے لئے کون سی سزا تجویز کرو گی۔“

”میں کہتی ہوں ذیڈی پاگل نہیں تھے کہ اپنا نفع نصان نہ سمجھ سکتے۔“ سارہ نے کہا پھر دفعتاً لر کھمیر انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔ ”ہاا ذرا یہ تو بتائیے آپ نے کس بناء پر یہ کہا تھا

محسوس کر رہی ہے۔ ویسے خوف وہ راس کی پر چھائیں تک اُسکے پھرے پر نہیں دکھائی دی تھی
”میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ اُس نے کہا۔

”اوہ ہو! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ میری نظروں میں ترقی کی معراج ہی ہے۔“

”میرا مذاق نہ اڑائیے۔“ سارہ جھلانگی۔ خواہ مخواہ مجھے بھی مریض بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا ہے مجھے ادا کرٹ کہتا ہے اعصاب پر برا اثر پڑا ہے! میں تو کچھ بھی نہیں محسوس کرتی۔“

”محسوس نہ کرنے کی وجہ ہے۔“ حمید مسکرا لیا۔ ”اگر ہم لوگ ٹھیک وقت پر نہ پہنچے ہوتے تو کیا ہوتا! بس موت ہی آتی نا۔“

”مگر وہ تمہیں وہاں لے کیے گئے تھے۔“

”کرٹل کو بتاچکی ہوں۔“ سارہ نے بُر اسامنہ بنا کر کہا۔ ”بُس حمact ہی تھی کہ اس پر چھنس گئی۔ جھریالی والی سڑک عموماً سنسان پڑی رہتی ہے۔ وہ سڑک پر گامنہ چاڑا ہوا تھا۔ میں بوکھلا کر نہ صرف گاڑی روک دی بلکہ خود بھی اتر آئی۔ وہ یک بیک انھا۔ اُس کے ہاتھ میں پڑھا۔ میں ڈر گئی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں چپ چاپ گاڑی کی چھپلی سیٹ پر بیٹھے جاؤں۔ میں ایسا ہی کیا۔ چاروں طرف سنا تھا۔ جیسے ہی میں اندر بیٹھنے لگی۔ اُس نے پسول کا دستہ میرے ر رسید کر دیا۔ چوتھا تینی شدید تھی کہ میں چکرا کر چھپلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر ہوش نہیں رکھا اور کس حال میں ہوں۔ ہوش تو اُسی غار میں آیا تھا۔“

”مگر وہ تھوڑی کی پیہاڑیوں میں تھا تو نہیں تھا۔ درجنوں آدمی تھے۔“

”رہے ہوں گے۔ میں کیا جاؤں! اوہ... میری سمجھ میں نہیں آتا آخر کرٹل نے یہ کہا تھا کہ انہیں ذیڈی کے وجود پر شبہ ہے۔“

”وہ بعض اوقات اپنے وجود پر بھی شبہ کرنے لگتے ہیں۔ گاہ کہتے ہیں کہ یہیں گاہ یہ کہتے نہیں۔ ابھی چھپلے ہی دتوں کھانے کی میز پر لطیفہ ہوا تھا۔ پلیٹ انھا کر کر می پر رکھ دی اور پلیٹ جگہ خود بیٹھنے لگئے۔ بھر آسی وقت انہیں اپنے وجود کا احساس ہوا تھا جب میں نے ان کی ران نور ک چھا کر چھری چلانی چاہی تھی۔“

”آپ اس طرح مصلحتکے اڑاتے ہیں کرٹل کا آپ کو ان پر خوف نہیں معلوم ہوتا۔“

”خوف... کمال کر دیا آپ نے ارے خوبصورت لوگوں سے کہیں خوف بھی کھلایا تھا۔“

کہ وہ میرے ڈیڈی نہیں ہیں۔

”ہوں یا نہ ہوں اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن وہ شخص یعنی طور پر چانسی کے تجھے جائے گا جو اس پچ کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔“

”ہاں! وہی شخص جس نے ڈیڈی سے فراز کیا ہے۔“

”کیا آپ کسی ایسے آدمی کا نام لے سکتی ہیں۔“

”میں کیا جانوں! لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی بے گناہ ہیں۔ آپ کسی ڈاکٹر ڈاہرگ کو بھول جاتے ہیں جس نے ڈیڈی کو اس تحریبے پر اسکایا تھا۔“

”یہ آپ کے ڈیڈی کا بیان ہے اور کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خود آپ بھی اس تک ڈاکٹر ڈاہرگ کے وجود سے لاعلم تھیں جب تک آپ کے ڈیڈی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اچھا آپ جرمنی میں پیدا ہوئی تھیں نا۔“

”جج جی.... ہاں!....!“ سارہ نے ہونوں پر زبان پھیری۔

”پروفیسر غوری کی آدمی عروہ ہیں گزری ہے۔“

”جی ہاں!.... یہ بھی صحیح ہے۔“

”آپ کے دادا سورگ پور میں رہتے تھے۔“

”شائد یہ بھی درست ہے۔“

”اور پروفیسر اپنے باپ کی موت کے بعد ہی جرمنی سے واپس آئے تھے۔“

”جی ہاں! مجھے گھر احمد میں کہ میں اپنے دادا کو نہ دیکھ سکی۔ تاہے وہ بہت بڑے سائنس تھے۔“

”لیکن سورگ پور میں پروفیسر غوری کو کوئی بھی نہیں پہچانتا۔“

”ظاہر ہے کہ وہ بچپن ہی میں بغرض تعلیم جرمنی بھجوادیے گئے تھے۔“

”جی ہاں! لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی یہاں انہیں پہچاتا ہی نہیں تھا تو اپنے باپ کا ترک کیسے مل سکا۔“

”آن کے بعض احباب نے شہادت دی تھی، جو ان کے ساتھ جرمنی میں رہ پکے تھے۔“

”بعض سے یہی مراد ہے نا آپ کی کہ ایک سے زیادہ احباب نے شہادت دی تھی۔“

”جج... ہاں!“

”بپس سرکاری ریکارڈ سے صرف ایک ہی آدمی کا وجود ثابت ہوتا ہے جس نے شہادت لائی۔“

”ہو سکتا ہے میری معلومات غلط ہوں۔“ سارہ نے لاپرواں سے کہا۔

”میا آپ نہیں جانتیں کہ وہ آدمی ڈاکٹر ڈاہر ہے۔“

”ممکن ہے.... وہی رہے ہوں۔“

”لیکن پروفیسر غوری کا بیان ہے کہ ڈاکٹر ڈاہر سے ان کی یونیورسٹی جان پہچان تھی۔“

”پھر بتائیے میں کیا کروں۔ میں تو آپ کو پہلے بھی بتاچکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں۔“

”اللہ میاں۔“ حمید نے چھٹ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اگر تم نے مجھے اسی بیٹی کا باب بنایا تو

”ادرسی شادی کرلوں گا۔“

”آپ ڈفریں۔“ سارہ جلا گئی۔

”پھر بھی کیوں نہ کریک سمجھے گی۔“ حمید نے مخفی سانس لی۔

”میں احتاج کرتی ہوں۔“ سارہ نے سرخ ہو کر کہا۔ ”ان سے کہنے اپنی زبان بند رکھیں۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی حمید کو گھوڑنے لگا۔

”آہ!...“ حمید کرہا۔ ”میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ زخمی ہوں اور مجھے آرام کی ضرورت ہے۔“

”وہ بستر پر دراز ہو گی۔ فریدی پھر سارہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”پروفیسر کا پورا نام مقدس غوری ہے تا۔“

”جی ہاں۔“

”مقدس!...!“ حمید یک اچھل پڑا۔ ”مقدس!... وہ مارا۔“

”کیا یہ کوئاں؟“

”مقدس!... مثلث!... سارہ!... دارہ!...“ حمید نے ہاک لگائی۔

”اور آپ اُو ہیں... ہاں!... سارہ نے قہقهہ لگایا۔ ”چلے ڈاکٹر ڈاہر کی موت کا معہ بھی حل

کر لے دا قی آپ بڑے زندہ دل ہیں۔“

”شائد اب تمہاری زبان کی بھی ڈرینگ کرانی پڑے گی۔“ فریدی اسے گھوڑا ہوا بولا۔

”میں اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔“ حمید بڑا کر خاموش ہو گیا۔ ویسے دہنماں ہے سے ”مقدس سارہ“ پر غور کر رہا تھا۔ فریدی کے خیال کے مطابق اگر انکی شخصیت کی تکمیل تھا تو مقدس اور سارہ بھی صوتی اعتبار سے ڈاکٹر کو مشاث اور رانہ یاد دلا سکتے تھے۔ با اسی طرح جیسے لفظ چند رنگوں کا خیال آتا ہے اور نمرود کے نام پر زبان اسرد کا ذائقہ فرم کرنے لگتی ہے۔

وہ پھر ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سارہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ”آخر اپ کے متعلق کون ہی نبی خبر سنائے والے تھے۔“

”بہت بُری۔ پروفیسر کے ہاتھوں میں با قاعدہ طور پر ہجھٹیاں پڑ جائیں گی۔“

”آپ خواہ خواہ مجھے زوس کر رہے ہیں۔“

”اُس نے آج ایک بیک کولوٹ لیا۔“

”میرے خدا....؟“ سارہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”اوہ پھر جس وقت اُس پر فائز کے گئے تو وہ خم کرا ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔“

”مرا نہیں....؟“ سارہ کی حیرت بڑھی جا رہی تھی۔

”اُس کے گرد چمکدار غبار سا گردش کر رہا تھا۔ سر سے جید تک.... گولیاں اُس سے کہ نکل جاتی تھیں۔ پھر جب وہ بھاگا تو غبار بھی اُس کے گرد چکراتا ہوا ساتھ ہی متحرک ہو گیا تھا کہ جب وہ چلانکیں لگاتا تھا تو غبار اُس کے ساتھ اور پر بھی اٹھ جاتا تھا۔“

”ڈیوٹی....!“ سارہ پا گلوں کی طرح جیجنی اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔

فریدی نے چھپت کر اُس کا با تھ پکڑ لیا۔

”چھوڑیے.... مجھے چھوڑ دیجئے۔“ وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔

حید، گی بوکلا کر چیخ کوڈ پڑا۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ڈیوٹی کے پاس.... ڈیوٹی۔“ وہ کسی تنقیٰ سی بچی کی طرح پھوٹ کر رونے لگی۔

”خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے۔ ڈیوٹی کی زندگی میں تو یہ نا ممکن تھا۔“

”وہ محفوظ ہیں۔ اپنی کوٹھی میں ہیں۔ وہاں پولیس کا پسہ رہے۔“

”نہیں.... نہیں.... مجھے فوج کے سانچیلیک ریروج کے ادارے میں لے چلتے۔ خدا کے لئے دینہ سمجھتے۔ ڈیوٹی خطرے میں ہیں۔“

”لیکن آپ وہاں کیوں جانا جائتی ہیں کوئی چلتے میں آپ کو دکھاؤں کہ پروفیسر محفوظ ہیں۔“

”وہ ڈیوٹی نہیں ہیں.... وہ ڈیوٹی نہیں ہیں۔“

حید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”تو پھر مجھے وہاں لے چلتے جہاں آپ کے ڈیوٹی تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”چلتے.... جلدی سمجھتے۔ یا خدا وہ زندہ ہوں... یا خدا۔“

”وہ دونوں ٹپے گئے تھے۔ حید بیٹھا ہی رہ گیا۔“ فریدی نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ یہ بھی میں جانتا تھا کہ دونوں کہاں گئے ہوں گے۔

حید اُس کے متعلق سوچ رہا تھا جسے سارہ نے اپنا ”ڈیوٹی“ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن کچھ دیر پہلے اُسے نہ صرف ”ڈیوٹی“ بلکہ کریک بھی ثابت کرتی رہی تھی۔ پھر کریک بیک

لادر سے ڈیوٹی کے لئے سر پیٹھے گلی۔ لیکن یہ تدبیلی اُسی وقت ہوئی تھی جب فریدی نے اُس

نمیں بچے کے متعلق ایک نبی خبر سنائی تھی۔ گویا اس سلسلے میں وہ بچہ اتنا ہی اہم نہیں تھا جتنا کہ اُس

لے اُرڈ چکرانے والا چمکیلا غبار ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بچے کے تذکرے تو وہ پہلے بھی سنتی رہی تھی۔

بہر حال ان لوگوں اور ڈاکٹر داؤڈ کے درمیان کوئی گہرا تعلق تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ

ماہ قتل بھی کسی نہ کسی طرح انہیں لوگوں سے متعلق ہو۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اتنا خیں بھی نہیں تھا کہ تحسیں کی اُس لہر کو دبا نے کی ضرورت پیش

نہ ہو ان غیر متوقع حالات میں اچانک پیدا ہوئی تھی۔

ہپتال میں مریض کی حیثیت سے تو داخلہ ہوا نہیں تھا کہ باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش

نہ۔ بُس ڈرینگ کرنے کے بعد وہ ایک کرے میں جالیٹا تھا۔

باہر آتے وقت کوئی آدمی بھی نہیں ملا جو رسمائی اُسے مزید آرام کی اہمیت سمجھا سکتا۔ لیکن

لوٹیل گئی۔ اُس نے ڈرائیور کو پروفیسر محفوظ کی کوئی کاپڑتہ دیا۔

اندر ہر اپنیل چکا تھا۔ شہر کی بھری بُری سڑکیں جملگا اٹھی تھیں۔

حید کو یقین تھا کہ سارہ فریدی کو اُس کی کوئی ٹھیکی بجائے کہیں اور لے گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

چلکا عبارت
پریلہ کیا میں قیام کرنے والا اس کا "ڈیڈی" تھا ہی نہیں تو وہ وہاں کیوں گئی ہو گئی؟ وہ تو اپنے

پانچ سورو پے ماہوار کا ملازم ہوں۔"
کس نے ملازم رکھا تھا۔" دوسری آواز آئی۔

"ڈاکٹر اودنے۔ اُس نے مجھے مکرم علی سے پروفیسر غوری بنا دیا تھا۔ سارہ مجھے ڈیڈی کہتی ہے لیکن بالکل انوکا پٹھا سمجھتی ہے.... میں کیا کروں۔ پہلے پچھے نکلا اور چائے مار مار کر میری کھوپڑی خالی کر دی اور اب یہ مصینت۔ پتوں... جج... جیب میں رکھ لوپارے بھائی۔ یہ دیکھو میں تمہارے حکم سے کتنی آہنگی سے گنتگو کر رہا ہوں۔ میری آواز باہر نہیں جا سکتی۔ اب تم بھی رحم کر دیو۔"

"تو تم نہیں جانتے کہ پروفیسر غوری کون ہے۔"

"نہیں پیارے بھائی بالکل نہیں۔ میں نے تو آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے لہاگی تھا کہ میں کسی قسم کی چھلانگ میں نہ کروں ورنہ مجھے اس ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔" اچھی بات ہے۔ میں ابھی پھر واپس آؤں گا۔ لیکن اگر تم نے میرے بارے میں کسی سے ذکر کیا تو تمہاری کھوپڑی میں کئی سوراخ ہو جائیں گے۔"

"اے نہیں! بالکل نہیں۔ یقین یکجہے کسی سے بھی نہیں کہوں گا۔"

حید ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور باہر سر نکلنے والے کی ناک پر اُس کا ہپر پورہ تھا پڑا وہاں چھل کر کمرے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر شائد وہ پتوں ہی کے لئے جیب میں ہاتھ ڈال رہا تھا کہ حید نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے سینے پر سوراخ تھا۔ مغلوب اُسے گرا دینے کے لئے زور کرنے لگا تھا دیر میں حید اس کی جیب سے روی اور بھی نکال چکا تھا۔ "نہیں جیری! مشکل ہے۔" حید نے اُسے رگڑتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے بھی کئی بار میرے ہاتھوں پٹھے چکے ہو۔"

"میں تمہیں مار داؤں گا۔" جیری بانپتا ہوا بولा۔ حید نے اس کی پیشانی پر روی اور کادستہ رسید کر دی۔ ناک سے تو خون بہرہ ہی رہا تھا پیشانی کی کھال بھی پھٹ گئی۔

"ہاں اب بتاؤ! تم کسی سفارتخانے کے لئے کام کر رہے ہو یا موچھوں والی عینک کے لئے۔" "خاتمه ہو گیا۔" جیری بھرا تھی ہوئی آواز میں بولا اور اُس کے ہاتھ پر ڈھیلے پڑ گئے۔ حید نے پروردہ تمن رگڑے دیئے اور جیری کو زبان کھولنی ہی پڑی۔

جب اس کو بھی میں قیام کرنے والا اس کا "ڈیڈی" تھا ہی نہیں تو وہ وہاں کیوں گئی؟ وہ تو اپنے بھی تک اپنا بابا پ ظاہر کرتی رہی تھی۔ جب وہ اپنی ذمہ داری پر کسی کام میں ہاتھ لگاتا تھا تو اس کی کھوپڑی عموماً کار آمد ہی ثابت ہوتی تھی۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ کپاڈنڈ کے چھانک میں پر رکے لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ لگے ہاتھوں ان لوگوں کی کار کردگی کا امتحان بھی کر لیا جائے جو کوئی کی مگر انی کر رہے تھے۔

پروفیسر غوری پولیس کی نگرانی میں تھا۔ یہ فریڈی ہی کی تجویز تھی کہ اُسے معمولی حالات کو مجھے اس کی کوئی بھی میں مقید کر دیا جائے۔ لہذا کوئی بھی کی کپاڈنڈ میں پچھے پولیس کا نیسل ایک اے۔ ایس۔ آئی کے ساتھ موجود تھے۔

حید نے ٹیکسی کو بھی سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کوئی اور چھانک کی طرف جا رہی تھی کی پشت پر آیا۔ کپاڈنڈ والی پانچ یا چھٹی سے زیادہ اوپری نہیں تھی۔ بہ آسانی پارا جاسکتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کپاڈنڈ میں تھا۔ کپاڈنڈ کا یہ حصہ تاریک اور سنسن انظر آیا۔ اُس کا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا تھا کہ اندر کرنے والے چھانک ہی کی طرف ہوں گے۔

اب اُس نے سوچا کہ کسی طرح ان کی لامعہ میں عمارت کے اندر بھی پہنچانا چاہئے تا جواب طلب کرنے میں کسی قسم کی چھکا ہٹ بھی باقی نہ رہے۔

اس میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ایک چھوٹا سا عقبی دروازہ اسے کھلا ہوا ملا لیکن اُسے بھی نہ سوچنا پڑا کہ کہیں پروفیسر نگرانی کرنے والوں کو دھوکے میں رکھ کر اسی طرف سے فرار ہو گیا ہو۔ وہ بے پاؤں چلتا رہا۔ پھر دفتار اسے ایک جگہ رک جاتا پڑا۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن روشنی داں کے شیشے تھے اور اندر کوئی دبی ہوئی آواز میں گھنٹھا ہی رہا تھا۔

"ویکھو.... مجھے مارنا مت۔ نہیں نہیں۔ پچھے نہیں جانتا۔ میں سائنسٹ نہیں ہوں مدد بالکل گدھا ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ وہ لڑکی کم بخت۔ مجھ سے الٹے سیدھے تجربات کرایا کر تھی۔ ہاں سارہ... پھر ڈاکٹر ڈوہرگن نے شتر مرغ کا پچھے نکالنے کا مشورہ دیا۔ میں نہیں جانتا آدمی کا پچھے کیسے نکل آیا تھا۔ خدا کے لئے یہ پتوں جیب میں رکھ لو۔ میری سنو۔ یہ پچھے... ہے سارہ کی شرارت ہے۔ اُس نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو آئھے

”نہیں میں خائف نہیں ہوں۔ مجھے بہر حال کسی نہ کسی بد نصیحت کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔“

”غوری نہیں ہے۔“

”مگر ڈینی کی زندگی میں یہ ناممکن تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کپاؤٹنڈ میں داخل ہوئے۔ کچھ دور چل کر ان کا نجی چوکیدار بیہوش پڑا
یر آمدے میں بھی تین کا شیبل ڈھیر نظر آئے۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی خواب آور گیس سے کام لیا گیا ہو۔“ فریدی بڑا بڑا۔
وہ اندر داخل ہوئے۔ فریدی نے محدود روشنی والی نارچ روشن کرنی تھی۔ عمارت کے کسی
میں روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔

”میں ہی وہ راہداری کے سرے پر پہنچ فریدی کے شانے پر کوئی سخت سی چیز لگی تکن
رے ہی لمحے میں حملہ آور کا ہاتھ اُس کی گرفت میں تھا۔ پھر اتنی پھرتی سے اُس نے اُسے
نپر لاد کر پٹھا ہے کہ اس کی آنکھوں میں تارے ہی ناق گئے ہوں گے۔ نارچ گرگی تھی۔ سارہ
بچٹ کر اسے اٹھایا۔“

فریدی حملہ آور کے سینے پر سوار اُس کی کپٹیاں دبارہ تھا اور وہ اس طرح کراہ رہا تھا جیسے
نہ آہستہ اُس کی کھوپڑی کی بڈیاں اپنی چکبوں سے کھک رہی ہوں۔
سارہ تھیرانہ انداز میں منہ پھاڑا دیکھتی رہی۔ نارچ کی روشنی مغلوب حملہ آور کے چہرے
رہی تھی۔ اُنکے چہرے پر ایسی تکلیف کے آثار موجود تھے جیسے وہ اعصابی تشنج میں بستا ہو گیا ہو۔
فریدی نے اُس کی چیزوں کی تلاشی لے کر یو اور چا تو برآمد کیا۔

یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہ لوہے کی وزنی سلانخ فریدی کے شانے پر پڑی تھی۔ حالانکہ نشانہ سر
لبھا ہو گا۔ اگر وہ صحیح نشانے پر بیٹھی ہوتی تو خود فریدی ہی حملہ آور کی جگہ لینا نظر آتا۔
حملہ آور بے حس وہ حرکت ہو چکا تھا۔ فریدی اُسے کھینچ کر ایک کرمبے میں لے گیا۔

”اب جلدی بھی بیٹھ۔“ سارہ بڑا بڑا۔ ”میرے خدا میں کیا کروں۔“

”میں پھر مشورہ دوں گا کہ مجھے وہ جگہ بتا دو اور خود بیٹھن ٹھہر دو۔“

”کیا آپ کو مجھ پر کسی قسم کا شہر ہے۔ کیا آپ نے میرے بیان پر یقین نہیں کیا۔“

”ذالی تحریبات ہی مجھے کسی امر کا یقین دلاتے ہیں.... چلو....!“

”وہ کہاں ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ.... وہ اس وقت پروفیسر کی تجربہ گاہ میں ہو گا۔ کیپٹن مجھے چھوڑ دو۔ میر
اُسے گرفتار کر ادول گا۔“

حید نے اُس کی باث پر دھیان دیے بغیر احمد پروفیسر سے کہا کہ وہ باہر نکل کر مگر ان کو
والوں کو اندر بلالے۔

آخری معرکہ

فریدی کی کار بڑی تیز رفتاری سے یہاں تک آئی تھی لیکن اس کے باوجود بھی سارہ کو
رہی تھی۔ ”تائیکی رفتار سے تو ہم کبھی نہ پہنچ سکیں گے۔“

گاڑی تجربہ گاہ سے کچھ فاصلے پر ہی روک دی گئی۔

”کیوں یہاں کیوں؟“ سارہ بڑا بڑا۔

”احتیاط! میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ نہ پہنچ تہذیبیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔“

”آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہاں پر الگا گایا ہے۔“

”ہاں کہا تو تھا۔ مگر سابقہ ایسے لوگوں سے ہے جن کی نظروں میں مٹھی بھر مسلخ آدمیوں کی کوئی
وقوع نہیں ہو سکتی۔“

”لیکن آپ تہا آئے ہیں۔“

”میں تہاہی کام کرنے کا عادی ہوں۔“

وہ کپاؤٹن کے پھانک تک پیدل آئے۔ فریدی کا شہر بے بنیاد نہیں تھا۔ دباور دی کا نیٹ
پھانک کے قریب لے لے لیئے ہوئے نظر آئے۔

”اوہ.... میرے خدا۔“ سارہ کی آواز کا نپر رہی تھی۔

فریدی نے انہیں ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد کہا۔ ”صرف بیہوش میں! اچھا تم مجھے وہ جگہ بنا
خود بیٹھن ٹھہر ف۔“

”نہیں.... نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ میں ساتھ چلوں گی۔“

”تو پھر ڈرو بھی مت۔“

ہم کے کسی احساس میں بنتا رہا ہو۔ کیونکہ اوپر آنے کے بعد سے پھر اُس کے قدموں میں اسی نہیں سنائی دی تھی۔

فیری نے اندازہ لگایا کہ وہ کس بجلہ ہو سکتا ہے۔ پھر یک بیک اُس نے بائیں ہاتھ سے تارچ نکل دی جس کی روشنی میک ہی آدمی کے چہرے پر پڑی۔ یہ کوئی ناقب پوش تھا۔ وہ شاند اس لئے چار، نیس تھا اس لئے سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی کا ہاتھ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ ساتھ ہی

یہی نامہ رکھ رہا تھا۔ اس پر اپنے پیارے بھائی کو اسے مل دیا۔ سارہ نے
”مازج الٹھاؤ... سارہ۔“ اُس نے نقاپ بوش کی گردن دیکھتے ہوئے کہا۔ سارہ نے
لائے ہوئے انداز میں مازج الٹھائی۔ فریدی اتنی دیر میں اُسے بے بس کر کے اس کے چہرے
نقاپ پہنچا کھا۔ روشنی پڑتے ہی اُس نے ہنس کر انگریزی میں کہا۔ ”اوہ... آپ ہیں۔ ہٹے
نہ ہے تھے لگے ورنہ آپ پر ہاتھ ذالٹے میں ذرا دشواری ہوتی۔“

”نم کون ہو۔“ مغلوب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اوہ.... تم ابھی تک میری شکل نہیں دیکھے سکے۔ سارے ذرا اسے میری شکل دکھاؤ۔“

مدد و روشی والی تاریخ کاروشن دائرہ فریدی کے چہرے پر بیٹگ آیا۔
”اوہ...!“ مغلوب کرالا اور پھر فریدی کو نیچے گرا دینے کے لئے شامنگ لگا۔

”یہ کون ہے۔“ سارہ نے کیکیاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اوہ....ایک بڑے ملک کے میزز سفیر کے فوجی اتنا شی۔“ اُس
ساکے منہ مرالٹا ٹھر رسد کرتا ہوا بولा۔ ”تھبہ خانے میں کون ہے۔“

لگ... کوئی نہیں... کوئی بھی نہیں... میجر وال...!

”کہاں کہاں شکریہ گئے۔ انتہا پر کہاں

ہاں..... ہاں..... ہو حامیوں یوں ہوئے۔ یہ جاسا ہوں نہ

لادپیکی لے رہا ہے اور تم دونوں ایک دوسرے کو حسم بھی لر دینا چاہیے

دل کے نصیب کی تھی، لئے کہا کر رہا تھا۔ مجھے علم سے کہ ڈاکٹر داؤڈ کو مجھ

”مُحَمَّدٌ“ تَسْمِيَةً لِلرَّبِّ يَسُوعَ الْمَسِيحِ

م... سیجر و این میهان موجود ها - سکنوب ہامپا ہو ابوالا -

اہل بوتے بھی دیکھا تھا۔ لیکن پھر نہ تو وہ واپس آیا اور نہ تھہ خانے ہی

سائزہ پھر آگے بڑھی۔ اس بار فریدی نے مارچ اُسی کے ہاتھ میں رہنے دی تھی۔ لیکن، سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے حصے میں آئے جس پر کسی لوہار کی دوکان کا دھوکا ہوا۔ کام اپنے طرف مختلف قسم کے اوزار بکھرے پڑے تھے۔ سائزہ رُک گئی۔ مارچ کی روشنی کی لکیر ایک ہوئے دروازے میں زینگ گئی تھی۔

”کوئی اندر ہے۔“ دکان پتی ہوئی بولی۔ ”یہ دروازہ مغل رہتا ہے اور کنجی صرف میرے یو رہتی ہے۔“

”ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی اندر ضرور ہو گا۔“ فریدی بولا۔ ”ونہ پھرے دار بیہوش پائے جاتے اور مجھے ایک آدمی کو کیوں بیہوش کرنا پڑتا۔“

وہ اس کو ٹھری میں داخل ہوئے سامنے دیوار پر ایک فحاس اسرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔ ”کوئی اندر گیا ہے۔ لیکن پھر اس کی واپسی نہیں ہوئی۔“ سارہ بھرائی ہوئی آواز میں

”لایا ای میر و قتیر مانند کرد“ فرمودی کالج کوچک در شستاده هشتاد و هشت کارخانه

بڑھی اور فرش پر اکٹوں بیٹھ کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ پھر یک ہلکی سی آواز ہوئی اور کوئی گوشہ نہ تھا۔

لے ایک لوئے میں فری پرای خلا مکو دار ہوئی بس سے ایک آدمی بہ انسانی لذت سماں تھا۔
”ہمہر و.... پیچھے ہٹ آؤ۔“ فریدی نے اُس سے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر

”مہارے بیان پر یعنی لر لینے کی وجہ میری بحث میں بھیں آئی۔“ سائزہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ لیکن فریدی اُس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز

سن رہا تھا۔ فعتا وہ بولی۔ ”اس پر بھی غور کیجئے جناب کہ میں اس بیان کے ساتھ آپ سے طالب نہیں ہوئی تھی۔ آپ خود ہی تشریف لائے ہیں۔ میں مجھے خار ہوئی ہوں۔“

”طہر....!“ فریدی اُس کا ہاتھ دبکر آہستہ سے بولا۔ ”اوہ نہ شد آؤ۔“

جیسے زینوں پر کوئی چڑھ رہا ہو۔ وہ دونوں کھنک کر دیوار سے جا لے گا۔ پھر وہ سرخ بلب بکھا گا۔

کچھ دیر پہلے دیوار پر روشن نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے کوٹھری میں کسی تیسرے آدمی کی موجودگی کی۔ لیکن گھری تاریکی کی بیان پر وہ اُسے نہ دیکھ سکا۔ ہو سکتا ہے تھہ خانے سے برآمدہ

”پھرے داروں کو کس نے بیہوش کیا تھا۔“

”ہم نے انہیں بیہوش ہی پیا تھا۔“

”اوہ تو میرجا و اللہ ہی پہلے پہنچا تھا۔“ فریدی بڑا بڑا۔

اُس نے سارہ کی مدد سے مغلوب کے ہاتھ اُس کی پشت پر باندھے اور اُسے بھی دھکنے تھے خانے میں لایا۔

”ڈیڈی... ڈیڈی... ڈیڈی۔“ سارہ پاگلوں کی طرح چینچتی ہوئی چاروں طرف دروازہ رہی تھی۔

تھہ خانہ بہت دسیع تھا جس کی تعیز پر کثیر رقم خرچ کی گئی ہو گی۔ چاروں طرف مختلف سامنی آلات نظر آرہے تھے اور یہ یقینی طور پر کسی سامنہ دان کی تجوہ پر گاہ معلوم ہوتی تھی۔ سارہ پر پھر دروازہ ساپنگ گیا تھا۔ اس لئے کچھ ذقت اُسے خاموش کرانے میں بھی صرف ہر بہت زیادہ نرود نظر آرہی تھی۔ فریدی نے قیدی سے پوچھا۔ ”تمہیں یقین ہے کہ تم نے والٹن کو واپس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔“

”مجھے یقین ہے! دیکھو کر قتل کیا تم اس معاطلے کو یہیں ختم نہ کر سکو گے۔“
”کیا مطلب...!“

”جتنی رقم چاہو... مجھ سے طلب کر سکتے ہو۔“

”تم جتنی رقم کہو میں تمہارے ساتھ دفن کر دوں۔“ فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دھونے کہا۔ ”ہر آدمی بکنے کے لئے نہیں ہوتا کر قتل سلان...!“

”میرا کچھ بھی نہیں بگوے گا۔“ قیدی سینہ تان کر غریب۔ ”تمہیں پچھنا پڑے گا۔“

”اتی عمر پچھاتنے ہی میں گذری ہے۔“ فریدی مسکر لیا۔ ”ایک یہ بھی سکی۔“

”کر قتل خدا کے لئے کچھ سمجھتے۔ میرے ڈیڈی۔“ سارہ پھر بول کلا کر کھڑی ہو گئی۔

”تمہیں یقین ہے کہ بیہاں سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”راستہ؟“ دچوک پڑی پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”ہے تو میں نے اکثر ڈیڈی بے نا لیکن انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”نہیں تم نہیں ٹھہرو۔ مگر میرا دعویٰ ہے کہ

اب بیہاں نہیں مل سکیں گے۔“

”اوہ... تو آپ کا خیال ہے کہ وہ مار ڈالے گے۔“ سارہ سکی لے کر بولی۔

”نہیں... قتل کرنے والا لاش کیوں اٹھائے پھرتا۔ وہ نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ یا تو

ذر نکل گئے ہوں گے یا انہیں کوئی بیہاں سے لے گیا ہو گا۔ لے جانے والا اگر قتل کرنا چاہتا تو

نہیں قتل کر دیتا کہیں اور لے جا کر قتل کرنا قطعی غیر منطقی اور قاتل کے لئے غیر محفوظ حرکت ہو گی۔“

”پھر اب میں کہاں جاؤں انہیں کہاں ڈھونڈوں۔“

”مر بے کام لو۔ میں بیہاں تھوڑا سا کام کرنا چاہتا ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر قیدی کی

لڑک مڑا ہی تھا کہ سامنے والی دیوار سے لگا ہوا ایک بلب جلدی جلدی جلنے اور بھختے رہا اس پر سارہ

کی طرح اچھل پڑی جیسے اب کسی نئے خطرے سے دوچار ہونے کا اندر یہ ہو۔

”کوئی آرہا ہے... کسی نے داخلے کا راستہ کھولا ہے۔“ اُس نے کہا اور فریدی نے قیدی کی

رف مذکر پوچھا۔ ”اوپر اہدواری میں تمہارا ہی کوئی آدمی تھا۔“

”ہاں...!“ قیدی بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ بھی بار بار جلنے اور بھختے والے بلب کو دیکھ

اگلے لیکن شاید اس کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیونکہ فریدی اور سارہ کے درمیان اردو

امیں لفظ ہوئی رہتی تھی۔

فریدی بچھت کر زینوں کے قریب پہنچا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اس طرح کہ آنے

لے کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ لیکن نہ تو زینوں سے قدموں کی آوازیں آئیں اور نہ بلب ہی بار

بلٹنے اور بھختے والی کیفیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

”بہت سمجھتے۔“ دفعتاً تھہ خانے کے کسی گوشے سے آواز آئی اور فریدی کا ہاتھ سیدھا جیب کی

ن چلا گیا اور پھر آواز کی طرف مرتے ہوئے وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ اعشار یہ تین آٹھ کے

اور کے درستے پر اُس کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور انگلی تریگی پر رکھی ہوئی تھی۔

”زیوال روزین میں پر گرد و کر قتل فریدی۔“ میراثانہ کبھی خطاب نہیں کرتا۔ ”میرجا و اللہ نے کہا۔ وہ

اوقت اپنے اصل روپ میں تھا۔ یعنی نہ تو اُس کی آنکھوں پر غیر معمولی ساخت کی تاریک

وں والی عینک تھی اور نہ ہی ہونٹوں کو ڈھک لینے والی مصنوعی موچھیں۔ بہر حال وہ سو فیصدی

علوم ہو رہا تھا۔

وہ شاہزادی راستے سے تہہ خانے میں داخل ہوا تھا جس کا علم سارہ کو بھی نہیں تھا
سارہ اُسے خوفزدہ نظرؤں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی شکل ہی ایسی ڈراؤنی تھی۔
”مجھے علم ہے کہ تم بہت اچھے نشانہ باز ہو۔“ فریدی مسکرا لیا۔

”اس لئے جہالت سے کام لینے کی بجائے عکلند کہلا۔ یعنی رویا اور زمین پر ڈال دوئیم
ویسے بھی کسی قسم کا بھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ اوہ.... کرنل سلان تم بھی موجود ہو۔ خوب۔ اس
کیا تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ زیادتی کس نے کی ہے۔ شاید آج میرے ستارے ہبھت ایسے
ہیں۔ دو چالاک دشمن ایک ہی جگہ ہاتھ آگئے۔ فریدی تم نے ابھی تک رویا اور زمین پر نہیں گریا
”مجھے بھی کچھ اسی قسم کی غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میر انسان بہت اچھا ہے۔“ فریدی مکر،
بول۔ ”اس لئے رویا اور ہاتھ ہی میں اچھا لگتا ہے۔“ ویسے زمین پر گردائیں سے اس کے دم توڑا
نہ آئے گی۔“

”اچھا تو سنبھلو۔!“ میجر والٹن نے فائز جھونک مارا لیکن گولی سامنے والی دیوار سے گمرا
بھر اُس کی طرف پلٹ گئی۔ پھر فریدی نے اُسے دوسرے فائز کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے رویا
سے بھی شعلہ نکلا اور میجر والٹن کا رویا اور اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جاگا۔ وہ اُسے دبا
اٹھا لینے کے لئے جھپٹا ہی تھا کہ فریدی نے لکارا۔

”اپنی جگہ سے جنمیں نہ کرو تو بہتر ہے والٹن! ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہارے ہاتھ میں
خراش سکنے آئی ہو گی۔ اس اسٹائل کی گولی ہمیشہ نال ہی پر پڑتی ہے۔“

میجر والٹن دم بخود رہ گیا۔ غالباً وہ سورج رہا تھا اگر اس وقت اس کی پوزیشن ذرا اسی بھی تبدیل
ہوئی ہوتی تو فریدی کی گولی اُس کے رویا اور پر پڑنے کی بجائے سینے ہی میں اُرتقی چلی جاتی۔
”پروفیسر غوری کہاں ہے۔“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔

”اوہ.... کیا وہ اپنی کوٹھی میں نہیں ہے۔ میں نے سنا تھا کہ وہ وہاں نظر بند کر دیا گیا ہے۔
والٹن کے لمحے میں حرمت تھی۔“

”تم یہاں کیوں آئے تھے۔“

”اُس بچے کا راز معلوم کرنے جس نے ڈاکر زنی بھی شروع کر دی ہے۔“
”یا مطلب؟ کیا وہ تمہاری حرکت نہیں تھی۔“

”صرف اسی حد تک کہ میں نے شتر مرغ کا پچھہ نکالنے کے امکانات پر پروفیسر سے بحث کی تھی۔“
”تو پھر... یہ سلان۔“

”میں بھی اس سے تکمیل پوچھنا چاہتا تھا۔“ والٹن نے کہا۔
”میں کیا جاؤں۔“ سلان غرایا۔

”تو پھر پروفیسر ہی نے اپنی اسکیم تبدیل کر دی ہو گی اور اس چمکیلے غبار کو ڈاکہ زنی کا ذریعہ بنانا
پا ہا ہو گا۔ نہیک ہے اگر یہ سلان کی حرکت ہوتی تو یہ اس وقت یہاں کیوں دکھائی دیتا۔“

”میا تمہیں علم ہے کہ وہ پروفیسر غوری نہیں تھا جسے تم نے اتنے بچے والا تجوہ کرنے کا
شورہ دیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں....!“ والٹن کے لمحے میں حرمت تھی۔ ”یہ کیسے ممکن ہے۔“
”پھر تم یہاں تہہ خانے میں کیسے آپنچھ۔“

اپاک سلان نے جو ابھی تک چپ چاپ کھڑا ہوا تھا فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی اس کی
رف سے غافل تھا۔ اس لئے لڑ کھڑا گیا۔ والٹن کے لئے بھی لمحہ کر گزرنے کے لئے مناسب
مل۔ لہذا وہ بھی جھپٹ پڑا۔ وہ دونوں بیک وقت فریدی پر گرے تھے۔

گو سلان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور میجر والٹن اس کا بھی دشمن تھا لیکن شاید اس وقت
لے کے ذہن میں فریدی کی ممکنہ موت کے علاوہ اور کسی چیز کا تصور نہیں تھا۔ فریدی کی موت ہی

لے کی بچت کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ دوسری صورت میں وہ خود بھی ذلیل و خوار ہوتا اور اُس کے
لے کے میں لا اقوامی و قار کو شدید دھکا لگتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے فریدی پر میجر والٹن کو ترجیح
لی تھی۔

فریدی کے ہاتھ سے رویا اور بھی نکل گیا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش شروع کی لیکن کچھ اتنا
بٹاگر تھا کہ وہ دونوں اُسے رکڑے ڈال رہے تھے۔

اپاک سارہ نے لو ہے کی ایک کری اٹھائی اور سلان کے سر پر دے ماری۔ وہ بلباکر پلٹائی
ناکر دوسری بار بھی اس کا سر ہی نشانہ ہوا۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ ہاتھ اب بھی بندھے

تھے۔ چوتھا اس لئے بس فرش پر پیر ہی مار تارہ گیا۔ اٹھنے سکا۔

”دوسری طرف فریدی اس طرح اٹھا کہ میجر والٹن بھی اُس کے ہاتھوں پر اٹھتا چلا گیا۔ اُس

نے اسے سر سے بلند کیا اور زمین پر دے مارا۔

”بھیر... بھیر...!“ سارہ بچوں کی طرح تالی بجا کر چھپی۔ ”آپ آدمی ہیں یا الف
کے کوئی دیلو! خدا کی پناہ۔“

بھیر واللہ اٹھ کر بھاگا۔ فریدی اس کے پچھے رکا۔ لیکن واللہ اسی طرح جی چھوڑ کر دوڑ
جیسے ملک الموت سے پچھا چھڑانا چاہتا ہوا۔

جس راستے سے وہ باہر نکلا غالباً ہی تھا جس کا تذکرہ سارہ نے کیا تھا۔ لیکن خود اس
واقف نہیں تھی۔ یہ راستہ عمارت کی پشت پر لے جاتا تھا۔ اختتام چند ٹیلوں کے درمیان ایک
کے دہانے پر ہوا تھا جو کسی جانور کا بھث معلوم ہوتا تھا اور اسے گھنی جھاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔
پکھ دیر بعد فریدی اس جیپ کا رکے پچھے دوڑ رہا تھا جس میں بیٹھ کر بھیر واللہ
طرف نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ غالباً وہ جیپ اُسی کی تھی۔

فریدی کا اندازہ تھا کہ وہ سڑک تک پہنچنے سے پہلے ہی اس جیپ کو جائے گا۔ شائد وہ اس
پچھلی سینٹ پر بھی پہنچ جاتا کیونکہ راستہ تاہموار ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار بھی کم تھی اور اُ
کاہل بھی گرا ہوا تھا۔

جیپ اب سڑک کے قریب ہی تھی لیکن فریدی ابھی تک چھلانگ لگا کر اس نکل چکنے
کا میاب نہیں ہوا تھا۔

دفعہ سڑک پر اُسے کسی موڑ سائکل کی ہیئت لاثٹ نظر آئی اور وہ اُسی کی طرف دوڑا ج
جدھر مڑی تھی موڑ سائکل اُسی کی مخالف سمت سے آرہی تھی۔ فریدی نی دنوں ہاتھ اٹھا کر
سڑک پر کھڑا ہو گیا اور موڑ سائکل اُس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔

”ارے آپ...!“ سائکل سوار نے بیساختہ کہا۔

”کون حید... جیوان ندہ باد... ہنواگڑی چھوڑو... واللہ نکلا جا رہا ہے۔“

حید بوکھلانے ہوئے انداز میں اتر آیا۔ اور موڑ سائکل تیر کی طرح جیپ کے پچھے چل گئی۔

حید اندر ہرے میں آنکھیں چھاڑتا رہ گیا اور موڑ سائکل کی عقبی سرخ روشنی بھی پکھ گئی۔

”مدد ہرے میں گم ہو گئی۔“

”جیری کو اے ایس۔ آئی کے حوالے کر کے خود پروفیسر کی کوئی سے باہر آیا تھا۔ گمراہ
اپنے میں نہیں آرہا تھا کہ جھیریاں کس طرح پہنچے۔ دیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جیری سے

معلوم ہوا تھا کہ میجر واللہ پروفیسر کی تجویز بگاہ کی طرف گیا ہو گا۔ لیکن اس نے پہلے ہی
رُڑی تھی اور یہاں دوسری نیکی کا ملنا محض اتفاقات ہی پر منی ہو سکتا تھا۔

دنخاں اسے ایک ٹریفک سار جنت نظر آیا جو موڑ سائکل پر ادھر ہی آرہا تھا۔ اُس نے جھپٹ

لے دکا۔ سار جنت اسے پہنچا تھا اس لئے اُس سے موڑ بائیک حاصل کرنے میں دشواری نہ
بچھ جیسے اُس کی نیکی بھروائی تھی اور جھیریاں کی طرف روشن ہو گیا تھا۔

پہلی پہنچ پر یہ غیر متوقع حادثہ پیش آیا۔ اسے حادثہ ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ حید تو یہ سمجھ کر
ناک اگر کسی طرح میجر واللہ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو ہفتون فریدی سے اکڑ کر گفتگو
لے گا، پہلے اُس نے ضرور سوچا تھا کہ فریدی سارہ کے ساتھ ہیں آیا ہو گا لیکن پھر خود ہی

نیال کی تردید کر دی تھی۔ بھلا ایک ہی عمارت میں دو عدد ”ویڈی“ کس طرح ہا سکتے جب کہ
”میوں“ کا ایک ہی چھٹ کے نیچے صرف چند ہی گھنٹے بر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

”لاول ولاؤ...! اکیا صیبیت ہے۔ سر پر کا پتہ ہی نہیں چلتا۔“

یک بیک بائیں جانب سے کسی نے ”کرنل“ کو پکارا اور متواتر آوازیں دیتی ہی چلی گئی۔ وہ
ہی ہو سکتی تھی۔ حید نے آواز پیچان لی اور آواز کی جانب بڑھا۔ شاید فریدی بھی اسی جانب
ڑُک پر آیا تھا۔

”کرنل صاحب۔“ سارہ نے تھوڑے وقفہ سے پھر آواز دی۔ شائد اُس نے حید کو دیکھ لیا
نا اندھیرا ہونے کی بناء پر پیچان نہیں سکی تھی۔ حید کو بھی اس کی دھنڈی پر چھائیں تھے آئی
ویں رک گیا۔

”کون ہے۔“ سارہ نے قریب آکر خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”آتھی...!“ حید نے جواب دیا۔

”تمہرے ہاتھ میں پتوں ہے سمجھے؟“

”لاول ولاؤ...! میں ڈوئی یادست پناہ سمجھا تھا۔“ حید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”ارے بھی چلے نا۔“ سارہ نے جھلانے ہوئے انداز میں اُسے شہو کا دیا۔

”ہاں... آں۔ اُوہ پتول تھا تمہارے پاس لاو مجھے دو۔“

سارہ نے روپور اُس کی طرف بڑھا دیا۔ یہ غالباً میجر والٹن کا تھا جسے وہ تمہارے خانے ہی میں رکھا تھا۔ حمید نے اُسے جیب میں ڈال کر اجنبی اشارت کیا اور اُسی سمت گاڑی موڑ دی جدھر یہ گیا تھا۔

”بیز چلے.... آپ کو کیا ہو گیا ہے کیپن! آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ سارہ بولی۔

”میں آپ کے ڈیڈیوں کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ جھلانے چھوٹی سی عمر میں آپ نے کتنے لانگھ کئے ہوں گے۔“

”میرا معنکہ نہ اڑائیے۔“ وہ بھرائی سی آواز میں بولی۔ ”کرن جتنے شریف ہیں آپ یہیں!“

”اُس سے بھی کہیں زیادہ کمینہ۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ”غور توں کے معاملے میں وہ تکریل بدھو کہلاتے ہیں پھر عورتیں انہیں شریف کیوں نہ سمجھیں۔“

”اوہ تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہی ہوں۔“

”ہرگز نہیں! فراڈ تو میں کر رہا ہوں۔“

”لیا مطلب....!“

”لیکا کہ آپ میرے ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ ویسے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں آپ کو چلتی اسے نیچے پھینک دیتا۔“

”کاش آپ کو میری مظلومیت کا احساس ہو سکتا۔ وہ دردناک لمحہ میں بولی۔ آپ خود سوچ پہ کو آٹھ سال تک کسی گدھے کو ڈیڈی کہنا پڑتا تو آپ کا کیا حال ہو جاتا۔“

”لوگ مجھے گدھے کا پچھہ کر میری عزت کرتے! میری دم پر پھولوں کے ہار لپیٹتے۔۔۔ لامبھے رنگ کچن کہتیں۔ اوہ کہیں آپ بیٹھ کے اٹھنے سے تو نہیں برآمد ہوئی تھیں۔“

”لخت ہے مجھ پر۔“ سارہ بڑھ رہی۔ ”جن حالات کا میں شکار ہوں وہ میرے لئے دوسروں الیں ہمدردیاں بھی نہیں۔۔۔ حل کر سکتے۔“

”میرے کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سجیدگی سے پوچھا۔ ”ڈاکٹر داؤز سے آپ لوگوں کا

”اوہ.... لک... کون... حمید صاحب۔“

”نہیں صرف حمید... صاحب تو وہ تھے جو مجھے پیدل بنانے کے لیے خود پیا کے دلیں چلے گئے۔ یہاں کیا کر رہی ہو۔“

”وہ کندھر گئے ہیں۔“

حمید نے دامنی جانب ہاتھ اٹھا دیا۔

”اوہ.... براخوفاک آدمی تھا۔ دھوکے سے حملہ کرتا ہے.... چلے.... مگر کیسے.... اپنی گاڑی پر گئے ہیں۔“

”میں نے کہا تھا کہ مجھے اس وقت پیدل کہتے ہیں۔“

”اوہ.... تو آپ کی گاڑی میں گئے ہیں.... اُن کی گاڑی موجود ہے۔ چلے دیر نہ سمجھ۔“

”آپ کے ڈیڈی۔“

”وہ نہیں ملے۔ خدا کے لئے جلدی سمجھے جلدی۔“ وہ ایک طرف دوڑتی ہوئی بولی۔

بہر حال اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

فریدی نے اپنی گاڑی لیبارٹری ہی سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی پھر یہاں سے فاصلے کے بڑھ جاتا۔ دوڑتے دوڑتے حمید پر جھلاہٹ سوار ہو گئی اور اُس کا دل چاہنے لگا کہ اس تین رنگ کو چھلتی بار کر گرا دے۔

گاڑی تک پہنچنے کے لئے انہیں تقریباً تین فرلانگ لمبی دوڑ لگانی پڑی تھی۔

”چلے.... چلے.... میرے خدا آپ ذیر کیوں کر رہے ہیں۔“ اس نے اسے گاڑی دھکلتے ہوئے کہا اور خود بھی اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

دفتار حمید کے ذہن میں ایک شبے نے سراہا دی۔ یہ لڑکی شروع ہی سے اس کے لئے مم رہی تھی اور حالات بھی کچھ اس قسم کے پیش آئے تھے کہ وہ اب اُس پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ پروفیسر کو سب اُس کا بابا پ سمجھتے رہے تھے اور وہ خود بھی اگر سمجھتی نہیں تو دوسروں کو بھی رہی تھی۔ پھر یہکی دوسرا بابا پ کیسے پیدا کر بیٹھی یا ایسا کہ میٹھنے کی ضرورت کیوں محسوس کیں تھیں کہ فریدی کوئی غیر متوقع اور سختی خیز بات سن کر اُس کے ساتھ دوڑا جائے۔

کیس کے دوران میں ایک بار پہلے بھی انہیں اسی قسم کے ایک واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

کیا تعلق تھا۔“

”اوہ.... وہی تو اس بر بادی کا باعث بنا ہے۔ آپ نے ہسپتال میں مشکل اور دائرہ کے جو

ایک معنکے خیز بات کی تھی۔ نہیں جانتی کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے.... نہ

اوہ.... میرے خدا۔“ وہ یک بیک اچھل پڑنی۔

”کیوں....؟“

”بھئی کرتل جس کے پیچھے گئے ہیں.... وہ.... وہ بالکل الو معلوم ہو رہا تھا۔“

”اک تو میں بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔“

”یقین کجھے! بالکل الو معلوم ہو رہا تھا۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ اکیوں ہو رہا تھا۔ عجیب ساقرہ تھا۔“

”خیر چھوڑیے.... ہاں تو آپ ذاکر داؤ کے بارے میں کیا بتانا چاہتی تھیں۔“

”میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ قاتل مگر متعلق استفسار پر اُن کی زبان سے بظاہر تھا جسے وہ مرتبے وقت تک رثارہ تھا۔“

”ہذا ایسی اک تو اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔“ حمید نے بھٹدی سانس لے کر کہا۔ ”ایک میں اُس کے قاتل کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔“

”میں کرتل کو سب کچھ بتا بھی ہوں۔ زرافقار اور تیز کجھے۔“

”میں بھی آپ ہی کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔“

”مجھ میں اب سکت نہیں ہے۔“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

”یہ سفر جہنم کے دہانے پر توند ختم ہو گا۔“ حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”آپ کاذہن اسی تک میرے متعلق الجھائی ہو اے۔“ سارہ نے کہا اور پھر چوک کر کے اوہ.... وہ روشنی ہی تو ہے۔ اُدھر دیکھتے دائیں جاتے۔“

”یقیناً روشنی ہی تھی لیکن فاصلے کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ کار تیزی سے راستے طے کرتا۔“ ایک موڑ پر وہی روشنی کسی گاڑی کے ہیڈ لیپس کی روشنی ثابت ہوئی۔ لیکن وہ دوسرا ٹھیک نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ڈیبور کی پہاڑیوں کی دیو آس اپر چھائیاں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔

”وہ گاڑی جنگل کے قریب ہی معلوم ہوتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ کہیں وہ آپ کی ہی گاڑی نہ ہو۔“

”میں موڑ سا نیکل سے آیا تھا۔ گرد و سر اآدمی.... کیا وہ کوئی گاڑی لے بھاگا تھا۔“

”پتہ نہیں! میں بہت دری سے پہنچا تھی۔“

”تو پھر اسی گاڑی کو دیکھنا چاہئے۔“ حمید نے کہا اور گاڑی کچھ راستے پر اتار دی۔ اب اُس کا

ڈیبور کے جنگل ہی کی طرف تھا۔

تو چھوڑی ہی دیر بعد وہ اُس گاڑی تک پہنچ گئے۔ یہ ایک ایسی جیپ کا تھی جس کا ہڈ ندارد تھا۔

مکوئی اُسے اتنی جلدی میں چھوڑ کر گیا تھا کہ نہ تو اس نے ہیڈ لیپس بھلانے کی رسمت گوارا کی

یا اور نہ اس کی پروادہ کی تھی کہ انجمن چلتے رہنے سے خواہ مخواہ ایندھن ضائع ہو گا۔ حمید نے گاڑی

، نارچ نکالی اور قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔

”اوہ...!“ وہ ٹھنک گیا۔ نارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑی ہوئی ایک موڑ سا نیکل پر۔

گیا تھا۔

”کیا بات ہے۔ کیا یہ آپ کی بائیک ہے۔“ سارہ نے پوچھا۔ حمید نے اثبات میں سرکو جنپش دی۔

”خدا کی پناہ پھر یہی منوس پیڑا یا۔“ سارہ نے ٹھنڈی سانس لی اور حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

مک پہاڑیوں میں اُسے آج ہی کئی ذل ہلا دینے والے تجربات ہوئے تھے جن کی ذمہ داری کسی

مک شائد اس لڑکی پر بھی تھی۔

”تم واپس جاؤ۔“ اُس نے کہا۔ ”وہ یقین طور پر جنگل ہی میں داخل ہوئے ہیں۔“

”یہ ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے ڈیڈی بھی یہیں ہوں۔“

”یہ کس بناء پر کہہ رہی ہو۔“ حمید نے پھر کان کھڑے کئے!

”محض قیاس ہے۔“

حمدید نے جیپ کا انجمن بھی بند کر دیا اور ہیڈ لیپس بھی بھجا دیئے۔ اب وہ نارچ کی روشنی میں

مول کے نشانات ملاش کرنے لگا۔ یقین طور پر کچھ آدمی اُس جگہ سے چل کر جنگل میں داخل

ہے۔

”کیوں نہ ہم یہیں رک کر کرتل کی واپسی کے منتظر ہیں۔“ سارہ نے کہا۔

پہلے نمبر 27

دین کے عقل ٹھکانے آئی۔

اچھی طرح اجala پھیل جانے کے بعد وہ پھر ایک جانب چل پڑے۔ سارہ بہت شدت سے پر نظر آرہی تھی۔ اُس نے ایک بار جھلائی میں حمید سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اُسے ایک اپرواد اور نکنا آدمی سمجھتی ہے جس کے جواب میں حمید نے کہا تھا۔ ”پچ کر لیے مت چباو۔ میں نے تم سے کب خواہش ظاہر کی تھا۔ اتحہ بھبھ ماری پھرود۔“

اس کا کوئی بہن نہیں سارہ کے پاس۔ خاموش رہ جانے کے علاوہ اور کیا کرتی۔

تھا وہ ایک چنان سے اتر کر نشیب میں جا رہے تھے کہ اچانک انہیں کسی کے پر نظر نے جو ایک پھر پر لگئے ہوئے تھے اور جسم کا بقیہ حصہ پھر کے نیچے تھا۔ اس نے قریب پہنچ پھیر پھرہ نظر آتا مشکل ہی تھا۔ سارہ نے تو اُس تک پہنچنے میں اتنی عجلت لکھ کے ایک بار گردی پڑی تھی۔

”ارے..... یہ تو.... وہی ہے۔“ اُس نے چیخ کر کہا۔

حمدی نے پہلی ہی نظر میں اُسے پہچان لیا۔ یہ مجرد اللہ ہی تھا۔ جس کی تصور اُس نے فریدی لاؤ کونیڈ نسل فائل میں دیکھی تھی۔ لیکن وہ مرچا تھا۔ جسم پر کہیں بھی کوئی ایسا زخم نظر نہ آیا ہے گول گلنے کا نتیجہ سمجھا جا سکتا۔ البتہ سر کا پچھلا حصہ پاش پاپش ہو چکا تھا۔

”ادھ..... ادھ.....“ سارہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ”کرٹل نے اسے بالکل اُسی طرح اٹھا کر پناہ گاہیے تھہ خانے میں ٹھاکھا۔ خدا کی پناہ۔ ایسے کیم شیم آدمی کو سر سے اوچا ٹھاکر ٹھیٹھ دینا مجھے تو کی جن ہی کا کام معلوم ہوتا ہے۔“

”مجھے ذر ہے کہ کہیں یہ جن تھہارے سر پر نہ آجائے۔ لیکن اسے یاد رکھنا کہ یہ جن سو نغمدی عورت پروف ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت لاکیاں اس کے لئے شاخم کی تکاری نے نیا ہے۔ اہمیت نہیں رکھتیں جسے وہ اپنے دستر خوان پر برداشت تو کر لیتا ہے لیکن اس کی طرف دیکھنے کا بھی زحمت گواراہ نہیں کرتا۔“

”بکواس کیوں شروع کر دی آپ نے۔“ سارہ نے آنکھیں نکالیں۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کے خیالات اتنے گندے کیوں ہیں۔“

”محض اس نے کہ میں تو اکثر کچے شاخم بھی نگل جاتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور پھر مجرد اللہ

”انتظار تو تمہاری تجربہ گاہ میں بھی ہو سکتا تھا۔“ حمید نے خشک لبجھ میں کہا اور جنگل طرف پل پڑا۔

بہر حال وہ جنگل میں گھس پڑا لیکن کوشش بیسی تھی کہ سارہ سے ایک قدم بھی پچھے نہ رپائے! کیونکہ اُس کی طرف سے مطمئن ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک ادھر ادھر بھکنے کے بعد حمید کو اپنی حمact کا احساس ہوا کیونکہ وہ رہا کا تعین کئے بغیر جنگل میں داخل ہوا تھا۔

”میرے خدا.....!“ سارہ خوفزدہ لبجھ میں بولی۔ ”یہ کیسی بھی ایک آوازیں ہیں۔“

”مختلف قسم کے جانوروں کی ملی حلی آوازیں ہیں اور پچھے بھی نہیں۔ مگر کیا تم ڈر رہی ہو۔“

”عن..... نہیں تو۔“

میں حمید سے اتنی ہی عظیمدی ”سر زد“ ہوئی تھی کہ وہ لکھن کی اگلی سیٹ کے نیچے سے اتامی گن اور اُس کا پچھہ میگرین نکال لایا تھا۔

وہ بھکتے رہے لیکن جنگل سے نکلا مکمن نہ ہو۔ حمید خصوصیت سے اُن حصول کی طرف رہ نہیں کرتا تھا جہاں اُسے کائی نظر آتی تھی۔ آج ہی اس کالی کی پھسلن نے پکھنے سبق دیے ہے۔

سارہ کی وجہ سے اکثر اُسے دم لینے کے لئے رکنا بھی پڑتا۔ غیمت بھی تھا کہ ابھی تک جنگلی درندے سے، نہ بھیز نہیں ہوئی تھی ورنہ سارہ کو سنجالنا بہت مشکل ہو جاتا۔

وہ بھکتے رہے اور افق میں اجala پھیلنے لگا۔ حمید کے ذہن پر نیند کے ساتھ ہی جھلائی مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے سارہ سے کہا۔ ”تمہارا نام سارہ ہی ہے نا۔“

”کیوں! کیا آپ ابھی تک خواب دیکھ رہے تھے۔“ سارہ نے چڑچڑاہٹ ظاہر کی۔

”نہیں میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا سارہ زحل ہے۔ زحل جو نجوم نستارہ کہلاتا ہے۔“

آہستہ آہستہ اجala پھیلتا رہا۔ حمید ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا خالی معد۔

ناچھی ہوئی کھوپڑی کے درمیان سمجھوتہ کر رہا تھا۔ اسی دوران میں غریب شامت نے گھیرا تو بھی سلگا بیٹھا۔ لیکن تمن ہی چارکشوں نے تابے دکھا دیے۔ کھانتے کھانتے پھیپھڑے بن گئے۔ شب بیداری، چکن اور بھوک نے تمباکو کے دھو میں میں لپیٹ کر اُسے ایسی ایکا:

”فُخْنَاهِي...!“

”نہیں...!“ حمیداً چھل پڑا۔

”فُخْنَاهِي اور اس کا تعلق کسی بھی پارٹی سے نہیں رہا۔ جس کے لئے یہ سب اتنے دنوں سے درہے تھے وہ اُس نے معمولی سی ذہانت صرف کر کے حاصل کر لی۔ اب تم دیکھ رہے ہو کوئی ہاکی بگاڑے گا۔ بُس اگر یہ ہاتھ آجائے تو پکڑا ضرور جاسکتا ہے۔ لیکن گوئی کبھی نہیں لگ سکتی بُس کتر اکر نکل جائے گی۔“

”ہرے کر قتل دی گریٹ رک کیوں گئے؟ پکڑو مجھے۔“ فُخْنَاهِي اوپر سے لکارا۔ ”میں تمہیں طرح دوڑاتا ہوں گا اور جب تھک کر گر جاؤ گے تو میں سب سے پہلے تمہاری ناک کاٹوں گا۔ ان صاف کروں گا۔ لیکن گردن نہیں کاٹوں گا تاکہ تم لوگوں کو اپنا سپاٹ چہرہ و کھانے کے بچوں دن تو زندہ رہو۔“

”پھر اُد کروں۔“ حمید جلاکر بولا۔

”وہ بھی فضول ثابت ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”وقت سے چھینکی ہوئی کوئی بھی نشان چیز غبار نہیں گزر سکے گی۔ البتہ تم اس غبار میں ہاتھ دال کر اُس کی گردن ضرور دبا سکو گے۔“

”یہ سب کیسے معلوم ہوا آپ کو۔“ سارہ نے پوچھا۔

”آپ کے ڈیڈی کی عنایت ہے۔“

”اوو... ڈیڈی... وہ کہاں ہیں۔“

”اس وقت شیر کے راستے میں ہوں گے۔ میں نے انہیں والٹن کی جیپ میں بیٹھا دیا تھا۔ وہ فُخْنَاهِي تیدی تھے۔ یہیں ایک غاز میں! غالباً فُخْنَاهِي نہیں یہاں اس لئے لایا تھا کہ اُن سے اس غبار کے نامکمل معلومات حاصل کر سکے۔“

”کیا تم نے بہت ہار دی ہے کر قتل فریدی۔“ فُخْنَاهِي اُسے پھر لکارا۔ ”نہیں بیٹی۔“ فریدی نے نہ کہا۔ ”میں نے تم کہا ہے کہ آج تمہاری آزادی کا لدار ہو گا۔“

”اُو تو پھر وقت کیوں بر باد کر رہے ہو۔“

”اکے کارتا موں کے لئے ”ڈاکٹر ڈریڈی“ کے سلطے کی کتابیں جلد نمبر 19 لاحظہ فرائیں۔

کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اُسے مار کیوں ڈالا۔ اسے تو زرد ہی گرفتار کرنا چاہئے تھا۔ مگر پھر سوچا ہو سکتا ہے کہ والٹن خود ہی جان دینے پر قتل گیا ہو۔ فُخْنَاهِي خواہ مخواہ خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن کیا بُس وہ یہاں سے جا چکا ہے؟ حمید کی دلانت میں یہ بُس ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی ایسے مجرم کی لاش یہیں بچھوڑ جانا پسند نہ کرتا جس کی حیثیت میں الاقوٰ رہی ہو۔ وہ اسے اٹھا کر اُسی جیپ کار میں شہر لے جاتا جو انہوں نے جنگل کے باہر دیکھی تھی۔ یہاں اس لاش کی موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بھی بھی جنگل سے باہر نہیں نکلا۔

حمدید سوچ ہی رہا تھا اُسے کیا کرنا چاہئے کہ اچانک چنان کی پشت سے کسی ریلوے انجمن سٹی کی سی آواز آئی اور حمید یو کھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کیونکہ یہ آواز وہ پہلے بھی سن چکا تھا یہ آواز اُسی فٹین کی ہو سکتی تھی جو شتر مرغ کے انشے سے برآمد ہوا تھا۔ حمید کا اندازہ قللہ بُس نکلا دوسرا ہی لمحے میں اُس نے چنان سے نیچے چلانگ لکائی اور حمید پر دو لتی جھاڑتا ہوا دوسرے طرف نکل گیا۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ حمید نے اس کی پرواد نہیں کی کہ بعد آنے والا کون تھا۔ بُس وہ تو اُس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ وہ پھر ایک اوپنی ہی چنان پر جا چکا۔ اُس کے گرد سر سے پیر تک پچکدار غبار سار گردش کر رہا تھا۔

حمدید نے نامی گن سید ہمی کی اور اس پر گولیاں برسنے لگیں۔ لیکن وہ تو نہایت اطمینان کھڑا تھا۔ نامی گن ہی کی سی آواز اس اپنے حقن سے نکال رہا تھا۔ گویا چڑا رہا تھا نامی گن کو۔ حمید نے جلا کر یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا اور اس ناجھار شتر مرغ زادے نے قلقاری مار کر جو چونچ دکھائی۔

”رہنے دو....!“ وہ فریدی کی آواز سن کر مڑا۔ ... فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں کی گھنٹا سے زخم ہو رہا ہوں۔ نامی گن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔“ پہچے نے پھر ریلوے انجمن کی سی سیٹی بھائی اور جھک جھک کر فریدی کو سلام کرنے کا فریدی نہ پڑ پھر بولا۔ ”یہ کم بخت سالہ سال سے میرے ذہن پر بار بنا ہوا ہے۔“ ”سالہ سال سے کیا مطلب۔“ حمید نے تحریر انداز میں پوچھا۔ ”ہمیا تم اسے نہیں پہچاں سکتے۔“

”من.... نہیں....!“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جبکش دی۔

”ایک نہیں دس پتھر مارو۔“ فتح نے اوپر سے جواب دیا۔ چمک لیا غبار اب بھی اُس کے رہا تھا۔

فریدی نے جھک کر پتھر اٹھاتے ہوئے آہتہ سے کہا۔ ”تم لوگ جتنا تیرز دوڑ سکتے ہیں، سامنے والی چنان پر رک کر میرا انتظار کرن۔“

جیسے ہی انہوں نے مڑ کر دوڑنا شروع کیا فتح قہقهہ لگا کر بولا۔ ”کوئی چال کار گر نہیں، کرن فریدی تم مجھے یو تو ف نہیں بنا سکو گے۔“

”پتھر سن جالو...!“ فریدی سید حاکڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”آنے دو۔“ فتح نے کسی بوڑھے بندر کی طرح گردن اکڑا۔

فریدی نے درخت پر پتھر چلایا اور خود بھی مڑ کر بے تھاش اُس طرف بھاگ جدھر جو سارہ گئے تھے۔ یک بیک انہوں نے فتح کی چیخیں سنیں۔ حمید نے مژنا چاہا لیکن فریدی بولا دار دوڑتے رہو۔“

بالآخر وہ اُسی چنان پر پتھن کر رکے۔ فتح درخت سے گر کر زمین پر لوٹ رہا تھا اور فتح چیخ جا رہا تھا۔ ”بچاؤ....بچاؤ....بچاؤ۔“

کبھی اٹھ کر پا گلوں کی طرح تاپنے اور اچھلنے کو دنے لگتا اور کبھی گر کر زمین پر ایڑیاں رگڑیں۔ ”بہت اچھے۔“ فریدی منہ پر ہاتھ لگا کر چیخا۔ ”یہ تھا آخری پتھر ہیئے۔ اب پوکٹھے بچائے تمہاری جان۔“

”کیا کیا تھا آپ نے۔“ حمید نے حرمت سے پوچھا۔ ”ہاتھ پر کتے کا پلا کھنچ مارا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”بچاؤ....بچاؤ....بچاؤ!“ فتح میں پر لوٹا اور چیختا رہا۔ ”شہد کی کھیاں۔“ فریدی بولا۔ ”ایک برا سا چھتا اور پری شاخوں کے درمیان لکھا ہوا تھا۔“ فتح کی نظر نہیں پڑی تھی۔ میں نے اُسی پر پتھر کھنچ مارا تھا۔ کھیاں جھلا کر اڑیں اور اُس کے نکیں۔ میں نے اسی لئے تم کو بھاگنے کو کہا تھا۔“ ”خدائی کی پناہ۔“ سارہ منہ کھول کر رہ گئی۔

پہنچ دی بعد آوازیں آئیں بند ہو گئیں۔ فتح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔



بیگ و اللہ آخری جدو جہد کے دوران میں فریدی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور فتح بیوی شی کے میں بھل سے اٹھایا گیا تھا۔ کرتل سلان پروفیسر غوری کی تحریک گاہ میں گرفتار ہوا۔ چونکہ میجر ن کا ایک خاص آدمی جیری پہلے ہی ہاتھ آچکا تھا اُس نے پورا گروہ بہ آسانی کھود نکالا گیا۔ واللہ ہاسال سے یہاں بر اجنب تھا اور اُس کے انجمن ایک غیر ملک کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے۔ بھانسی والی گاڑی جس سے ٹکرایا کار فا ہو گئی تھی، واللہ یعنی کی ملکیت تھی۔ وہ بھی شہر یہ رکھا پ سے برآمد کر لی گئی۔ وہ بظاہر ایک معمولی سی بڑی گاڑی تھی لیکن جب اس کے چڑیوں کے پر فتح اڑا دیا تھا۔

حید کو ابھی تک تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ حالانکہ اس قسم کو ختم ہوئے تین دن گذر پچے فریدی اس دوران میں زیادہ تر ملٹری ہیڈ کوارٹر میں رہا تھا۔

چوتھے دن کہیں حید کی باری آئی۔ پروفیسر مقدس غوری والا معاملہ تو اُسے ابھی تک بے وہ ای معلوم ہوتا رہا تھا۔ لیکن فریدی نے اُسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”مقدس غوری بچپن ل بغرض حصول تعلیم جرمی بھیج یا گیا تھا۔ بچپن سے چالیس سال کی عمر تک وہ وہیں رہا اور نے وہاں بعض اعلیٰ درجہ کے سائینٹسٹ کھنچتی کارنا میے۔ جنگ کے بعد بھی وہ با جرمی ہی میں مقیم رہا۔ ڈاکٹر داؤد بھی ان دونوں جرمی ہی میں تھا۔ لیکن جنگ کے دوران لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک رات وہ اچانک پروفیسر غوری کے مکان پر پہنچا اور اُسے بتایا کہ وہ خطرے ہے اُس نے اُس کے پاس ایک موٹا پیکٹ ایمیٹر رکھوایا اور پتھر غائب ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد لاؤ پروفیسر غوری اُن دونوں طن آنے کی تیاری کر رہا تھا اُس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور اب یہاں اپنا کار و بارڈ رکھتا تھا۔ پروفیسر نے ڈاکٹر داؤد کو وہ پیکٹ دیا چاہا۔ تب ڈاکٹر داؤد نے پیکٹ کی کہانی سنائی! اُس میں ایک بڑے سائنسدان کے ایک حرمت انگیز تحریکے کے کاغذات جو جنگ کے دوران میں اُس نے مرتب وقت ڈاکٹر داؤد کے پسروں کے تھے! اور اس سے استدعا کیا کہ خواہ وہ اپنیں تلف کر دے لیکن مخالف قوتوں کے ہاتھ انہیں نہ لگنے دیے۔ پروفیسر

بے اطلاع دیتا۔ بہر حال اُسے گولی مار دی۔ ڈاکٹر نے اس دھمکی کا تذکرہ نصیری سے بھی کیا ہو گا۔
لائے وہ اکو کے حوالے پر خائف ہو گیا تھا۔ والثن نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کاغذات کے
نال پولیس کو بھی کچھ معلوم ہو جائے لہذا اس نے نصیری کو بھی ختم کر دیا۔ واضح رہے کہ
نکاغذات کے لئے اس لئے نہیں کہ اکو کی شخصیت ظاہر ہو جاتی۔ اس نے ڈاکٹر کی زندگی
بھی اس کی لا علیٰ میں اُس کے مکان کی تلاشیاں ضروری ہوں گی۔ لیکن وہاں اُسے کیا ملتا
ہے اُسے یقین رہا ہو گا کہ کاغذات کو بھی یہی میں موجود ہیں اس لئے اُس نے کوئی میں آگ
ی کہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ اس لئے نہیں کہ وہاں اُس کا کارٹون موجود تھا۔
فوج کو بھی اس تجربے کے متعلق علم ہو گیا تھا۔ لہذا وہ اپنی گھات میں تھا۔ دراصل فوج ہی
جسے ہم پروفیسر کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اگر وہ شتر مرغ کے اٹھے سے برآمدہ ہوتا تو
دہم غوری کے متعلق اس قسم کی کوئی چیز سوچ ہی نہ سکتے۔ فوج کو علم تھا کہ مجرد والثن بھی انہیں
ات کے چکر میں ہے۔ لہذا اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسی طرح سنہی پھیلا کر ان لوگوں کو
ل کر دے جو کاغذات کی تلاش میں ہیں۔ مجرد والثن جو یہاں کے تمام سائنسدانوں سے ڈاکٹر
ریگ کے بھیں میں ملتا پھر رہا تھا۔ دراصل اس چکر میں تھا کہ اس تجربہ گاہ کا پتہ لگائے۔ وہاں
زادو والے کاغذات کے مطابق تجربات ہو رہے تھے۔ اسی سلسلے میں غوری کی وہ تجربہ گاہ بھی
کی لست پر آئی جو نقی غوری کے چارچ میں تھی۔ اس کے متعلق اُسے بھی معلوم ہوا ہو گا کہ
لی حق ترکیب ہے جو اس طرح اپنی دولت بریاد کر رہا ہے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اس علاقے
میں تھا کہ اسی کے لئے بھی مناسب ہو گا کہ وہ کسی تجربہ گاہ کے سر برہے وہ سی بھی گا تھے لے۔
کی اسے مناسب معلوم ہوا ہو گا کیونکہ والثن خود بھی کوئی سائنسدان تو تھا نہیں! کہیں اور
اجھاتا توہر وقت ہی بھرم کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا۔ فوج نے اپنے کام کی شروعات کے لئے
موقق مناسب سمجھا جب نقی غوری والثن کے بناے ہوئے اٹھے پر تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ وہ
غائب کر کے خود ہی مشین سے برآمدہ ہو گیا۔ عمدہ قسم کے میک اپ میں تھا اس لئے تم بھی نہ
تائکے!

”آپ نے پہچان لیا تھا....؟“ حمید نے پوچھا۔
”قطیٰ طور پر! اسی لئے مجھے فکر ہوئی تھی کہ پروفیسر غوری کے ذرائع آمدی معلوم کروں۔“

غوری نے اُن کاغذات کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔ ایک الکٹریکی
لڑاکا طیاروں کو دشمن کے حملوں سے سو فصد محفوظ رکھے گی۔ ڈاکٹر نے اُس کو اس پر آمادہ کیا کہ
وطن پہنچ کر اس تجربے کو مکمل کرے، جو مرنے والے سائنسدان کے بیان کے مطابق کوئے
تک اوہ وارہ گیا تھا۔ اُس نے اُسے یہ بھی بتایا کہ کچھ نامعلوم لوگ ان کاغذات کے چکر میں ہی
جو ہو سکتا ہے کہ وطن تک اُس کا تعاقب کریں اس لئے بڑی رازداری سے کام لیا پڑے گا۔
انہوں نے اسکیم بنائی کہ ایک نقی پروفیسر غوری بیدا کیا جائے اور خود پروفیسر غوری سکون
ساتھ کی گوشے میں وہ تجربہ مکمل کرے۔ سائزہ بڑی ذین ہیں اور محاط لڑکی تھی اس لئے اُسے
رازدار بنایا گیا۔ کیونکہ اُس کے بغیر تو کام چل ہی نہ سکتا۔ وطن پہنچ کر ایک تجربہ گاہ بنائی گئی جو
کے نیچے بھی تجربہ گاہ تھی۔ پروفیسر غوری تہہ خانے ہی وہی تجربہ گاہ میں رہتا تھا۔ چونکہ کی
اُسے پہلے بھی دیکھا نہیں تھا اس لئے نقی پروفیسر غوری جو اُس سے کسی حد تک مشابہ بھی
جنوبی چل گیا۔ پہلے پروفیسر غوری نے اس اسکیم کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ مٹری
سائنسی تحقیقاتی ادارے کے تحت کام کرے گا لیکن ڈاکٹر وادونے اُسے سمجھایا کہ مغربی ممالک
جاؤں بڑے خطرناک ہوتے ہیں وہ وہیں سے اس کا راز اڑائیں گے۔ لہذا کیوں نہ پہلے تجربہ
خاموشی سے مکمل کیا جائے پھر اُس کے بعد اُسے مٹری کے تحقیقاتی ادارے کے پرداز کر
جائے۔ اس طرح سکون کے ساتھ کام بھی ہو جائے گا اور غیر ملکی جاؤں سے بھی جان پڑے
رہے گی۔ حالانکہ ڈاکٹر کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اُس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچ دے تو پھر
پروفیسر سے تجربہ مکمل کرانے کے بعد خود زیادہ سے زیادہ مالی مفتحت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تجربہ
مکمل ہونے سے پہلے ہی مجرد والثن اُس سے آکر لیا۔ شاکن اُسے علم تھا کہ کاغذات ڈاکٹر کے پار
ہیں۔ وہ اُسے غالباً ششیے میں اتارتا رہا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ڈاکٹر نے اُس سے کہا ہو کہ تجربہ
مکمل ہو جانے کے بعد وہ فارمولہ اُس کے ہاتھ فروخت کر دے گا اور ”اکو“ کا حوالہ ظاہر کر دے
کہ وہ ڈاکٹر سے اپنی اصلی ہی شکل و صورت میں ملا ہو گا۔ بہر حال دوسری طرف ڈاکٹر نے فرمایا
رازدار بنائیں گے اس غیر ملکی سفارتخانے سے بھی گفت و شنید کرائی تھی۔ سفارت خانے کی ایک
ہوئی رقم شاکن والثن کی رقم سے زیادہ تھی۔ والثن کو شاکن اس کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے پہلے
ڈاکٹر کو دھمکایا ہی ہو گا اور پھر جھلا کر ختم کر دیا ہو گا۔ اگر پہلے دھمکی نہ دوئی تو ڈاکٹر کو نہ!

ولی استعمال کردہ چیز مانگی۔ یہ کام اُس کے لئے بہت دشوار تھا۔ لیکن کسی کی طرح اس نے ان کے لیڈر کی ایک پہنچی ہوئی جواب حاصل ہی کر لی۔ بعد میں پتہ چلا کہ والٹن کے کچھ آدمی بھی پہلے یوں میں رہتے تھے اور اُس دن وہ جگہ انہیں دونوں پارٹیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ پہلے یوں میں سارے کو پکڑا تھا اور والٹن کے آدمی اُسے اُن سے چھین لے جانا چاہتے تھے۔ ملان کے آدمیوں نے سارے کو پکڑا تھا اور والٹن کے آدمی اُسے اُن سے چھین لے جانا چاہتے تھے۔ ”مگر آپ نے وہ جھگڑا کیسے فرو کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ دونوں طرف کے آدمی بھاگ لئے تھے۔“

”وہ اسی شر کو دیکھ کر بھاگ گئے تھے۔ کسی نے ”پولیس ڈاگ“ کا نعرہ لگایا تھا اور پھر وہ سبھی فرار ہو گئے تھے۔ حالانکہ اسی شر نے اُن کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ وہ تو جس کی تلاش میں تھا اسی را پر لگا رہا تھا۔“

جید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”نصیری کے اس نوٹ کا کیا مطلب تھا چوہا۔۔۔ محفوظ ہے۔“

”اوہ۔۔۔ وہ نوٹ۔۔۔ وہ اُسی تجربے کے متعلق تھا۔ پروفیسر نے ایک چوہے پر میکٹ بلٹ چھا کر اُس پر فائر کئے تھے لیکن وہ محفوظ رہا تھا۔ ڈاکٹر داؤد نصیری کے ذریعہ روزانہ کی خبریں رتل سلانہ تک پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے نصیری کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ تجربہ کہاں مکمل کیا جا رہا ہے اور اُس کی سمجھیں کرنے والا کون ہے۔ ورنہ ان دونوں کے قتل کے

بعد ہی سلانہ کے آدمی تجربہ گاہ پر چڑھ دوڑے ہوتے۔ یہ ایجاد حقیقتاً حرمت اگنیز ہے۔ چکلے زرات ایک مقناطیسی نظام کے گرد مخصوص فاصلے سے چکراتے رہتے ہیں۔ یہ فاصلہ گھٹنیا بڑھایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر جو زرات فتح کے گرد چکراتے رہتے تھے بھی ایک طیارے کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ بُس اس مقناطیسی نظام میں تھوڑی تبدیلی کرنی پڑے گی۔ اتنے ہی زرات بڑتے سے بڑے طیارے کی لمبائی اور چوڑائی کو ڈھک لیں گے۔ تم نے صرف گولیوں کا تجربہ کیا ہے۔

پروفیسر کاد عومنی ہے کہ کسی ایسے طیارے پر مراکل کا حملہ بھی ناکام ہو جائے گا جس کے گرد یہ زرات موجود ہوں اور یہ دونوں بدجنت ایسی چیز غیر دن کے حوالے کرنے جا رہے تھے۔“

”پروفیسر کو سکتہ ہو گیا تھا جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر داؤد اُسے کسی غیر ملکی سفارت نامنے کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر داؤد اُس کے نام مشری کے اعلیٰ حکام کے جعلی

”ٹھیک یاد آیا۔ آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا تھا کہ وہ حقیقتاً پروفیسر غوری نہیں ہے۔ اپنے دستخطوں کا مسئلہ کس بناء پر اخیا تھا۔“

”اُنکم تکیس آفس میں اُس کے ذریعہ آدمی کے متعلق کاغذات دیکھ رہا تھا کہ ایک تاجر نے بر سبیل تذکرہ اُس کے بھلی پن سے متعلق ایک واقعہ سنایا۔ کسی دن سفرلی بیک میں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ تاجر کا کچھ روپیہ پروفیسر کے ذمے تھا۔ اُسے روپیوں کی شدید ضرورت تھی پروفیسر کے پاس اُس وقت اکاؤنٹس کے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے اور چیک بک بھی موجود تھی۔ تاجر نے اُس سے کہا کہ اگر وہ اُسے چیک بندے سکے تو اُس کی بعض و قسم پر یہاں میں اپنے ہو جائیں گی۔ اس پر پروفیسر بہت بگرا تھا اور کہا تھا کہ وہ راہ چلتے چیک لکھنے کا عادی نہیں ہے دوسرے دن کیش بھجوادے کا۔ اس نے اُسی دن اُس کی مطلوبہ رقم بھجوادی تھی۔ لیکن

چیک نہیں دیا تھا۔ میں نے مزید پوچھ چکھ کی تو معلوم ہوا کہ اُسے اکثر چیک بھی ملتے رہے ہیں مگر جب بھی ملتے ہیں سارہ ہی کے ہاتھوں ملے ہیں۔ بہر حال اس چیز نے مجھے اُس کے دستخطوں،

مسئلہ چھیڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ہاں تو بہر حال جب تک فتح یونیورسٹی اور ہم چاتارہاں دونوں پارٹیوں میں سے کسی نے بھی اُس کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔ لیکن جیسے ہی وہ چکلے غبار سمیت ظاہر وہ سب پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ لیکن فتح پروفیسر مقدس غوری کو پہلے ہی کلار لے گیا تھا۔“

”ڈراٹھر ہے۔“ حید نے کہا۔ ”ڈیہور کی پہلائیوں میں سارہ اُس سے پہلے ہی لے جائیا گا تھی۔ یعنی اُس وقت چکلے غبار کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ لیکن لے جانے والے نے اس سے بچ کا اصلیت معلوم کرنی چاہی تھی۔“

”چکلے غبار کا ظہور ہو چکا تھا۔ مجھے دیر سے اطلاع ملی تھی۔“

”پتہ نہیں ابھی اور کتنے پاؤں تک ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ مثال کے طور پر وہ ہمہ ہوئی جواب جس کے ذریعہ بلڈہ ہاؤٹس اُسی تک پہنچا تھا۔“

”میں تمہیں پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ سفارت خانے کی ایک عورت میرے لئے بھی کام کرنا ہے۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ کرٹ سلانہ کے کچھ بے ضابطہ ملازم ڈیہور کی پہلائیوں میں نہیں ہیں۔ لیکن وہ اُن کی صحیح نشاندہی نہیں کر سکی تھی۔ میں نے اُس سے ان لوگوں میں سے کسی کا

اقدار نہ شائد فتح اپنا کام کر گیا ہوتا۔ اب وہاں میرے لئے دو تھے ایک والٹن اور دوسرا فتح۔ نوں یا اندر ہرے میں گم ہو چکے تھے۔ والٹن مر گیا تھا مجھے اس کا افسوس ہے۔ مگر کیا کروں اس ہے جب کر عقب سے حملہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے بچاؤ کے لئے اضطراری ہی طور پر پوری صرف ہو جاتی ہے۔ وہ اچھل کر میری پشت پر آیا تھا اور میں نے پوری قوت سے اسے مری طرف الٹ دیا تھا۔ اس کا سر کسی چٹان سے مکرا کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر اجالا یہی فتح سے دوبارہ مدد ہیئت ہو گئی۔ پہلے تو اُس نے اپناریو اور مجھ پر خالی کیا پھر پتھر اور پرانا آیا۔ فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اب دائرہ اور مشکل متعلق کیا خیال ہے۔“

”ممکن ہے تمہارا ہی خیال درست ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ” دائرة اور مشکل سائزہ اور سی قصوراتی تکمیل ہی ہوں۔ ان کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ہر کے ذہنی تجربات مختلف ہوتے ہیں۔ لفظ سائزہ سن کر تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔“ ”کم تھی۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”بس یہی محسوس ہوتا ہے جیسے بارہ گھنٹے کے نوش پر ہو جائیں۔ مقدس۔ ایسا لگتا ہے جیسے دونوں کے درمیان ایک بڑا سالم شایدی جو تھا مائل ہو۔“



سائزہ نہی طرح حمید کے ذہن سے چپک کر رہے تھی۔ اُسے علم تھا کہ وہ اکثر آرکچو میں اہے۔ لہذا وہ سر شام ہی گھر سے نکل گیا اور جب حمید ہی اُس کے چکر میں یہاں آیا تھا تو پھر اکوں نہ موجود ہوتا۔ وہ توروز ہی اسی لئے آتا تھا کہ شائد سائزہ سے ملاقات ہو جائے۔ جب سے پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں فریدی اور حمید نظر آئے تھے اس نے وہاں جانا چھوڑ دیا تھا۔ اکثر شامیں جھریاں ہی میں گذر اکرتی تھیں۔

”آداب جمالا تا ہوں صدر صاحب۔“ حمید اُس کی میز کے قریب رک کر بولا۔ ”میں نہیں بھواتا۔... دیکھا ہو جاؤ۔“ مقام نے بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر دوسرا طرف پیرو لیا۔

حمدید نے خلگی کی وجہ پر چھپی تو چک کر بولا۔ ”سالے تم میری جندگی بر باد ڈو ڈو۔“ اب کامیں اُسے جلوش گاہ میں لائے تھے۔ قیوں لائے تھے۔ اب وہ سالی کہتی ہے میں بھی ترقی

خطوط لا تارہتا تھا جن میں زیادہ تر تیکی ہدایت ہوتی تھی کہ وہ اپنا کام انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ جاری رکھے۔ اُس نے وہ سارے خطوط میرے حوالے کر دیئے ہیں۔ ”

”اب پروفیسر کا کیا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اب وہ اس کی تکمیل فوجی اور اہم تحقیقات کے تحت کرے گا۔ اُس کا یہاں ہے کہ ابھی اس میں کچھ خامیاں ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔“

”مگر اس کم بخت فتح نے اس کا دوسرا بھی مصرف بیدا کر لیا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”میری دانست میں تو اگر اُسے تین چار دن کی مہلت اور ملنی تو وہ سارے شہر کا حصہ کر دیتا۔“

”اس میں کیا شک ہے۔ یقین کرو۔ میں اُس دن اتنا تجھ ہوا تھا کہ بُس اسی کی کسر رہ گئی تو کہ ایک بڑا سا پتھر اخداں اور اپنے ہی سر پر مار لو۔ یہ نحاسا کیڑا مجھے سارے جنگل میں نچائے پا رہا تھا۔“

”مگر خدا کی قسم آپ کو سو جھی بھی خوب تھی۔ مجھے تو وہ تاریک سارے دادی میں سُنگ ہی کی اُز وقت کی بے بُی یاد آگئی تھی جب آپ نے اپنے کوٹ میں آگ لگا کر اُسے گینس اگلنے والے غار کے طرف پھینکا تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلاگا رہا تھا۔ بُرے سید نے پوچھا کہ آخر فتح پروفیسر کو وہاں سے کیسے لے گیا ہو گا۔

”ریو اور کی تال پر...!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”اُسے تہہ خانے سے نکال کر کیراج میں لا تھا اور اُسی سے کار بھی ڈرائیور کرائی تھی۔ ٹیہور کی پہاڑیوں میں لے گیا اور ایک غار میں بیٹھا۔ اس سے میگنٹ بلک کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے جالی میں دراصل والٹن کی تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک غار کے قریب سے گذرتے وقت میں نے فائز کی آواز سنی۔ یہ حمات فتح ہی سے ہوئی تھی۔ اُس نے پروفیسر کو دھمکاتے دھمکاتے ایک فائر گا کر دیا تھا لیکن شائد اُس فائر کا مقصد بھی محض دھمکانا ہی تھا۔ کیونکہ پروفیسر محفوظ رہا تھا۔ میں نے اُسے غار ہی میں پکڑ لیا ہوتا تھا لیکن وہ ڈانج دے کر نکل گیا۔ اس طرح پروفیسر بھی اتفاقاً ہی رہا تھا۔

کروں گی.... کر کٹ کھیلوں گی فٹ بال کھیلوں گی.... ٹھینگا پہنؤں گی۔ پلنون چباں گی
ہاں نہیں تو....!“

”ارے تو وہ کیوں نہ کرے ترقی۔“

”چھا....!“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تمہاری باپ ہے مالے! تم کون ہوئے
ترپھداری کرنے.... کرنے.... ہی ہی.... آئیں.... آئیں.... ابے ڈینج جاؤ ہو
بھائی.... الاقسم شرمنہوں کی طرح۔“

وہ صدر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حید بھی مڑا۔ سائزہ تیزی سے چلتی ہوئی اُز
طرف آری تھی۔

وہ میز کے قریب ہی آکر رکی لیکن تیور کہہ رہے تھے جیسے قاسم کو کچانی چاجائے گی۔“
اس کی طرف دیکھا اور بوكھلا کر نفریں جھکا لیں۔

”قاسم صاحب۔“ وہ اپنا اپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ”آپ گھاس تو نہیں کھا گئے۔“
”بچ.... جی نہیں.... الاقسم.... قسم لے لیجئے۔“

”آپ بھینیے ہیں۔ کان کھول کر سنئے۔ مجھے صرف نازک اندام مرد پسند آتے ہیں۔ جن
کر چلتے میں ہزاروں مل کھاتی ہو۔ صراحی دار گردن ہو اور بالائی دار کھوپڑی۔ دیکھے۔ اگر آئے
آپ نے مجھے اس قسم کا خط لکھا تو کسی چورا ہے پر ہی سرمت کروں گی۔ ذرا آپ بھی ماذ
فرمائیے گا۔“

اس نے حید کی طرف ایک لفاف پھینکا اور تیزی سے دروازے کی جانب مڑ گئی۔ قاسم کر
کی پشت سے نکا اور بھاڑ سامنہ کھولے کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہاپ رہا تھا۔
حید نے لفاف سے خط نکالا۔.... تحریر تھی۔

”بلبل مجھت سلام قبول ہووے۔“

سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں یا کیا نہ لکھوں۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی
خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ کہ رات بھر جا گتا رہتا ہوں
۔ دل میں نہ جانے کیا ہوتا ہے کبھی درد ہوتا ہے اور کبھی.... بھر بھر بھر ہونے لگتا
ہے۔ اللہ کرے میں مر جاؤ۔ جب آپ مجھ کو سر پرست کہتی ہیں تو میرا جی چاہتا

ہے کہ آپ کو کیجیے میں بھر لوں۔ مگر میں برا بد نصیب ہوں۔ آپ اتنی بڑی ہیں کیسے
کیجیے میں بھر لوں۔ یہ خالی زمانہ ہمیں ملے نہیں دے گا۔ میں خود کشی کر لوں گا۔ اللہ
تم دیکھ لجئے گا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں مل کر خواتین کو خوب ترقی کرادیں!
ہی ہاں آپ سمجھ گئیں نا! بد نصیب کا پھٹا... قاسم“

جید نے بڑی سنجیدگی سے خط ختم کیا اور مسماۃ بنا کر بولا۔ ”ابے ہے میں نے جو اتنے دنوں
بہت کی تھی سب پر سوڑا واڑ پھیر دیا تم نے.... خدا تمہیں غارت کرے۔“

”اب بتاؤ! میں قیا قردوں۔“ قاسم روہاںی آواز میں بولا۔ ”دل کی حالت لکھ دی تھی.... پڑے
ماکیوں کھفا ہو گئیں۔“

”اول تو تم نے اسے خط لکھا ہی کیوں؟ اگر لکھنا ہی تھا تو ان میں سے نقل کر دیتے جو میں نے
دائے تھے۔“

”تب اور بھی بیڑہ غرق ہو جاتا۔“ قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”تم منہوس ہو۔ چلے جاؤ
میں سے کس نے کہا تھا کہ میری میری پر بیٹھ کر میری ہی دنیا اجاتی.... نن.... نہیں اندر ہری
۔ جاؤ ہیاں سے ہٹوڑنہ وہ تو مجھے برابر خط لکھتی رہیں۔ میں لکھ دوں تو کھفا ہو جائیں.... قیا
ہوئی۔“

”برابر خط لکھتی رہتی ہے۔“ حید نے حیرت سے کہا۔

”قیامت نے نہیں دیکھے۔“ قاسم آنکھیں نکال کر نہیں بلکہ نقال کر ہی بولا۔ کیوں کہ اُسے
نہ زور سے غصہ آگیا تھا۔

حید نے ٹھنڈی سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ ”مگر ان خطوط پر تو کسی کا نام ہی نہیں ہوتا تھا پیراء۔“

”ہونہ ہو.... میرا دل جو قہتا ہے.... اسے تم دیخ لیتا خوشی ہی کرلوں گا۔“

”خود کشی۔“

”ٹھیک ہے.... کچھ بھی ہو۔ کر لینے سے مطلب۔ خود کشی ہو یا تمہارے باپ کی دم۔ وہ ہاپتا
الہ اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔“

ختم شد

انوکھی رہنمائی

پیشہ

کرٹل فریدی اور کیپٹن حمید کی نئی کہانی حاضر ہے! اسے بھی آپ پچھلی کہانیوں سے مختلف پائیں گے! جس شخص کے گرد کہانی گھومتی ہے، بے حد پہاسنار تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ ہو گا۔ لیکن مجرم خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک دن لازمی طور پر قانون کے شکنچے میں بے بسی سے ہاتھ پیر مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس بار فریدی نے حمید سے کوئی کام نہیں لیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک اہم ترین کام تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد تھا مجرم کو دھوکے میں رکھنا۔ اہم ترین کاموں کے لئے غیر معروف آدمی منتخب کئے تھے، یہی وجہ تھی کہ مجرم بے باکانہ اُسے اکو بنانے کی کوشش کرتا تھا اور یہی کوششیں اُسے بالآخر لے گئی دویں!

آج کل کہانیوں کے سلسلے میں بڑی عجیب فرمائشات آرہی ہیں، انہیں تم سے ایک یہ بھی ہے کہ ”کیپٹن حمید اور کرٹل فریدی کو چاند پسیں سمجھجے۔“ نہیں بھائی! ذرا سوچنے تو یہاگر میں نے انہیں چاند میں بھیج دیا تو کیا خود

(مکمل ناول)

زمین پر رہ کر خاک چھاکوں گا۔ یا پھر ٹھہریے.... ذرا انہیں دیکھ لیجئے جو چاند
میں پہنچنے کے منصوبے بنارہ ہے ہیں، جب ان کی خیریت کا خط آجائے گا تو
میں بھی ان دونوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں اُنہیں چاند
کے لئے روانہ کر دوں گا۔ ویسے فی الحال اگر جی چاہے تو ”چند اماما تاتا“ والا
گیت سن لیجئے کیونکہ ابھی تک وہ بچہ جسے آدمی کا باپ کہتے ہیں، چاند کے
معاملے میں اس گیت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ پھر آپ خود سوچا گا،
حمد کو مرغیوں کے سے چھرے اور ٹھہریوں کی سی دمیں رستے دل لڑکیں
اُس غریبہ کیا حادی ہو گا! کیا اس کا خود کشہ آپ کے نئے
ذی نیسے س پر یو وہ ہیر ہے۔ کہ زندگی چاند کی
کے۔ اپکھ بھی نہیں۔ ”

تب سب خیریت ہے دیگر احوال یہ ہے کہ چاند کا سفر یہ لوگ اُسی
وقت اختیار کریں گے جب زمین ان پر تنگ ہو جائے گی۔ فی الحال اس کا کوئی
امکان نہیں۔

ابن صفحہ

۱۹۵۹ء جولائی ۲۶

سر جادا اور اس کی بیٹی رضوانہ ڈائینگ رووم میں داخل ہوئے۔ میز پر پیٹیں لگادی گئی تھیں اور
اُبھی شاید کچن میں تھا۔ وہ دونوں گھنٹوں کرتے ہوئے اسی طرف چلے آئے تھے، ورنہ کھانے کی
بڑ پر پہنچنے میں ابھی سات یا آٹھ منٹ کی دیر تھی۔
سر جادا ایک باصول اور وقت کا پابند آدمی تھا۔ بعض اوقات تو اس کی اصول پسندی اور وقت
نہ پابندی رضوانہ کو محکمہ خیز بھی لگتی تھی۔ لیکن خاموشی کے علاوہ اور کوئی چاہا نہ تھا کیونکہ
رجاہ میسے لوگوں پر کسی قسم کی بھی مخالفت کی صورت میں بلڈ پریشر کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔
میز پر تیسری پلیٹ دیکھ کر وہ ٹھنک گیا۔ پھر رضوانہ کی طرف مڑ کر جواب طلب نظر دوں
سے دیکھا۔

رضوانہ کو بھی اس غیر متوقع تبدیلی پر حرمت ہوئی تھی۔ اُس کے علم میں نہیں تھا کہ کوئی
نُبرا آدمی بھی رات کے کھانے پر ہو گا۔

”اُس کا کیا مطلب ہے۔“ سر جادا نے تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔
”میں کیا جاؤں! میں نے تو کسی کو مدعا نہیں کیا۔“

سر جادا نے ایک طویل سانس لی اور سر پکڑ کر ڈائینگ چیئر پر بیٹھ گیا۔
رضوانہ چند لمحے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے خاموشی سے دمکھتی رہی۔ پھر نے اسمنہ بنا
لیا۔ ”تو آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے باورپی نے غلطی سے رکھ دی ہو۔“
”غلطی۔“ سر جادا کے لمحے میں جلا ہٹت تھی۔ ”کیا معمولات میں بھی غلطیوں کا امکان

اور ہمیں سرچاڑو کی طرف دیکھنے لگا۔

بُلو... ایکا تم نے سانہیں۔ کھانا لگاؤ۔“

ضوئی خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ لیکن سر سجاد کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ بھراںی
بیم، اور گما سے بولا۔ ”کھانا لگاؤ۔“

آنے والا میلی سی خاکی چٹلوں اور سیاہ اونی جیکٹ میں تھا۔ لیکن شیو بڑھے ہونے کے باوجود پہلی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عمر پھیس اور تمیں کے درمیان رہی ہو گی۔ جسم کی بناوٹ تاریخ کو ”کسی گینڈے“ کی طرح مغببوط بھی ہے۔

"تم کون ہو۔" سر سجاو نے بھرائی ہو کی آواز میں پوچھا۔

”وو... کیا ایک وقت کے کھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں اپنے حسب نب
میں آگاہ گردوں۔“

"میں کہتا ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔" سر جگانے آنکھیں نکالیں۔

میں بھیک مانگنے کا قائل نہیں ہوں.... بلکہ پی اب الگ بھٹ جائے لیکن تم اُس وقت تک کرے
کہ قدم نہیں نظر سکتے جب تک کہ میں چالانے والوں میں تھیں ہے اسی وجہ کھڑے رہو۔

"تم جانے ہو کہ تم سے کتاب اجرم ہو رہا ہے۔" سر جھادنے اسے گھوڑتے ہوئے کہا

”اُس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھا، کرسی کھٹکائی اور بیٹھ کر روپا اور سامنے ہوا بولا۔ ”بس اب کھانا شروع کرو۔ مگر شریفوں کی طرح۔ میں کھانے کی میز پر ہاتھ پائی پہنچ کر تا۔ کھانے کے علاوہ تم سے اور کوئی حرکت سرزد ہوتی تو.... روپا اور میں پورے لاموجود ہیں اور یہی ہے آواز بھی ہے۔“

رہنماؤں اپنی کرسی سرچاڑو کے قریب سکھ کا لے گئی۔ لیکن اس پر اجنبی نے کوتی اعتراض نہیں

۱۰۷ تواس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اک نے بڑے اطمینان سے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کاڑھکن اشکار

مکاں سے شور بہٹکانے لگا۔ رضوانہ لور سر جگابے صد حرکت بیٹھے رہے۔

ایں....! اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا ”چنے شروع ہجتے۔ آپ لوگ تو تکلف
کے میں۔“

۱۰

”اوہ نہ بھی کیجئے! میں ہٹائے دیتی ہوں۔“

”نہیں ٹھہر و..... آئے دو، اس سے میں جواب طلب کروں گا۔ ورنہ کل اس میں پر پڑھوں کے ساتھ کسی خارش زدہ کتے کی لاش بھی نظر آسکتی ہے۔“

رضوانہ خاموش ہو گئی تھی کہ اس سلسلے میں بجھ فضول تھی۔ سر سخدا اسی عکس پر جھکتا تھا۔

اس نے بھی اپکی کھنچی اور حب چاپ پہنچئی۔ سر سجاد پڑھتا تھا۔

”اس قسم کی غلطی ذہنی طور پر غیر حاضر ہونے کی دلیل ہے۔ میں اسے قلعی پسند نہیں کر کہ کام کی طرف دھان شد رکھا جائے۔ کل ڈرائیور گاؤں کاڑی کی طلاق تڑا ڈھونڈ رکھا جائے۔

رسوانہ نے ہی بہتر سمجھا کہ خود بھی ذہنی طور پر غیر حاضر ہو جائے کیونکہ اب چونہ تو گلہ را تھا۔ وہ بڑا یے حل مان تھا، وہ اُن جنگل، خگل کو شاکر کرتے تھے۔

نے پچھلے دن کیا تھا۔

چند دیر بعد بارپی خانے کی ترکی دسیلہا ہوا مرے میں داں ہوا اور رصولہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب اُس کی شامت آجائے گی۔

جیسے ہی ٹرانس میز کے قریب رکی سر جگاد تیرسی پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر دھاڑ۔

بادرپی بوکھلا کر اُسے دیکھنے لگا بھر ہکلایا۔ ”مِم... میں نے... ت... تو... نہ لے
جسے“

..... سوریہ پاپ پلیٹ

ہمیں ویا امام کے پہنچا ہے۔ بیانیری سوت اسی ہے۔ جو نامینہ۔

”ٹھہر و....“ دفعہ ایک گرجدار آواز کمرے میں گونجی اور ایک آدمی سامنے والے دروازے کے تین حصے پر کھل کر بیرونی سمت پر رکھ دیتے۔

نار آکے بُرھا اس کے ہاتھ میں ریو اور بھی نظر آیا جس کا رخ ابھی تینوں کی طرف تھا۔

”چلو.... چپ چاپ کھانا میز پر لگاؤ۔“ آنے والے نے تھکانہ لبھ میں کھا۔ ”اگر کسی کو سر جگاو کامنہ ٹھلا اور چھربند ہو کیا۔

بان سے ایک لفظ بھی نکلا تو یہ ریخ فائز کروں گا۔ تیسرا پلیٹ میں نے رکھی تھی۔

”بکواس بند کرو۔“ سر سجاد غرایا۔

”کھانے کی میز پر مجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔ شروع کرو۔ ابھی میں تمہیں لیے ساؤں گا۔“

”کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔“

”پاگل تو تم ہو کہ اگر تمہاری میز پر کوئی تیرا آدمی آجائے تو تم اپنے ہاتھ روک لو کر شروع کرو، ورنہ کوئی بار دوں گا۔ میں دوستانہ فضائیں کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ کوئی تو موی بھی شروع کر دوں یعنی کہ آہا! آج موسیٰ بے حد خوشنگوار ہے.... کل بھی رہے گا لور شانمیر بھی رہے۔“

رضوانہ نے اپنی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کی طرف ہاتھ بڑھا لیا۔

”تم آخر چاہیے کیا ہو۔“ سر سجاد کی آواز پھر بھر آگئی۔

”میں جو کر رہا ہوں....“ ابھی نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

”مگر یہ طریقہ....!“

”ڈیڈی کھانا کھائیے۔“ رضوانہ بولی۔ ”یہ کوئی بھروسہ یا ہے! کھانے کے بعد انعام بھی کرے گا۔“

”میوں؟“ سر سجاد نے ابھی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں میں تم سے تجویزی کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔ کل صحیحی اس کا سوال پیدا ہو گا کہ ناشتہ کھاں سے کیا جائے۔ لیکن کل شاید میں کسی دو“ کی میز پر نظر آؤں۔ تمہارا شورہ مجھے قلعی پسند نہیں آیا.... بس پہت بھر رہا ہوں۔“

سر سجاد خاموش بیٹھا رہا۔ رضوانہ کھانے لگی تھی۔

”یدم تم بے حد بور آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ ابھی نے پھر سر سجاد کو مخاطب کیا۔ ”خوکی طرح پھولے پیشے ہو۔ کھاؤنا....!“

”بہت ہو چکا... زبان بند کرو۔“ سر سجاد میز پر ہاتھ مار کر داڑا۔

”ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے مسٹر اکھانے کی میز پر تاذکھانے سے۔“ کہنے کا اندازہ مفکہ ”اگر خاموشی سے زہر مار کرتے رہو تو کیا حرج ہے۔“ رضوانہ نے کھل دہ اس پیاس

لیکن لے رہی تھی۔

ہم نے لذیذ ہوں تو بلوے کی سہلت نہیں ملتی تا تم لوگ بیوی گھٹا چیزیں کھاتے ہو۔ ابھی بولا۔ رضوانہ کباب ہو کر رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ شوربے کی قاب اس کے منہ پر سکھنے لیکن ریو ہمار؟ جو خنس ریو اور کے زور پر اتنا کچھ کر سکتا ہے وہ اس استعمال کرنے سے نہیں چوکے گا۔

سر سجاد میز پر دونوں ہاتھ رکھ کے اسے گھوڑے جلا دا تھا۔ ”ریو اس کا میرے بڑے عجیب لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔“ ابھی نے مرغ مسلم کی ناگ کاٹنے کے لئے ”مشلانام تو ہے خان بہادر فلاں اتنی فلاں! اور کھائیں گے سور کی دال کدو کی بیگن کا ببرتہ!“ تھیلی رات ایک ایسی آدمی کی میز پر میری موت واقع ہوتے ہو تے رہ پس کی موٹی موٹی روٹیاں اڑا رہا تھا کم بخت۔ مجھے بھی وہی زہر مار کرنی پڑیں جس کا نتیجہ یہ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا گول....!“

رموانہ غیر ارادی طور پر نہ پڑی اور سر سجاد نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔ اور ہر خونا نہ مہان تڑ سے بولا۔ ”ہاں! ہاں کھا جاؤ اسے۔“ ابھی کیوں بچاری۔ یار بڑے میاں اسکے ناخن لو۔ کیا آسمان ٹوٹ پڑا ہے تم پر۔ چار چھاتیوں سے زیادہ میری خوراک نہیں ہے۔ میاں کو ہاتھ بھی نہیں لکھتا۔“

”خاموشی سے کھاتے رہو۔ بد تیزی نہیں۔“ رضوانہ نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”میں سمجھ گئی ہو سکتے ہو۔“

”کون....؟“ سر سجاد نے پھر رضوانہ کو گھوڑا۔ ”کیا آپ نے اخبارات میں اس رہزن کے متلق نہیں پڑھا، جو راگبیروں کو روک کر ان سے دہن کرتا ہے۔“ رضوانہ بولی۔ ”اوہ....!“

ابھی پر اس ریارک کا کوئی واضح اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور کھانے میں مشغول رہا۔ رضوانہ رہی تھی۔ ”ابھی کچھ ہی دن پہلے شہر کی ایک گلی میں جس نے میری ایک سیلی کو روکا تھا اور ان پرس چھین کر اس میں چوکیٹ کے پیکٹ ٹلاش کئے تھے۔ پرس میں تقریباً پدرہ سور و پر

بھی تھے لیکن انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

سر سجاد میز پر جک کر ناخواندہ مہمان کو مٹوئے والی نظر دیں سے دیکھنے لگا۔
”داوں... اور کیا۔“ اجنبی منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”مجھے اسکی لاڑکانہ زبردی لگتی ہیں جو
وقت خود پر بڑھلپا طاری کر لیں۔ لعنت ہے الکا لاکی پر جس کے پرس میں نافرایا پوکر
پیکٹ نہ ملیں۔“

سر سجاد کے ہونزوں پر ہلکی سی سکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن پھر یک بیک اُس کے از
میں ہوت سکوڑ لئے جیسے غیر ارادی طور پر سکر لیا ہو۔
”تو تم وہی ہو۔“ رضوانہ نے کہا۔

”بالکل... اوہ میخانہ نہیں ہے تمہاری میز پر۔ خوست کی نشانی۔“

رضوانہ نے پلکس جبکا میں اور پھر جنید گی سے بولی۔ ”اوہ... ہاں! نہبڑو میں تمہارے
توہڑی مشائی مہیا کر سکوں گی۔“ اُس نے ائمہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔
اجنبی نے روپور پر بیالا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”نہیں... نہبڑو میں ائمہ کو ماہنہ
کہ جھینپولیس کو فون کرنے کا موقع دوں!“

”تمہاری مرضی۔“ رضوانہ نے لارڈ اولی سے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہو گئی۔
کچھ دیر سک خاموشی رہی۔

”آخر ان حرکتوں کا مقصد...!“ سر سجاد نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آوارہ میں پوچھ دی۔
”رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے اور ساری کامی دور ہو جاتی ہے۔“
”بکواس بے محض اتنی سی بات کے لئے اتنے خطرات نہیں مول لئے جاتے۔“

”پھر تمہارا کیا خیال ہے۔“ اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سکر لیا۔
”اپنا خیال میں اُسی وقت ظاہر کر دیں گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہھڑیاں ہوں گی
سر سجاد نے غرما کر کہا۔

”مہول جاؤ...!“ اجنبی کے سمجھ میں میں تسلیخ تھا۔ ”میں آر سکن لوپکیا بہرام نہیں ہوں
”ہوں...!“ سر سجاد نے ہوت سمجھ کر سر کو جبیش دی۔
”اور نہ کسی جاسوسی قلم کا نوجوان قافی دار ہوں، جو وردی چکن کر گا تا ہے... آجا؟“

میں چمٹی آمبا تھے ہو... خیر... تم سگریٹ کون سے پیتے ہو۔ اس سلسلے میں بھی بڑے تلخ
رات ہوئے ہیں۔ کل ہی ایک گھنے کو برا قیمتی سوٹ پینے دیکھ کر جب میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔
بلکا کیا... دھائی آنے والا پیکٹ.... جلا کر اس زور کا تھپڑ ریس کیا تھا کہ گال پر پانچوں
بیالا بن گئی ہوں گی۔“

رضوانہ پھر نہ پڑی۔ لیکن اس بار سر سجاد نے اسے گھور کر نہیں دیکھا۔ شاید اب وہ بھی
ہتلے رہا تھا۔ اس سر پھرے جوان میں۔

”میرا خیال ہے کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔“ سر سجاد نے کہا۔
”بھی تھا! اب نہیں ہوں۔“

”یا ہیر وزگاری سے تھک آکر...?“

”نہیں نہیں! مجھے اتنا ذریک بھی نہ سمجھو۔“ وہ بیالا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اگر سیکی بات ہوتی
اے جھوری کی کنجیاں ضرور طلب کرتا۔“

”بھر اس طرح خود کو خطرات میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔“

”میری بے چین طبیعت اسی طرح سکون پا تی ہے۔“

”تو یہ روپور بھن دھکانے کے لئے ہے۔“

”میری مریضی کے خلاف کچھ کر کے دیکھو اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا۔“ اجنبی نے انتہائی تلخ
میں کہا۔ ”لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک سگریٹ کے لئے ایک کار توں بر باد کرنا پسند نہ کروں
وہ میرا اصول ہے مسٹر کے میں ضرورت سے زیادہ نہیں وصول کرتا۔... مثلاً اگر اس وقت مجھے
دوپیوں کی ضرورت ہے تو میں تمہارے پر سے صرف پانچ ہی کافی توٹ نکالوں گا خواہ اس میں
بڑا ہی کیوں نہ ہوں۔“

”شاید اسی لئے اب تک پچھے بھی رہے ہو۔“ رضوانہ بولی۔ ”تو گ تمہاری ان حرکتوں کو
یا کارداشت کر لیتے ہیں۔“

”تو ہیر والگ بنتا جا رہا ہوں... کیوں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سکر لیا۔
رضوانہ کچھ نہ بولی۔ سر سجاد بھی غاموش ہو گیا تھا۔ اجنبی نے کھانا ختم کر کے نیکپن سے ہاتھ
سکے اور اسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ”سگریٹ۔“

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" سر سجاد نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

"مہماں کے لئے بھی نہیں رکھتے۔"

"ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہاں سے المٹاپڑے گا۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ.... اچھا تو پھر کہیں اور سکی۔" وہ اٹھ گیا۔ ریو اور انھیا اور الٹے پاؤں دروازے کی طرز پڑھتا ہوا بولا۔ "میں پردے کے پیچے دشمن منٹ ٹھہر دیں گا۔ کوئی کمرے سے باہر نہ جائے۔"

دروازے سے گزر کر پردے کے پیچے غالب ہو گیا لیکن ریو اور کی تال پردے پر انہیں ہوئی نظر آری تھی۔ وہ سب ساکت و سامت پردے پر نظریں جاتے رہے۔

پھر سر سجاد چونک کر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جس کی نگل ملک "اوہ... اپنی کھوپڑی سے خارج ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر شاید تین منٹ سے بھی زیادہ گزر گئے۔ لیکن پردے پر کسی نوکلی چیز کا بھاراب؟ دھائی دے رہا تھا۔

"اوہ.... کم بجنت اب کیوں رکا ہوا ہے۔" دفعتاً سر سجاد دانت پیس کر غرایا۔

"ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" رضوانہ نے بلند آواز میں کہا۔ "تم بڑے ہائل ہو۔"

پردے میں جنہیں تک نہ ہوئی۔ ابھار بدستور قائم رہا۔ دفعتاً سر سجاد جھلا کر اٹھا اور پردے طرف بڑھتا چلا گیا۔

اپنی دانست میں اس نے ریو اور کی تال عی پر ہاتھ ڈالا تھا لیکن پھر کوئی بھی سی چیز اُک گرفت میں جھوول کر رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے پردے کو جھکایا۔

"اوہ....!" رضوانہ نے تحریر لجھ میں کھا اور پھر پس پڑی۔ کیونکہ پردے پر نظر آئے ابھار ایک واکنگ اسٹک کے نچلے سرے کامر ہوں منت تھا جس کا ہینڈل ایک کرسی کے بینے نکادیا گیا تھا۔

"خاموش رہو۔" سر سجاد غرایا اور رضوانہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے سر سجاد کے اس کی بناء پر اس کے ذہن کو جھکایا گا ہو۔

خانہ میں بڑی بد حواسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوا تھا اور اب کمرے میں صرف

بیوں رہ گئے تھے۔
یہ یہک سر سجاد سینہ تان کر چڑا ہوا کمرے کے وسط میں آیا اور اس طرح رک کر چاروں رُنگیں لگا جیسے ہمیں بار اُس کمرے میں آیا ہو۔ رضوانہ کے لئے اس کا رویہ تمیز اگزیز تھا اُس نے تنہائیہ انداز میں پھلیں جھپکا کیں اور ٹھیک اُسی وقت سر سجاد گرجنے لگا۔ "مجھے اس طرح خوفزدہ بیں کیا جاسکتا۔ میں اپنے بیٹے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں، چھپ کر جملہ کرو گے، کرو۔"
"اوہ یہ...!" رضوانہ کی آواز کا پر ری تھی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ...!" سر سجاد کا لجھ تھکمانہ تھا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے پہک و قوت کئی آدمیوں کا گھاٹ گھونٹ سکتا ہوں۔ اپنے کمرے میں جاؤ! کیا تم نے سنا نہیں۔" ورنہ وہ سمجھتے ہیں شاید میں تمہاری موجودگی میں آگ اور خون کا کھیل پسند نہ کروں۔ جاؤ۔" رضوانہ میں اتنی ہست نہیں تھی کہ وہیں کھڑی رہ سکتی۔ اُسے ایسا محوس ہو رہا تھا جیسے یہک سر سجاد کا دماغ ماڈف ہو گیا ہو۔

خون کے دھبے

کمپنی حید کی موڑ سائیکل تار جام والی سڑک پر فرانٹ بھر رہی تھی۔ سڑک سنان نہ ہوتی ہے مگر شاید رفتار اتنی ہی تیز ہوتی کیونکہ تقریباً ایک ہفتے کے بعد کر ٹل فریدی کا سراغ ملا تھا۔ ایک ہفتے سے کر ٹل فریدی کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جاتی رہی تھیں۔ کسی کا ال تھا کہ وہ ان ڈاکوؤں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا ہو گا، جو یہنک آف کینیڈا میں ڈاکہ ڈال کر اگے تھے۔ کوئی کہتا اس کی لاش بینک کی سامنے والی عمارت کے ملے سے یقینی طور پر نکالی گئی، لیکن وہاں سے برآمد ہونے والی کئی لاشیں تو اس قدر منع ہو گئی تھیں کہ اُن کی شاختت ہی لکھا ہو سکی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ انہیں میں سے کوئی لاش اس کی بھی رہی ہو۔

مگر حید کیسے یقین کر لیتا۔ یقین نہ کرنے کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ بس چھٹی جس کی بات لاد اس کا ایمان تھا کہ ہارڈ اسٹوں جیسے لوگ چوہے کی موت نہیں مر اکرتے.... ویسے مجھے کوئی لائ فریدی ہی نے بہم پہنچائی تھی کہ یہک آف کینیڈا پر ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ پھر وہ لیڑوں کی

”مود خراب ہے شاید۔“ فریدی مکر لیا۔ وہ خود بڑے اچھے مود میں معلوم ہو رہا تھا۔
”میں کہتا ہوں آخواں طرح بور کرنے سے کیا فائدہ۔“
”بھی....بس اپاک امتحان اور شہر چھوڑ دیا تھا۔“
”وہ....؟“

”میں نہیں جانتا تھا کہ کینیڈ اپنیک کا قبضہ میرے ہی پر دیا جائے گا۔“
”جیا مطلب....؟“ حمید کے لمحے میں حیرت تھی۔
”یہ بُ کہاں ہے کہ میں نے اس کے متعلق کسی حرم کی اطلاع ملکے کو دی تھی۔ میں نہیں
لے اس انواع کا ذمہ دار کون ہے۔“

” تو پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

” بتایا تو کہ میں اس قسمی نہیں پڑتا چاہتا تھا۔“
”پہلی بار آپ کی زبان سے اس حرم کی ملتگوں رہا ہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ دخل اندازی
نے والے لوگوں میں سے ہیں۔ بسا اوقات آفسروں سے بھی اسی بات پر آپ کی ان بن
ہے کہ فلاں کیس آپ کے پر دیکھوں نہیں کیا گیا۔“
” یہ تو کیس کی نویعت ہی پر محصر ہے۔“
”اور تو یہ کیس اس قابل ہی نہیں تھا۔“

”بھی! میرے پاس اس سے بھی زیادہ دلچسپ کیس ہے جسے میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور جو
کے ذاکر سے زیادہ اہم ہے۔“ فریدی نے سار سلکاتے ہوئے کہد
”کون سا کیس جی...؟“
”اُس آدمی کا جو لاکیوں کے پرس میں نایاں تلاش کرتا ہے۔“
”لا حول ولا قوّة....“ حمید نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”لیا آپ حق کہہ رہے ہیں۔“
”ہا لکل....؟“

”فرید لا حول ولا قوّة....“ حمید نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”جلا اس میں کیا رکھا ہے۔ میری
ٹیکن تو وہ کوئی ایسا آدمی ہے جو لاکیوں میں مقبول ہونا چاہتا ہے۔“
”ٹیکن میں ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا، جو ریو اور دکھا کر صرف نایاں وصول کرنے کی

گھات میں نہ رہا ہو گا۔ کیا اس نے اُن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔ لیکن اس نے اس
میں وقت کا تعین تو نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی معلومات اس حد تک نہ رکھی ہوں لور
تھیں بھی تو کیا بینک کو لئے سے بچالا جا سکتا تھا۔ کیا اس کی حفاظت کرنے والے اس زبرد
دھماکے سے بوکھلا کر بجاگ نہ کھڑے ہوتے جس نے بینک سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک
عمارت کو آں واحد میں خاک کا ذمہ بنا دیا تھا۔

بینک کے پہرے داروں میں سے ایک بھی وہاں نہیں تھا راتھا پہر صبح تک کسی کو ہوش ہے
آیا کہ بینک پر کیا گذری ہو گی۔ کیونکہ دھماکے نے ساری بستی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا دا
کا علم تو اسی وقت ہوا تھا جب بینک کے عملے نے دوسرے دن اسڑو گنگ رومن میں جہاڑا پہ
دیکھی تھی۔

اُسی صبح حمید نے فریدی کا بستر خالی دیکھا تھا اور آج ایک ہفتے کے بعد اسے فون پر اُس کا
ملا تھا کہ وہ اسے تارجام کے ایڈ لفی ہوٹل میں مل سکے گا۔ ساتھ ہی تاکید کی گئی تھی کہ وہ ا
تذکرہ کسی سے بھی نہ کرے۔

مگر ایڈ لفی ہوٹل میں گھنٹوں کھیاں مارنے کے باوجود بھی اس سے ملاقات نہ ہو سکی اور
اسے سوچنا پڑا کہ کہیں کسی نے دھوکا تو نہیں دیا تھا۔ لیکن آواز سو فیصدی فریدی ہی کی تھی۔
اُسے کیا سمجھا جائے۔ وہ سوچتا ہا۔۔۔ میز پر وہ ساتھا ایڈ لفی کا ڈاٹنگ ہال پکھے اتنا زیادہ آباد
نہیں تھا۔

اس نے ملاز میں سے پوچھ گئے کہ نامناسب نہ سمجھائے تو قع تھی کہ فریدی اگر یہاں ہو
میک اپ ہی میں ہو گا۔ ورنہ پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی اُس نے وہاں سے اٹھنے کا رادہ کیا دھنٹا اس کے ذہن کو جھکا سا لگا کیا
فریدی ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور حمید کا یہ خیال غلط تھا کہ وہ میک اپ میں ہو گا۔
آخر اس رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اقرب آیا اور ایک کری سی سمجھنے کی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں شاید کچھ
انتظار کرنا پڑا ہے۔“

”اس حد تک کہ شاید میں اسی کری سی پر پیدا ہوا تھا۔“ حمید نے بُ اسامنہ بنا کر کہا۔

کوشش کریں۔ ”

”پتہ ہے آپ کو کہ کتنی بانیں صائم ہوئی ہیں پہنچ دالے کیس میں۔ مگر تمہرے ام کو اس کی اطلاع رات ہی کو مل گئی تھی۔“

”ندیلی ہوتی قسم مجھ کو میرا بستر خالی کیسے دیکھتے۔“

”توور اسی وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ بینک لٹ پکا ہے۔“

”اندازہ تھا....!“

”آپ خود ہی اپنے بیان کی تردید کر رہے ہیں۔ ایک طرف یہ بھی کہ رہے ہیں کہ اس حرم کی کوئی اطلاع صحیح کو نہیں دی تھی اور دوسرا طرف عمارت کے حادثے کے خواہ کر آپ نے اندازہ بھی کر لیا کہ بینک لٹ گیا ہوگا... کیسے ممکن ہے۔“

”بھائی کی باتیں لے بیٹھے۔ غرض کرو جسے اس ڈاک کے متعلق علم بھی تھا تو میں جان لیتا کہ وہ اس کے لئے کوئی عمدات ہی لاڑ دیں گے۔“

”تو آپ کو ڈاک کے کی ایسیم کا علم تھا؟“ حمید نے پلکش جھپکائیں۔

”سوال یہ ہے کہ یہ بات پھوٹ کیسے؟“

”کون سی بات۔“

”بھائی کہ نہیں نے بھیجے کو اس حرم کی کوئی اطلاع دی تھی۔“

”میا آپ کی روپورٹ تحریری تھی۔“

”وہ روپورٹ کو فینڈشل فائل کے لئے تھی اور ایس۔ پی کے علاوہ کسی اور کے علم میں چاہئے تھی۔“

”اوہ.... اب نہیں سمجھا۔ ایس پی صاحب ان دنوں اسی لئے پریشان نظر آتے رہے ہیں فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اشارے سے ایک دیٹر کو بلا رہا تھا۔ قریب آنے پر اس نے اکافی کے لئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”اس سختے رہنے کے متعلق ایک اطلاع ملی ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ بینک کی ڈکٹنی سے کسی سختے رہنے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”میا تم کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”ہر کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے پاکی ہو جانا پاپے ہے۔“

زیدی نے سجدہ کو ایش نڑے میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید کی آنکھوں میں دیکھنا

اُنکرپلے

”سجدہ سے واقف ہو۔“ اس نے پوچھا

”بیوں....؟“ حمید یک بیک چوک پڑا

”تم اس طرح چوکے کیوں؟“

”ہم بینک کی ڈکٹنی کے متعلق سختگون کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت جو کچھ بھی لے گئے وہ اس سے فیر متعلق نہ ہو گا۔“

”ہم سختے کا ذکر کہ بھی تو تھا۔ جھبکل رات اس نے سر سجدہ کی میز پر کھانا کھلایا تھا۔“

”ہمیں اس کے متعلق سن چکا ہوں۔ غالباً کسی نے روپورٹ درج کرائی ہے۔“

”میں کی روکی روپورٹ نے....!“ فریدی نے کہا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن دیٹر کو آتے دیکھے ناہوں ہو گیا۔

”کافی کی روکے میز پر رکھ دی گئی اور دیٹر چلا گیا۔“

”وہ انہیں روپورٹ کھا کر کھانے کی میز پر جم گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لڑکی کا بیان ہے کہ

”لائے اس سے زیادہ بیے باک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔“

”صرف کھانا ہی کھلایا تھا اس نے۔“

”صرف.... کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دیے اس نے سر سجدہ سے کہا تھا کہ وہ اس سے لاری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہے۔“

”پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔“ حمید بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب تک وہ بہتری حرکتیں کر چکا ہے۔“

”لیکن اس کاروں عمل سر سجدہ پر کیا ہو گا؟“ فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ظاہر ہے کہ اس نے ہمیں سوچا ہو گا کہ ایسے پیاک آدمی کا کووارہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔“

”مش..... اس کارویہ اس کے مقابلے میں زیادہ جبرت اُنگیز ثابت ہوا تھا۔“

”یعنی اس نے اس کی طرف سے خود ہی اپنے منہ پر تھپڑا مارنے شروع کر دیے تھے۔“ حمید

ٹھیک ہے بولا۔

"اس نے اس کے چلے جانے کے بعد کافی شور و غل چلایا تھا۔ اس انداز میں مجھے دیکھ رہا ہے اسے آس پاس ہی چھپے ہوئے کسی آدمی کو سننا چاہتا ہو۔"

"مجھے تو اس میں ذہر برادر بھی تمیر نہیں نظر آتا... آخر کون ہی چیز حیرت انہیں ہوئی ہے آپ کو۔"

"تم نے ابھی وہ تحلیل کہاں نے ہیں، جو اس کی زبان سے لٹلتے تھے۔ اس نے کہا تھا طرح خوفزدہ نہیں کیا جاسکتا میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں۔ چھپ کر حملہ کر لے بھی کر کے دیکھ لو۔ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کنی آدمیوں کا کوئی سکون۔ پھر اس نے اپنی بیٹی سے کہا تھا کہ وہ اپنے کرے میں چلی جائے اور بعض نامعلوم اکے متعلق خیال خاہر کیا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سر جادا اپنی بیٹی کی موجودگی میں اُنہیں کھیل کھیلانا پسند نہ کرے گے۔"

"اچھا تو پھر...!"

"جو آدمی اتنا دلیر ہو کہ چھپ کر حملہ کرنے کی دعوت بھی دے سکے وہ اس اجنبی کے میز پر سکون کے ساتھ کیسے بیٹھا ہو گا۔"

"ہم ای خود طلب ہے۔"

"لڑکی کو سمجھتے سے اس بات پر مجبوڑ کیا تھا کہ وہ اپنے کرے میں چلی جائے اور دروازے متعلق کے بغیر نہ سوئے۔ پھر تنگ ملاز میں کو بھی بھی بہادیت دی گئی تھی۔ ملاز میں بھی ہیں اور لڑکی بھی۔"

حید عہذی سانس لے گر بولا۔ "شاید اسی لئے محفل رات مجھے بھی نیند نہیں آئی تو یہ عالم ہے میرا کہ جیسے ہی چھینک آئی اندر قہقہ کر لیتا ہوں کہ پڑوس کی کوئی لڑکی یعنی ملوڑ میں جاتا ہے۔"

"کافی اچھی ہے۔" فریدی کافی پاٹ کا ذہکن اٹھاتا ہوا بولا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ لا یعنی بکواس کا سلسہ آگے بڑھے۔ اس نے دو ٹوٹ پیالوں میں کافی اٹھ لی اور دو دو ڈالا۔ "وہ سب ڈھائی بجے تک اپنے کرروں میں مغللہ میں مغللہ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملاز میں کو اس اسی نیند آگئی ہو لیکن لڑکی کے بیان کے مطابق وہ خود جاگئی رہی تھی لیکن اس نے ایک ہا۔"

ل کو مش نہیں کی۔ ڈھائی بجے اس نے شور کی آوازیں سنیں، جو عمارت ہی کے کسی حصے میں شہر پر شور پوستا ہی گیا۔ وہ جیچے جیچے کر ملاز میں کو آوازیں دیتی رہی لیکن باہر نکلنے کی نہ کر سکی۔"

زیریں نے خاموش ہو کر کافی کا گھونٹ لیا۔ حید پکھنہ بولا۔

خوبزدی دیر بعد فریدی نے دوبرا گھونٹ لے کر کہا۔ "ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ پکھنہ ل کرے ہی میں رہی تھی۔ اس کے بعد نوکروں کی آوازیں سن کر دروازہ کھولا تھا۔ نوکروں نے بتایا کہ سر جادا خوابگاہ میں موجود نہیں ہے اور خواب گاہ کی حالت تو اس نے اپنی آنکھوں پر سمجھی تھی۔ سارے سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ دہاں ایسی ابتری نظر آئی تھی جیسے پکھنہ دیر تک رہائی ہوئی ہو۔ فرش پر جا بجا خون کی بوندیں بھی تھیں۔ عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا۔ اس سجادا کا سر جادا کھینچنے ملا۔ یہ صرف دوسروں کی زبانی مجھے تک پہنچی ہوئی کہاں ہے۔ ابھی

نے جائے واردات کا معافہ نہیں کیا۔ بس تمہارا انتظار تھا۔"

"یہاں تاریخ میں۔" حید نے حیرت سے کہا۔ "آخر آپ خود ہی شہر کیوں نہیں چلے آئے تھے۔" "شہر آکر کیا کرتا۔ وہ تم غلط سمجھے ہو۔ وہ اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں تھا۔ یہاں شر قاد کے دل کے قریب بھی اس کی ایک کوٹھی ہے۔"

"وہ تو بڑی سنان جگہ ہے۔" حید نے پاپ نیں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ پکھنہ دیر تک اول اپرا پھر یہک بیک چک کر بولا۔ "وہ.... شہر ہے.... آپ کے پاس تو اس سے پہلے بھی کیس تھا۔ وہ لاش جو کینے و کثوڑیہ کے با تھر روم میں پائی گئی تھی۔"

"میک ہے اس وقت میرے پاس دو کیس ہیں۔ ایک اس نامعلوم آدمی کے قتل کا اور دوسرا جس کی وجہ سے میں سر جادا کے معاملے میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"یعنی وہی سخت... کس چکر میں پڑے ہیں آپ۔ اگر مجھے کبھی مل بھیز ہو گئی تو کان پکڑ پھاٹا ہو آپ کے پاس لاوں گا۔"

"میری داشت میں یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

حید نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو... وہ لاش

مجھے۔ بزر مسبری سے آدھا لک آیا تھا اور مسبری بھی ترچھی پڑی تھی۔ قالین پر کئی جگہ
لے کے دھبے نظر آئے۔ فریدی بڑے انہاں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔
کسی چیز کو ہاتھ تو نہیں کیا گیا۔ ”اس نے پوچھا۔
”میں نہیں۔“ انچارج نے جواب دیا۔ ”مطلوب یہ کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں کسی چیز کو
میں چھوایا۔“

”نہیں ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”مگر آپ کس بنابر کہتے ہیں کہ اس
اٹلی یہاں سے گھیٹ کر لے جائی گئی ہو گی۔“

”اور تشریف لائیے۔“ وہ ایک آدھ کھلے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اُن نے اُس کے دونوں پاٹ پوری طرح کھول دیئے۔ دوسرا طرف بھی ایک کرہ تھا ایکن
لے فرش پر میلنگ نہیں تھی۔ ننگا فرش تھا اور شاید پچھلے دن اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔
نگر کی ہلکی سی تہبہ پر وہ نشان ہرگز نہ بن سکتا جس کی بنا پر انچارج کو لاش کے گھیٹے جانے کا
ہوا تھا۔

لقریب اڈیڑھ یادو فٹ چوڑا نشان تھا، جو اُس دروازے سے دوسراے دروازے تک پھیلا ہوا
اُدھر سے کریمان کہیں کہیں خون کی لکیریں بھی نظر آرہی تھیں۔

”آپ کا خیال درست ہی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور نشان کے ساتھ آگے بڑھتا
ایک۔

کہیں کہیں صرف خون کی لکیریں ہی نظر آئیں۔ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ عمارت
کا قسمی دروازے سے باہر آئے، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔ یہاں بھی کچھ دور تک خون کے
ٹھنڈات ملے لیکن پھر اس کچھ راستے کے قریب اُن کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو جنگل کے متوازی مشرق
و غرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔

”یہاں سے شائد اسے کسی گاڑی پر لے جایا گیا ہے۔“ فریدی نے چاروں طرف دیکھتے
ائے کہا۔

”مگر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ لاش ہی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔
”قطعاً نہیں کہا جاسکتا۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔

کس کی تھی۔“

”میری....!“ حمید جھنجلا گیا۔

”اس آدمی کی جس سے مجھے بینک میں موقع ڈاکے کی اطلاع می تھی۔“

”اوہ.... تو یہ کہئے۔“ حمید نے طویل سانس لی۔

”مزید اطلاعات بھم پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کر دیا گیا تھا۔“

”اگر آپ اسی طرح اس مخفرے کا منسلک بھی صاف کر دیں تو بہتر ہے، ورنہ میں
اُنچھوں میں بھتار ہوں گا۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ آپ کوئی اتنا ہم کیس چھوڑ کر
کے پیچے پڑ جائیں گے جو لاکیوں کو چھیڑتا پھرتا ہے۔“

”مچھلی رات اُس نے ایک لڑکی کے باب کو بھی چھیڑا تھا۔“ فریدی اس کی آنکھوں
ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ ”اب اٹھ جاؤ۔ تارجام کا اٹیشن انچارج وہاں میرا منتظر ہو گا۔“
کوئی بھی تک پہنچنے کے لئے وہی موڑ سائیکل استعمال کی گئی جس پر حمید یہاں تک آیا
ہے تو یہاں نہ ہے۔“ حمید کو بھی کے قریب پہنچ کر بڑھا۔

عمارت کا فنی بڑی تھی۔ اُس کے تین اطراف میں باغات کے سلسلے تھے اور پشت
جنگل میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں شرف آباد نام کی چھوٹی سی بستی تھی
ہے پہلے بھی یہ شرف آباد کے جنگل کہلاتے رہے ہوں۔“

باغ سے ایک کشادہ سی روشن عمارت تک جاتی تھی۔

عمارت کے قریب پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ تارجام اٹیشن کے انہی
ان کا استقبال کیا۔

”کیا سر جادہ میں گیا۔“ فریدی نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کی لاش گھیٹ کر یہاں سے لے جائی گئی ہے۔“

”خدا کی پناہ....! آپ نے اتنا بڑا خیال اتنی آسانی سے ظاہر کر دیا۔“ فریدی مسکرا۔

”خود کیہے لبھنے چل کر۔“

وہ عمارت کے اندر آئے اور انچارج انہیں سب سے پہلے سر جادہ کی خواب گاہ ہی
میز اور کرسیاں ٹکستہ حالت میں فرش پر ڈھیر تھیں۔ کئی خوبصورت اور بڑے گلستان

بیا کسی نے انہیں دیکھا ہے۔“

”نبیں... آوازوں سے اتنا اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کتنی ہوں گے۔“

”آپ مجھے کسی کمرے میں تمباںد کر دیجئے۔ لیکن میں آپ کو ایسی آوازیں سنادوں گا جیسے

ت پدرہ آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے ہوں۔“

”پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”کسی نتیجے پر خیتنے میں جلدی نہ کی جائے۔“ فریدی نے سگار کا ڈب جیب سے نکال کر اس کی

بڑھاتے ہوئے کہا۔

”مکریہ جناب....! میں نہیں پیتا۔“

فریدی نے ایک سگار خنچ کیا اور اس کا سر اتوڑنے لگا۔ پھر بولا۔ ”کیا اس ہنگامے کے دوران

پن کرے سے باہر نکلا ہی نہیں تھا۔“

”میں نہیں اپنامہ فرد ہونے کے بعد بھی کمروں ہی میں رہے تھے۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد

انے باہر نکلے کی ہمت کی تھی اور اسی نے بقیہ دو ملازموں کو بھی ان کے کمروں سے نکلا تھا۔“

”ہوں! میں ذرا سب کے بیانات لیتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہتر ہے۔“ انچارج نے کہا۔

لیکن ملازم اس سے زیادہ بچھنے بتا کے جتنا فریدی انچارج سے سن پکا تھا بادرچی نے اس

وہ مہمان کو بھی دیکھا تھا اس لئے وہ صرف اسی کی داستان کا اضافہ کر سکا۔

یہ بھی کوئی نہ بتا سکا کہ سرجاڈ سے کسی کی دشمنی تھی۔

آخر میں اس کی لڑکی رضوانہ کے پاس آئے اس کی حالت اہر تھی۔ روئے روئے پلکن متورم

تھیں، اس نے بھی بھی بتایا تھا کہ وہ سرجاڈ کے کسی دشمن کے وجود سے لا علم تھی اور نہ اُس

بلے بھی اس کو ایسے موڈ میں دیکھا ہی تھا جیسا ناخوانہ مہمان کے رخصت ہو جانے کے بعد

طاری ہوا تھا۔

”کیا آپ کسی طرح یہ باور کر سکتی ہیں کہ وہ اس دلیر اجنبی کو پہلے سے جانتے رہے ہوں۔“

لما نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جس کی بنا پر یہ کہا

”کیوں...!“ انچارج کا سوال قدرتی امر تھا کیوں وہ تو شروع سے اب تک اسی کے انگلیں غور کر تاہم۔

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لاش ہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف زخمی ہو۔ آخر لاش کو گھیتے پھر نے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اگر قتل کرنا مقصد تھا تو لاش کرے ہی چھوڑی جاسکتی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو گا تو اس سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ سرجاڈ کا ان حالات میں خواب گاہ سے غائب ہو جانا ہی اسی بارے دلیل ہے کہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا ہے یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ یہاں کر ٹل فریدی کو کیا گیا ہو گا۔ البتہ سرجاڈ ضرور یہاں سے کسی لاش کو گھیٹ کر نہ جاسکتا ہے تاکہ خود کسی قتل کے الزام سے نجٹے سکے۔“

”اوہ...!“ انچارج آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

متحرک فرش

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

پھر اُس نے کہا۔ ”لیکن ابھی اس خیال کو قیاسات ہی کی حدود میں رہنا چاہئے۔ وہی صورتی ہیں یا تو سرجاڈ کو زخمی حالت میں یہاں سے گھیٹ کر لے جایا گیا یا پھر سرجاڈ ہی نے کہ لاش ٹھکانے لگائی ہے۔“

”مگر دوسرا صورت میں تو اسے واپس آ جانا چاہئے تھا۔“

”ہم اُسے احمد کہیں گے اگر وہ خود ہی واپس آ جائے۔ البتہ اُسے واپس لایا جاسکتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ بھی خود کو زخمی کرے گا اور کسی شاہراہ پر بیوشاپ پر اپالیا جائے گا۔ تاکہ اپنے گھیتے جا کہاں نا سکے جے قتل کر کے لاش غائب کی ہو گی اُسی کا نام بے آسانی لے سکے گا۔ اب پولیس مارا کرے۔“

”لیکن مٹھری یے! ملازموں کا بیان ہے کہ وہ کتنی آدمی تھے۔“

جائے۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس دیرانے کی رہائش کیوں پسند ہے۔“

”ہم یہاں مستقل طور پر نہیں رہتے۔ کبھی بھی آتے ہیں۔ فریدی اکثر کام کی زیادتی سے ذہنی تحکم میں بتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کچھ دنوں کے لئے یہاں آنا پڑتا ہے؛ آرام کر سکیں۔ اودہ میرے خدا کیا میں انہیں پھر دیکھ سکوں گی۔“ اس کی آواز بھرا گئی اور سرخ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

”محبے افسوس ہے کہ میں اس وقت آپ کے ذہن پر ناگوار قسم کے سوال و جواب کا با رہا ہوں۔ مگر کیا کروں اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلے گا۔“

”آپ جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہوں شوق سے پوچھتے۔“

”میرا خیال ہے کسی برف میں کوئی ان کا شریک بھی ہے۔“

”تی ہاں! ایمجر سعید صاحب ہیں۔“

”محبے شاید یاد پڑتا ہے.... خیر تو.... اس دوران میں دونوں کے درمیان کسی قسم کی نہیں ہوا تھا۔“

”میری دانست میں تو نہیں۔“

”میا پچھلی رات وہ خفرزہ بھی تھے۔“

”ہرگز نہیں! اتنے غصے میں پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔“

”اور انہوں نے، جو افلاط دہراتے تھے ان سے بھی ثابت ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑھتی دشمن کے لئے کہے گئے ہوں۔ ایسا دشمن جو عرصہ سے ان کی گھات میں رہا ہو۔“

”تواب کیا زیڈی دا بیس نہیں آئیں گے۔“ وہ پھر روپڑی۔

”تا امید نہ ہونا چاہئے۔ پولیس ہر ممکن کوشش کرے گی۔“

”وہ کچھ دیر تک سکیاں لیتی رہی پھر بولی۔“ اب ہمیں کیا کرتا چاہئے کیا شہر واپس جائیں ”میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی اسٹنٹ اور دو کاشیبل سینیں تھہریں گے۔“

جید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”ویسے آپ جانا بھی نہ چاہتی ہوں گی۔“ فریدی نے پوچھا۔
”فریدی کے بغیر.... آپ خود سوچنے! میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔ باورچی کہہ رہا تھا
وہ کہیا گیا ہے اور خون کے دھبے....!“

”اُوہ آپ اس کی فکر نہ کیجئے! اضوری نہیں ہے کہ وہ سر سجاد ہی رہے ہوں۔“

”نہیں.... پھر کون؟“ لڑکی چوک پڑی۔

”وہ سر سجاد کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے جسے خود ہی گھیث کر باہر لے گئے ہوں۔“
”میکن انہیں واپس تو آنا چاہئے تھا۔“

”میکن ہے کسی احتیاطی تدبیر کے تحت انہوں نے فورائی واپس آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی۔ میری عشق کام نہیں کرتی۔ ذہن جواب دے رہا ہے۔“

”بمر سے کام لججے۔“ فریدی نے کہا اور پھر انچارج سے پوچھا۔ ”گھبیٹے جانے کے نشان کے آپ کو کس نے بتایا تھا۔“

”کسی نے بھی نہیں وہ میری ہی دریافت ہے۔“

”آپ یہاں کس وقت پہنچے تھے۔“

”میں آٹھ بجے۔“

”آپ کو اطلاع کس وقت ہوئی تھی۔“

”سات بجے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں فون موجود ہے۔“

”تی ہاں۔“ رضوانہ نے جواب دیا۔ ”میں نے رات ہی رنگ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن

زراب تھا۔ اس وقت تک تلک نہیں ہوا۔“

”میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے فون کے تارکے ہوئے پائے تھے۔“ انچارج بولا۔

”اُوہ...!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر لڑکی سے پوچھا۔ ”باورچی نے آپ کو اس نشان کے

ناکس وقت بتایا تھا۔“

”زیادہ دیر نہیں گذری۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”نشان کا ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔“

”میں اس سے پھر کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے انچارج کی طرف مڑ کر کہا۔

بیوں مت کرو۔ یہ معاملہ بے حد لچک ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں کسی بھی احتیاطی پہلو۔
دماز نہیں کر سکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے حالانکہ لڑکی
میں نے اس سے لا علی ہی ظاہر کی ہے۔“

ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں آپ کی کوئی میں اس سے بھی زیادہ شاندار
نے بنا سکتا ہوں لیکن خدا راجحے یہاں ٹھہر نے پر مجبور نہ کیجھے۔ اُس لڑکی کی شکل دیکھ کر
ابورنا پڑتا ہے۔“

میں تمہاری آٹو سائیکل لے جا رہا ہوں۔ ٹھیک بارہ بجے صدر دروازے کے قریب موجود
آؤں گا۔“

مگر تہہ خانے کی فکر کیوں ہے آپ کو۔ لاش باہر لے جائی گئی تھی۔
میں اُس نشان سے مطمئن نہیں ہوں۔“
کیوں....؟“

وہ ایسی جگہوں سے گذر رہے چہاں صاف نظر آئے۔ اگر تم کوئی وزنی چیز گھیث رہے ہو تو
نزول تک چیخنے کے لئے کم سے کم فاصلے والی راہ کی فکر ہو گی۔ لیکن اس معاملے میں ایسا
ہے۔ گھیثے والا خواہ مخواہ کروں اور راہداروں میں پکڑا تا پکڑا ہے۔ میں نے کم سے کم فاصلے
اُبھی جائزہ لیا ہے اور اس نیچے پر پہنچا ہوں کہ وہاں وہ نشان واضح نہ ہو پاتا۔“
اُرایا ہی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

پھر دیکھیں گے! اذرا تم لڑکی کو بہلانے کی کوشش کرو۔
بن ماں کے بچوں کو دودھ نہ پلاتا پھر وہ۔“ حمید جلا گیا۔
یہ کی ہستا ہوا رخصت ہو گیا۔

یہ دلکی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی کہ وہ غمزہ لوگوں سے ڈھنگ کی گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔
چاہتا اور منہ سے کچھ نکلتا۔ خصوصاً تعزیت کے موقع پر ہمیشہ اس نے خود کو پر لے درجے
ہوں کیا تھا۔

ہودیر بعد اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہی ہو رہہ بھلا بارڈ شون
ل کسی لڑکی کو بہلانے کا مشورہ کیوں دینے لگے اور پھر اسے یعنی کیپشن حمید کو! تو پھر اس

”اُبھی بلواتا ہوں۔“ اُنچارج کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
اور پھر بادرپی کے آجائے تک خاموشی ہی رہی۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا اور حمید کی
تمام توجہ رضوانہ کی طرف تھی، جو کبھی کبھی نکھیوں سے فریدی کی جانب دیکھنے لگتی تھی۔
”کیا رات تم میں سے کوئی عمارت سے باہر بھی نکلا تھا۔“ فریدی نے بادرپی سے پوچھا
”ن..... نہیں حضور! ہست ہی نہیں پڑی تھی۔“
”تم اپنے کردوں میں کس وقت واپس گئے تھے۔“

”ہم اپنے کردوں میں نہیں گئے تھے جتاب۔ یہاں بی بی کے کمرے میں تھے۔“
”اور صبح تک یہیں رہے۔“

”جی ہاں..... جی ہاں..... جب بی بی فون کرنے گئی تھیں تو ہم بھی ساتھ گئے تھے۔“
”اُس نشان کا علم تمہیں کس وقت ہوا تھا جس کا تذکرہ تم نے ان سے کیا ہے۔“

”اپھر صاحب کے آجائے کے بعد ہم میں سے کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اہم
صاحب کو اُس کی بات کرتے سناؤ جا کر دیکھا۔“

”بل جاؤ۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔
وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑا بڑا۔ ”اُبھی تک
فکر پر نہ سکش کے لوگ نہیں پہنچے۔“

پھر دن کا بقیہ حصہ ضروری کاروائیوں میں ختم ہو گیا۔ حمید کچھ اتنا ہٹ سی محسوس کرنے والا
تھا اور یہ سوچ سوچ کر اُسے ابھن ہو رہی تھی کہ ایک غمزہ لڑکی کے ساتھ رات یہیں گزارنا
پڑے گی، اگر معاملہ صرف لڑکی کا ہو تو تا تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر وہاں تو غمزدگی کا دام چلا بھی
لگا ہوا تھا۔ یعنی وہ اخلاقاً اس کے سامنے مکرا بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو فریدی بھی واپسی کے لئے تیار نظر آیا۔
”ارے جناب سنتے تو کسی۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے روکتا ہوا بولا۔ ”کیا آئی سوت میں رات
بر کرنی پڑے گی۔“

”ہمیں آرام نہیں کام کرتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”غموم مل کیا جسے ہمیشہ کام چور بنا دیتی ہیں۔“

پچھلے "کبھی کبھی یہ عمارت خالی بھی رہتی ہوگی۔"

"بھی ہاں ظاہر ہے۔ جب ہم نہیں ہوتے تو خالی ہی رہتی ہے۔"

"یعنی... کوئی دیکھ جھال کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ دو ملاز مول میں سے ایک چوکیدار ہے جو مستقل طور پر یہیں رہتا ہے۔"

"کیا نام ہے۔"

"راجو...!"

حید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی کی ہوگی جس نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"وہ اتنا زیادہ نا شکرا تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔" رضوانہ نے پیزاری سے کہا۔ غالباً وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ حید وہاں سے اٹھ جائے۔

"بس مجھے اتنا ہی معلوم کرنا تھا شکریہ۔" وہ اٹھ گیا۔ اسی بوریت اس نے شاذ و نادر ہی محسوس کی ہوگی جیسی بوریت سے اس وقت دوچار ہوا تھا۔

راہداری میں باور بھی ہاتھوں پر چائے کی ٹرے اٹھائے آتا دکھائی دیا۔

سچھ، "آپ چائے کہاں پین گے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"کہن میں۔" حید نے لاپرواں سے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ فریدی کی وجہ سے یہ لعوبیت برداشت کرنی پڑی تھی کہ نلاز میں اس سے چائے کے لئے پوچھیں۔

کچن کے قریب راجو نظر آیا۔ وقت تو گذارنا ہی تھا اس نے سوچا اس سے ہی تھوڑی بہت پوچھ گچھ کر ڈالے حالانکہ یہ پوچھ گچھ رضوانہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ اس کے عادات و اطوار پسند اور اپنے کے بارے میں معلومات بھم پہنچا رہا تھا۔

کچن کی میز پر اس کے لئے چائے رکھ دی گئی۔ اس نے پیالی اٹھائی ہی تھی کہ رضوانہ بوکھانی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

"اوہ... معاف سمجھے گا جناب۔ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی اولاد میں کہا۔ "ابھی ایک کاشیل نے دوران گفتگو میں بتایا۔"

"کوئی بات نہیں... بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" حید مسکرا یا۔

لڑکی کے دل بھلانے کو بھی سر کاری فرائض ہی میں داخل سمجھتا چاہئے۔

بہر حال اسے اس کے کمرے میں آتا ہی پڑا... وہ خاموش بیٹھی تھی۔ پلکوں کا درم کیا تقریر ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں اب بھی خون ہو رہی تھیں۔

"ترشیف رکھئے جناب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جج.... جی ہاں۔" حید بوکھانے ہوئے لجھ میں بولا اور ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

لڑکی اسے استفہامیہ نظر دیں سے دیکھتی رہی۔

"وہ... وہ... ویکھے مم... میرا خیال ہے کہ آپ کو معموم نہ ہونا چاہئے۔" حید ہکلایا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھے رکی گفتگو سے نفرت ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ مجھے معموم نہ ہونا چاہئے۔"

"کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ...!" وہ بوکھا کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ دوسرے صاحب تو کہہ رہے تھے...!"

"اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" حید نے یونہی رواروی میں کہہ دیا تھا۔

"میرے خدا...!" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور حید سوچنے لگا کہ کہیں تھیاں میں جا کر اسے اپنے سر پر کم از کم پانچ جو تے رسید کرنے چاہئیں۔ کیونکہ بوکھا بہت میں اس نے دل بھلانے کی بجائے

دل ہلانے والی باتیں شروع کر دی تھیں۔ وہ کوشش کرنے لگا کہ سنجالاں لے سکے، لیکن بوکھا بہت بدستور طاری تھی۔

"آپ نن... نہیں سمجھیں! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ڈیڑی واپس آ جائیں گے۔" غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

"لیکن وہ غائب کیوں ہو گئے۔ میں نے بھی وہ نشان دیکھا ہے۔ میرے خدا... میں کیا کروں۔"

"ایک بار...!" حید نے اشارت لیتا چاہا۔

"کچھ نہیں جناب! میں تھیاں چاہتی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔" حید نے محض اسی ایک جملے کی بناء پر اٹھ جاتا شان کے خلاف سمجھ کر موضوع بدلتے۔

رضوانہ کے قدم لاکھڑا رہے تھے۔

تبہہ خانہ

کاشیل اور حمید آگے چل رہے تھے۔ رضوانہ کا فاصلہ ان سے کم از کم سات یا آٹھ گز ضرور ہے۔ یہ بیک وہ اس طرح چوک پڑی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ پھر ہونوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

”ٹھہریے۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود بھی زک گئی۔ حمید رک کر مڑا اور رضوانہ کے ٹلپ پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی بھنوںیں تن گئیں۔

”اب مجھے یاد آیا! وہ کوئی جنگلی بلی ہو گی یا اور کوئی چیز...!“
”قلین کے نیچے...!“ حمید نے حرمت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔
”چلے... دیکھتے ہیں۔“ رضوانہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

حمدید سے شہمی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں کے دروازے پر رک گئے۔“ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ غصیل انداز میں کاشیل کی طرف مڑا کیونکہ اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آئی تھی۔
”صل... صاحب! میں نے دیکھا تھا ہاں۔“ اس نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”ہو سکا ہے۔“ رضوانہ بولی۔ ”آئیے میں آپ کو دکھاؤں۔“

اس نے آگے بڑھ کر قلین کا گوشہ الٹ دیا اور رجھ ایک بڑی سی جنگلی بلی اچھل کر بھاگی۔

لما پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ قلین کے ہٹے ہوئے نکل جگہ ایک چھوٹا سا حوض نظر آیا جس کی گہرائی ڈھانبی یا تین فٹ سے زیادہ نہ رہی ہو گئی۔

”یہ دیکھئے... اس میں ایک ہالی بھی ہے۔ وہ اسی کے راستے پر یہاں آئی ہو گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔“ رضوانہ بولی۔

”ہوں... یہ حوض دھو کے کی نئی ہے گویا۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”لنا تو ہوتا ہے اس حصے پر بھی اگر بے خبری میں کسی کا پیور پڑ جائے تو کیا خشر ہو گا اس کی

وہ بھی کرسی کھینچ کر دیں بیٹھ گئی۔

”میں نے کچھ دیر قتل آپ سے کچھ نامناسب قسم کی گفتگو کی تھی۔ اُس کے لئے معافی چاہیہ ہوں۔ میں کیا بتاؤ ڈیڑی آپ لوگوں کے کتنے مدارج تھے۔“

”تھے....؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ ”ہیں“ کہنے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔

”خدا جانے....!“ اُس نے ٹھنڈی سی سانس لی۔

حمدید سے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ ”میں کر قتل صاحب کے حد ملنگو ہوں کہ وہ میری ٹکنگہداشت کے لئے آپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ چائے ختم کر کے پانپ میں تباکو بھر رہا تھا۔ رضوانہ بھی خاموش بیٹھ رہی تھیں شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بار بار اُس کے ہونٹ کھلتے اور بند ہو جاتے۔ حمید کو اس احساں تھا لیکن اُس نے براہ راست اس کی طرف نہیں دیکھا! وہ خیالات میں کھونے ہونے کی بہترین ادکاری کر رہا تھا۔ ویسے حقیقتاً اس وقت ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ شاید اب وہ فریدی کے حکم کے مطابق اس کا ”دل بہلانے“ میں کامیاب ہو جائے۔

پھر وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یہ بیک ایک کاشیل پچن میں داخل ہو۔

”کیا بات ہے۔“ حمید اس کی طرف مڑا۔

”جناب.... وہاں ہاں میں۔“ وہ خاموش ہو۔ ہانپئے لگا۔ رضوانہ کھڑی ہو گئی تھی۔

”ہاں میں کیا.... جملہ پورا کرو۔“ حمید نے جھا کر کہا۔

”ہاں کا قلین فرش سے اٹھتا ہے اور پھر برابر ہو جاتا ہے۔“

حمدید کی نظر تیزی سے رضوانہ کے چہرے پر گئی لیکن وہاں حرمت کے آثار کے علاوہ اور کچھ ایسا نظر آیا۔

”کہیں تم بھگ تو نہیں پی گے۔“ اس نے کاشیل سے کہا۔

”نج... نجی... نجی...“ لیکن سمجھے جناب وہ نظر کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔

حمدید نے استفہامی نظروں سے رضوانہ کی طرف دیکھا۔

”مجھے حرمت ہے۔“ وہ آہتہ سے بڑی بڑی پھر جلدی سے بولی۔ ”تو چل کر دیکھئے تا۔“

حمدید نے بجا ہوا پانپ دیں میز پر ڈال دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

ریڈھ کی بڑی کا۔

”یہ نامکن ہے....“ رضوانہ نے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ ”اوہ.... بڑی میز کس نے
بیہاں سے.... وہ دیکھئے۔ وہ بڑی میز بھیشہ بیہاں رہتی ہے۔“

”مگر میں نے آج تک کسی بیہاں میں حوض نہیں دیکھا۔“

”پس نہیں کیوں ڈیٹی ہے بیہاں کے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔
آپ حوض دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس جگہ خانہ رہا ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”پہ ایک پرانی اور ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ ڈیٹی نے اسے دوبارہ تعمیر کر لیا ہے لیکن ذ
جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ وہ اپنے کارناموں میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت
کر سکتے اور نہ ان پر کوئی کسی حرم کا اعتراض کر سکتا ہے۔ اکثر ہم ان سے کسی بات کی وجہ بھی
پوچھ سکتے۔ ذرا ذکیر حرم کے آدمی ہیں۔“

حید صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے بیہاں تھہ خانوں کے امکانات
طرف اشارہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا خیال درست ہی ہو۔

اس وقت بات دیں ختم ہو گئی۔ حید فریدی کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں انہا
تھے۔ لہذا وہ اس کا منتظر رہا۔

رات سرداں اور ساریک تھی۔ نوبجے ہی عمارت پر قبرستان کا ساستا مسلط ہو گیا۔ (رضوانہ)
زیادہ خاک تھی وہ اس وقت بک اپنی خواب گاہ میں نہیں گئی جب تک کہ حید نے اسے لا
نہیں والا دیکھا۔ ایک کاشیبل خواب گاہ کے دروازے ہی پر رات بھر موجود رہے گا۔

پارہ بجھنے میں اکھی پانچ منٹ باقی تھے۔ لیکن حید صدر دروازے پر پہنچ چکا تھا۔
ٹھیک بارہ بجے اس نے ہلکی سی دسک سی اور دروازہ کھول دیا۔

آئے والا فریدی ہی تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ دیں رک گیا۔
”کوئی نئی خبر۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”اب اس کی آنکھیں اتنی زیادہ سرخ نہیں ہیں۔“ حید نے جواب دیا۔
”خوب تو تم صرف اسی کے گرد منڈلاتے رہے ہو۔“

”میں اس لئے کہ اس کی ماں کا پتہ مجھے نہیں معلوم تھا۔“

”بہت جلاۓ ہوئے معلوم ہوتے ہو۔“

”اگر آپ نے ایک ستار بھی کہ دیا تو اتنا توپنی کھوپڑی تو نہ بھالی پڑتی۔“

”چوڑم بھی کرو۔ بہت کام کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے ساری رات گذر جائے۔“

”تھہ خانوں کی تلاش....!“

”آؤ....!“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”ٹھہریے امیرے پاں ایک خبر ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے لئے اہمیت رکھتی ہو۔“

”تو نیتاڑا....!“

”اس نے اسے اس حوض کے متعلق بتایا جس سے جنگلی میل برآمد ہوئی تھی۔ فریدی تھوڑی
لکھنے سوچتا ہا پھر بولا۔ ”ہمیں دیہی سے ابتداء کرنی چاہئے۔“

حید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ محدود روشنی والی تاریخ انہیں میں
لی کر رہی تھی۔ وہ بیہاں میں آپنے چکا۔

لمازوں کو حید نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ رات میں اپنے کمروں سے قطعی نہ لٹکیں۔

لہوں میں سے ایک عمارت کے باہر تھا اور دوسرا رضوانہ کی خوابگاہ کے قریب۔

حید نے قلیں کا گوشہ اٹھ دیا۔ تاریخ کی روشنی حوض میں ریگ گئی۔

”غیر معمولی....!“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

حید نے اس عمارت کے متعلق وہ سب کچھ بتایا، جو رضوانہ سے معلوم ہوا تھا۔

”اوہ ذرا ان تالیوں کو دیکھو جو دونوں جانب اوپر سے نیچے کی طرف گئی ہیں۔ بھلان کا کیا
نہ ہو سکتا ہے.... اور پھر ان کے درمیان لو ہے کی ابھری ہوئی پڑیاں۔ کیا تم نے ان پر
اندیا تھا۔“

”قطی نہیں.... اوہ میں تو انہیں دیکھے ہی نہیں سکتا۔“

فریدی نے پھر تاریخ کی روشنی حوض میں ڈالی اور حید نے پوچھا ”کیا نیچے اتر کر دیکھوں۔“

وہ چونک کر حوض کی تھہ میں دیکھنے لگے، جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ یعنی دہانے سے
فائزہ کا فاصلہ بتر رکھ کر ہوتا جا رہا تھا۔

ال کے چہرے پر مسٹر نکے آنارڈ کیکھے۔
”تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔“

”خدا کی قسم اس وقت تمہرے خانے سے نکلنے کا بھی مقصد تھا کہ کسی طرح آپ تک پہنچ سکوں۔“

”ہوں....!“ فریدی نے طویل سانس لی۔ ”ہم کہاں گفتگو کر سکیں گے۔“

”تمہرے خانے سے بہتر اور کوئی جگہ نہ ہو سکے گی۔ لیکن پہلے ہمیں اطمینان کر لینا چاہئے کہ کوئی ہماری ٹوہہ میں تو نہیں تھا۔“

”اگر اس وقت کوئی تمہاری ٹوہہ میں ہو سکتا ہے تو پھر تم مطہری کیوں کیوں تھے کہ تمہاری محنت بڑا درد ہی ہوتی ہو گی۔“

”میں بڑی الجھنوں میں ہوں کر مل! تو قوتِ فیصلہ جواب دے پچکی ہے۔“

”بلب روشن کر دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”اوہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ سر سجاد بول پڑا۔

”فکر نہ کرو۔ سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔“

حمد کو اندازہ تھا کہ سونچ بورڈ کہاں ہو گا۔ وہ باسانی اُس نکنک پہنچ گیا۔ روشن ہونے والا ایک ہی بلب کافی تھا۔ سر سجاد پوری طرح روشنی میں آگیا۔ حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کی نظر اس گوشے میں ریک گئی جہاں حوض تھا۔ اس جگہ اب چار پانچ فٹ اونچا دروازہ نظر آ رہا تھا! وہ اسی حوض سے ابھر اتھا۔

فریدی اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا آپ تمہرے خانے میں چلیں گے۔“ سر سجاد نے پوچھا۔

”میں اس وقت تمہرے خانے کی فکر میں آیا تھا۔“ فریدی مسکرا یا۔

”آپ کیا جائیں۔“ سر سجاد کے لمحے میں حیرت تھی۔

”اس فرش پر چلنے سے اندازہ ہو جاتا ہے... مگر یہ سب کیا تھا سر سجاد۔“

”آپ نے اس نشان سے کیا اندازہ لگایا تھا۔“

”یہی کہ کسی نے خواہ خواہ پولیس کو یوں قوف بنانے کی کوشش کی ہے۔“

”مگر یہ صرف آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔“ سر سجاد مسکرا یا! اور کسی کے بس کاروگ نہیں۔“

”جیچے ہٹو!“ فریدی نے اسے آہستہ سے دھکا دیا۔ نارنج بجھادی اور اس کا بازو پکھے ہوئے۔
تمہری سے پیچھے ہٹ آیا۔

اب دہاں اتنا گہر اندر ہمرا تھا کہ وہ صرف سانسوں کی آواز سے ایک دوسرا کا وجود غیر کر سکتے تھے۔

جب میں پڑے ہوئے ریوالوں کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہوئی گئی۔

یک بیک فریدی نے نارنج روشن کر دی اور روشنی کی لکیر سامنے کھڑے ہوئے ایک اور پڑی جو اس اپاٹک تبدیلی پر بوكھا گیا تھا۔

”سر سجاد....!“ دفتار فریدی نے کہا۔ ”اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرتا۔“

اس آدمی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ روشنی اس کے چہرے سی پر پڑی تھی،؟ فوکس براؤ راست آنکھوں پر نہیں تھا۔ اس لئے آنکھوں میں جذباتی تغیرت آسانی پر چاہا سکتا تھا۔

”تم آخڑ ہو کون! کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔“ سر سجاد نے خوفزدہ کی آواز میں کہا۔

”خود کو زیر حراثت تصور کرو۔“ فریدی سپاٹ آواز میں بولا۔

”اوہ....!“ سر سجاد نے طویل سانس لی اور حمید نے اس کے چہرے پر اطمینان کی لہ محسوس کیں۔ وہ چند لمحے پکیں چھپکا تارہ بھر بولا۔ ”میری پوری بات سے بغیر کوئی اقدام نہ کی ورنہ کھلی گزر جائے گا۔ میں نے ایک خلرناک آدمی کو چھانٹنے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ اور۔ مگر میرے خدا کہیں میں اُسی کے جال میں نہ پہنچ گیا ہوں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ پولیس....!“

”اس کی پرواہ مت کرو سر سجاد۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم مجھے پہچان سکو گے۔“

”آپ کون ہیں۔“ سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”براؤ کرم میرزا نام اتنی بلند آواز نہ پیچنے۔ ورنہ ساری محنت پر پانچ پھر جائے گا۔“

”تم آخڑ کہنا کیا چاہئے ہو۔“

”اخصار سے کام نہیں چلے گا۔ خدارا بتائیے آپ کون ہیں۔ کیا میں آپ کو پہچانتا ہوں۔“

”پچھلے سال کتوں کی نمائش میں کسی سے تمہارا جگڑا ہوا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... ہو! عب.... کیا.... کرتی فریدی۔“ سر سجاد کی آواز کانپ رہی تھی اور حمید۔

سر سجاد نے فوراً ہی زبان نہیں ہلائی۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولا تھا۔ ”دوس مال گذرے میں نے اس عمارت کے گھنٹر خریدے تھے۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ یا پر دوسری عمارت تعمیر کراؤں، لیکن دوران تعمیر میں مجھے معلوم ہوا کہ فرش کے یچے تھے ہانے ہیں۔ اس لئے میں نے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے۔ تھے ہانوں کی صفائی کرائی در انہیں استعمال کے قابل بنایا۔ بڑے شاندار تھے ہانے ہیں کرتل۔ گرمیوں میں ایز کردا ہی شدہ مردوں کا لفٹ آ جاتا ہے بلکہ ان کردوں کی مصنوعی ٹھنڈک تو بعض اوقات تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے۔ مگر ان تھے ہانوں کی خونگوار ٹھنڈک....!“

”سر سجاد! مجھے علم ہے کہ تھے ہانے گرمیوں میں آرام دہ ہوتے ہیں۔“ فریدی نے طنزیہ لبھ میں کہا اور سر سجاد اس طرح چوک پڑا جیسے اپنے بہک جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ندامت آمیزی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔

”اوہ میں بہک گیا تھا شائد! اور اصل اس واقعہ میں تھے ہانوں کی کسی نامعلوم اہمیت کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے شائد آپ میری گفتگو کو بے ربط نہ قرار دے سکیں۔ ہاں تو پہلے چھ ماہ سے مجھے کسی نامعلوم آدمی کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں کہ میں عمارت فروخت کر دوں۔ کس کے ہاتھ فروخت کر دوں یہ آج تک نہ معلوم ہوا۔ ایک آدھ بار اس نے فون پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن میں نے سختی سے منع کر دیا کہ آئندہ وہ اس قسم کی گفتگو نہ کرے کیونکہ میں عمارت کو فروخت کر دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مجھے دھمکیاں ملنے لگیں۔ ایک ماہ لگز اس نے مجھے بلیک میل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ آپ جانے ہر آدمی کی زندگی سے کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور وابستہ ہوتا ہے جس کا منظر عام پر آنا وہ کسی صورت سے بھی پسند نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی۔ پھر اس نے قتل کر دینے کی دھمکی دی۔ یہ ابھی پچھلے ہی ہفتے کی بات ہے۔ پھر اچانک پچھلی رات وہ واقعہ پیش آیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مقصد تھا۔ کیا اس آدمی کی آمد بھی کسی قسم کی دھمکی ہی تھی۔ لیکن اس طرح تو میرے ہوشیار ہو جانے کے امکانات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں سونہ سکا ہوں گا۔ میں جاگ ہی رہا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ میں سمجھا شائد رضوانہ ہے اور ذر رہی ہے، ورنہ شائد میں اس طرح بے دھڑک دروازہ بھی نہ کھولتا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک

”خام خالی ہے نسر سجاد! پوپیس کی کاروائیاں بھی سطحی نہیں ہوتیں۔ خون کے دھبول کو شٹ کر کے بتایا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کا خون تھا بھی یا نہیں۔“

”اوہ تو کیا دبھے شٹ کر لے گئے ہیں۔“

”قطعی طور پر..... وہ کسی آدمی کا خون نہیں ہو سکتا اور میں ذاتی طور پر اس حد تک آئے جاسکتا ہوں کہ اسے کبود تر کا خون باور کرلوں۔“

”خداد کی پناہ... کمال ہے۔“

”باتوں میں وقت نہ ضائع کرو سر سجاد۔ تمہیں بہت سنجیدگی سے جواب دہی کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہماری باتیں یہاں سنی بھی جاسکتی ہیں کرتل۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے حکمانہ لمحے میں کہا۔

”اوہ....!“ یک بیک حمید نے سر سجاد کے چہرے کی رنگت بدلتے دیکھی۔ شاید اسے بھی طیش آگیا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”یہ بھی ایک بہت بڑی مجبوری ہے، ورنہ کیا میں اس قسم کا بچہ برداشت کر سکتا۔ کرتل فریدی انسانیت کے دائرے سے باہر نہ نکلو تو بہتر ہے۔“ وہ بُر اسامت بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔

”ان حالات میں میری موت کی تمام تر زندہ داری آپ پر ہو گی۔ یہ سب کچھ میں نے پوپیس کو دھوکا دینے کیلئے نہیں بلکہ ایک نامعلوم ذہن کے اندر کیجھے مخلوق رہنے کیلئے کیا تھا۔“

”میں وہی سب کچھ سنتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے پر سکون لمحے میں کہا۔

”خیر جانے ویجھے۔“ سر سجاد نے لاپرواں سے ہانوں کو جبیش دی۔ ”ابھی آپ خود ہی تھے خانے میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس کریں گے۔“

”میں اب کہتا ہوں کہ تھے ہانے میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کہاں تو یہیں سنی جائے گی۔“

”آپ وہاں ذرہ برابر بھی گھن محسوس نہیں کریں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔“

”حکم کی تعیل کیجھے.... ورنہ....!“ یک بیک حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

سر سجاد اسے صرف گھور کر رہ گیا۔

”میں منتظر ہوں سر سجاد۔“ فریدی نے کہا۔

ن کہ وہ کون ہے اور میرے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ نوکروں نے باہر نکلنے کی بہت نہیں کی تھی۔ یہ بھی کرنے ہی میں رہی تھی۔ آوازیں سکھوں نے سنی ہوں گی۔ میں نے حملہ آور کے ہاتھ ندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلے کپڑوں کی ایک گٹھری بنائی اس میں دو تین وزنی پھر رکھے، وکوترا کا بک سے نکالے اور انہیں ذرع کر کے گٹھری میں ڈال دیا اور اسے اسی جگہوں پر اپھرا جہاں نشان صاف دیکھا جاسکے۔

”اور پھر اس کے بعد آپ نے حملہ آور کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ اپنے متعلق بتائے۔“ فریدی ہے۔

”اس کے بعد۔“ سرجاد نے حرمت سے دہر لایا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”اس سے پہلے کہئے۔ بھلا سے اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر یہ سب کیسے کر گذرتا۔“

فریدی کسی خیال میں گم اُسے گھورے جا رہا تھا۔ یک بیک اس کے ہونٹوں پر خفیف سی اہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔ ”میں اس آدمی کا بیان لیتا چاہتا ہوں۔“

”بل کسی طرح اس سے یہ انگوئی کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔“

”کیا مطلب....؟“ فریدی اسے پھر گھوڑنے لگا۔

”وہ کہتا ہے کہ اسے سیاہ رنگ کے ایک کتنے بیہاں بھیجا تھا۔“ سرجاد نے شہنشہ سانس لر کہا۔

کس کی کہانی

جمید نے قہقهہ لگایا۔ چند لمحے بہتارہ پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

”میں اس کتنے سے واقع ہوں۔ اس کی خالہ شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرتی ہے۔“

”آپ میرا مصلحہ نہیں اڑا سکتے۔“ سرجاد جلا گیا۔ ”کیا یہ میرا ذاتی بیان ہے؟ اس نے جو بھی مجھ سے کہا تھا آپ کے سامنے دہر ا رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔“

”ہے کہاں!“

آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ میں خجڑ تھا۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں بیٹھ گیا۔ خجڑ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میری بھی کوشش تھی کہ وہ دوبارہ اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ وہ شاید زور سے بھی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے پوری طرح زیر کر لیا اور اپنے ملاز میں کو تو پہلے یہ سے آوازیں دیتا رہا تھا لیکن کسی کم جنت سے یہ نہ ہو سکا کہ کمرے سے باہر آتا۔“

”مگر انہیں تو تم نے تاکید کرو یہ تھی کہ وہ اپنے کروں سے نہ نکلیں۔“ فریدی نے نوکا۔ ”ہاں! میں نے کہا تھا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں اس طرح ذرع کر ڈالا جاؤں اور کسی کے کان پر جوں نہ رینگے۔ پہلے آدمی کی آمد پر دراصل میں الجھن میں پر گیا تھا اور اسی الجھن کے دوران میں نے انہیں ان کے کروں میں بھیج دیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس آدمی کی آمد سے پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ تا معلوم آدمی کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں میں اصلیت بھی نہ ہوگی۔ آپ خود سوچئے وہ اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ پھر مجھ سے عمارت خریدے گا کون.... کوئی نہ کوئی تو سامنے آئے گا تھی۔ پھر رازداری کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔“

”تو آپ کو توقع نہیں تھی کہ معاملات اس حد تک بڑھ جائیں گے۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”ہر گز نہیں! اور میں کم از کم رضوانہ کو تو یہاں ہر گز بڑھ رکھتا۔ میرے خداوہ کتنی پریشان ہو گی۔ کہاں ہے.... کیا آپ نے اسے شہر بھجوادیا۔“

”نہیں وہ بیہیں ہیں۔“ فریدی بولا اور حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک اس کے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ ابھی تک تو اس کا الجہہ ایسا ہی رہا تھا جیسے وہ کسی معمولی مجرم سے بیان لے رہا ہو۔ لیکن اب گفتگو کے انداز میں شاکنگی کی جھلکیاں سی محسوس ہونے لگی تھیں۔“ کہہ رہا تھا۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر طرح محفوظ ہیں۔ ہاں تو پھر آپ نے اس حملہ آور کو کہاں چھوڑا۔“

”وہ تہہ خانے میں ہے کر غل.... اس کی کہانی سن کر ہی میں نے سوچا تھا کہ میں کسی بڑے خطرناک آدمی سے مکرا گیا ہوں۔ اسی لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا اور اب میں آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔“

آپ کو کیا کرنا پڑا تھا۔“

”دھوکا دینا پڑا تھا۔ میں نے سوچا دوسروں کو شبہات میں پھٹا کر کے لاپتہ ہو جاؤں اور پھر

"تہہ خانے میں.... پہلے ہی عرض کر کچا ہوں۔"

"تو چلنے اسے بھی دیکھ لیں۔" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بول پڑا۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب رضوانہ بھی یہ ساتھ ہو۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ کھلیل بگڑ جائے گا۔ میری ساری محنت بر باد ہو جائے گی تھبھریے۔ میں خود ہی اُسے اوپر لاتا ہوں۔"

"اب یہ بھی ناممکن ہے۔" حمید نے پیشانی پر مل ڈال کر کہا۔ "آپ یہاں سے مل بھی نہیں کہ سر سجاد نے فریدی کی طرف دیکھا۔ حمید کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ نے سر سجاد سے اس کی بحث بڑے سکون کے ساتھ سن لی تھی۔ اسے اس سے باز رکھنے کی کو نہیں کی تھی، حالانکہ اس نے خود ہی اس پر رضا مندی ظاہر کی تھی کہ اس کے ساتھ تہہ میں جائے گا۔

"یہ نہیں الجھن پیدا کر دی آپ لوگوں نے۔" فریدی تشویش کن لمحے میں بولا۔ پھر بلدوں میں بولا۔ "خیر.... چلنے یہ جگڑا بھی ختم کئے دیجا ہوں۔ آپ دونوں یہاں تھبھریے۔ میں خانے میں جاؤں گا۔"

"اس پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" حمید بولا۔

"پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سر سجاد نہیں پڑا۔ "چلنے یونہی سکی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی تاریخ سنجالے ہوئے تہہ خانے کے دروازے میں ہو گیا۔

حمدی کی نظر میں سر سجاد پر تھیں اور ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے روپ اور کے دستے ضرورت پڑنے پر وہ جیب ہی سے فائز بھی کر سکتا تھا۔

"آپ بڑے شک معلوم ہوتے ہیں۔" سر سجاد نے مسکرا کر کہا۔

"دنیا کے ہر فلسفے کی ابتداء شک ہی سے ہوتی ہے۔" حمید بھی جواباً مسکرا یا۔ "اب یہ ہو گیا ہے ناہماری راتوں کی نیندیں تک ہڑپ کر جائے گا۔"

"آپ اسے فلسفہ کہتے ہیں۔"

"میرے لئے ہر وہ چیز جو کھودا پہلا اور بکلا جہا کے مصدق ہو، فلسفے کا درجہ کھلتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سر سجاد نے استفہامی انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہم سمجھتے تھے کہ کسی کی لاش گھسٹنی گئی ہوگی، لیکن آپ کو تو ہوں کی کہانی سنارہے ہیں اس میں اسے فلسفہ ہی کہوں گا۔"

"اوہ....!" سر سجاد مسکرا یا۔ "آپ تو فلاں ہی کی سی باقیں کر رہے ہیں۔"

"ہر وہ شخص فلسفی ہے، جو صرف باقی ہی کر سکتا ہو۔"

یک بیک سر سجاد چوک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"شاید میں نے کسی کی آہت سنی تھی۔" اس نے آہت سے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کلامی کی گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر کر قل دومنٹ کے اندر بر آمد نہ ہوئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا سر سجاد۔"

"آپ کیسی بے شکی باقی کرتے ہیں۔"

"یہ فلسفہ نہیں ادھا کے اور خون کی باقی میں سر سجاد۔"

سر سجاد نے اور کوٹ کا کارکانوں تک اخالی اور فلک ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر بھک آیا۔ حمید نظر میں اس کے ہاتھوں ہی پر تھیں۔

سر سجاد نے لاپرواٹی سے شانوں کو جتنیش دی اور بولا۔ "میرے تہہ خانے بہرام کے تہہ نے نہیں ہیں اور نہ میں نے پولیس سے کسی قسم کا فراہد ہی کیا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ پولیس کو کلام کارروائی سے کسی قسم کی مدد ملے اور....!"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی تہہ خانے کے دروازے سے لنگڑاتا ہوا برآمد ہوا اسکے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہی فریدی بھی دروازے میں نظر آیا۔ سر سجاد حمید کی طرف تھر آلو د نظر وہ کیم رہا تھا۔ یک بیک وہ فریدی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ شانکہ اسے آپ کو موت کے منہ میں بھیج دیا ہے۔"

"تہہ خانے بڑے شاندار ہیں سر سجاد۔" فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"تکہاں! اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تہہ خانے ہی میری پریشانوں کا باعث ہوں۔"

فریدی قیدی کی طرف مڑا اور بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم سورنے ذکر کیس کے الزام میں چھ سال کی سزا بھگت کر چھوٹے تھے۔ تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔“
”جی ہاں! میرا نام نصرت ہے۔ لیکن.... اگر کوئی میرے چھڑے بھی ازادے تو میں یہ
سکون گا کہ میں کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔“

”انتہ سخت جان ہو۔“ فریدی مسکرا لیا۔

”میں جانتا ہی نہیں جناب بتاؤں گا کیا۔“

”تمہیں اعتراف ہے کہ تم نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔“

”مجھے اعتراف ہے جناب۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ سر سجاد بھی میں موجود ہیں۔“
”یہ تمہارا ایمان ہے کہ تم اپنے باس سے واقف نہیں ہو۔ لیکن اس پر کیے یقین کیا جاسکتے
تمہیں کاموں کی اجرت کس سے ملتی ہے۔“

”ایک سیاہ رنگ کے کتے سے! وہی اس کا ہر کارہ ہے۔“

”تم اس کی ملازمت میں کیسے آئے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ میں جیل سے رہا ہوا تھا ایک دن
کی روٹی کا بھی سہارا نہیں تھا۔ میرے لئے نہ کوئی خوش ہونے والا تھا اور نہ کوئی معموم ہو
 والا۔ شہر میں میرا کوئی شناسا بھی نہیں تھا جس سے مدد مل سکتی۔ میں نے پہلی بار ایک براجم
تھا۔ لمبی سزا بھگتی تھی اور تھہ کر لیا تھا کہ اب جرام سے دور ہی رہوں گا۔ لیکن.... لیکن.... کا
میں نے اس پر اسرار بر سر فاقوں کو ترجیح دی ہوتی۔“

”کیا پرس...؟“ فریدی براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”وہ پرانا معلوم طور پر میری جیب میں پہنچا تھا۔ میں بڑا کے ایک ایسے فٹ پا تھے۔
گذر رہا تھا جہاں کھوئے سے کھوا چھلتا ہے۔ دفتار میں نے اپنی داہنی جیب میں کسی قسم کا دوز
محوس کیا۔ یہ اسی شام کی بات ہے جس کی صبح میں رہا ہوا تھا۔ جیب خالی تھی اور میری آٹا
بھوک سے اینٹھ رہی تھیں۔ بہر حال بے اختیارانہ طور پر میرا ہاتھ جیب میں چلا گیا تھا۔ پلاں کد
چکنا پر س میری انگلیوں میں پھسل رہا تھا۔ میں جکڑا گیا۔ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ دی میں نہیں
تھا اور پھر مجھ پر ایسی دھشت طاری ہوئی تھی جیسے مجھے جیب تراشی کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا۔“

لفٹ پا تھے کی بھیز سے نکل کر ایک گلی میں ہو لیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس پر س کو کیسے
یکھوں، جب سے کیسے نکالوں! بالآخر ایک جگہ ایک پیلک پیشاب خانے پر نظر پڑی اور میں نے
لہذاں کا سانس لیا۔ وہاں میں باسانی پر س کا جائزہ لے سکتا تھا۔ پر س میں سور و پے کی کرنی
تھی۔ اس کے علاوہ اس میں سے اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ پر س میں نے وہیں پیشک دیا اور نوٹ
بیٹ میں ڈالے۔ پھر پانچ دن بڑی شان سے ببر ہوئے اور میں اسی دوران میں کام بھی حلش کرتا
ہے۔ لیکن آپ کو ایمانداری سے بتاؤں کہ اب پھر میری نیت ڈانو اذول ہو گئی تھی۔ چھ سال تک
رب نہ ملنے کی وجہ سے مجھ میں جو ذہنی تبدیلی ہوئی تھی وہ ان سور و پوں کے نوٹوں نے غارت
رہی۔ اگر میں نے محنت مزدوری کر کے دن بھر میں صرف ایک روپیہ کمیا ہوا تو شراب پینے کا
بال تک نہ آتا مگر مفت کے سور و پے.... انہوں نے مجھے کہیں کانہ رکھا۔ ہر ہفتے مجھے اسی طرح
اسرار طور پر سور و پے ملتے رہے۔ اب میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ بھی کرایہ پر حاصل کر لیا تھا۔
وتحفے کے روپوں کے ساتھ ایک پرچہ بھی ملا جس پر تحریر تھا۔ ”اب اپنی مدد آپ کرو۔ یہ
یہ چھوڑ کر تاریخ کی گرین بلڈنگ میں فلیٹ لو۔ چلی منزل میں ایک فلیٹ خالی ہے۔“ میں نے
نہ بہایت پر عمل کیا۔ یہاں پہنچنے پر سوکی بجائے ڈیزائن صدر روپے فی ہفتے کے حساب سے ملتے
ہے۔ لیکن اب طریقی کار بدل گیا تھا جس کے متعلق مجھے پہلے ہی اسے آگاہ کیا گیا تھا.... اب ایک
بادر مگ کا کتاب پیغام رسانی کا کام کرتا ہے۔“

”روپے کس طرح ملتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کہتے ہی کے ذریعہ.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں واپس جاتا ہے اس کا
پر س کی طرح کئی چہیں رکھتا ہے۔ اسی میں پیغامات اور کرنی نوٹ ہوتے ہیں۔“

”تم نے کبھی نہ کبھی اس کے کا تھا قاب تو ضرور ہی کیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”قدرتی بات
ہے تم اس آدمی کے بارے میں جانتا چاہتے ہو گے۔“

”صرف ایک بار.... لیکن وہ تو چلا دے ہے۔ اس تعاقب کے بعد ہی مجھے اس نامعلوم آدمی
ناظر سے تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر میں نے آئندہ ایسی حرکت کی تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ میں نے
وچا اگر اس کی نوبت آئی تو کسی کو کانوں کا ان خبر بھی نہ ہو گی اور میں دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں
گا۔ ظاہر ہے، جو لا علی میں میری جیب میں پر س ڈال سکتا ہو۔ وہ کیا پہلی میں خنزیر نہیں ہے۔“

ایسا مٹن انتہائی خطرناک ہوتا ہے، جو کبھی سامنے نہ آیا ہو۔“

”اس سے پہلے بھی تم اسکے حکم سے دوسروں کو قتل کرتے رہے ہو۔“ فریدی نے سوال کیا
”نبیں جتاب! قطعی نہیں۔ کل پہلی بار مجھ سے کوئی کام لیا گیا تھا۔ وہ بھی اتنے کم وقت میں
کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات ٹھیک گیارہ بجے وہ کتا میرے پاس
پہنچا تھا۔ میں نے پہلے سے پیغام نکالا اور میرے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ میں موقع بھی
نبیں لکھا تھا کہ وہ مجھ سے اتنے ٹھوڑے وقت میں کوئی ایسا خطرناک کام لے گا۔ صرف دو گھنٹے
وقت تھا۔ لکھا تھا کہ ٹھیک ایک بجے جنگل کے قریب والی کوٹھی میں پہنچ جاؤ۔ کوٹھی کا نقش بھی
بھیج رہا ہوں۔ کوٹھی کے سارے افراد سہبے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی بھی اپنے کمرے سے نکلنے کی
ہمت نہ کرے۔ تم سر سجاد کی خواب گاہ کے دروازے پر رک کر دستک دینا۔ اگر دروازہ نہ کھلے تو
بھرائی ہوئی نسوانی آواز میں ڈیڑھی کہہ کر پکارتا۔ سر سجاد سمجھے گا کہ اس کی بیٹی نیند سے اٹھ کر آئی
ہے۔ پیغماں دروازہ کھول دے گا جیسے ہی سامنے آئے اس کے سینے میں نجھر اتار دینا۔ میں اپنی آواز
بے آسانی بدل سکتا ہوں۔ وہ میرے متعلق یہاں تک جانتا ہے کیا نہیں جانتا میرے بارے میں؟“
”وہ خاموش ہو گیا۔ حید نے محوس کیا کہ سر سجاد کی سانس پھول رہی ہے۔ چہرے کی رنگت
میں غالباً بکلی سی زردی بھی شامل ہو گئی تھی۔ فریدی اس کی طرف مڑا۔“

”لیکن آپ نے صرف دستک بنی پر دروازہ کھول دیا تھا۔“

”جی ہاں! میں حقیقتاً یہی سمجھا تھا کہ رضوانہ ہے اور غالباً ذرا رہی ہے۔“ سر سجاد بھرائی ہوئی
آواز میں بولا۔

”اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس اجنبی کی روائی کے بعد ہی رضوانہ کو یہاں سے لے کر شہر
چلا جاتا۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ..... ہر طرح کے خیالات گھیرے ہوئے تھے مجھے۔“ سر سجاد اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔
”میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے اجنبی کی آمد کا مقصد ہی یہی رہا ہو کہ میں بوکلا کر شہر کی طرف
روانہ ہو جاؤں اور راستے میں مجھے گھیرا جائے۔ میں اتنا زوس ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے اس اندر کیے
دشمن پر ہر شروع کر دیا تھا۔“

”اجنبی کی زبردستی کی اطلاع آپ کو کم از کم اسی وقت تاریخ میں کوئی ایشیان کو دینا
کہ ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو گیا تو مسئلہ بدستور موجود رہے گا۔ آپ کے نامعلوم دشمن کو،
اکی گلشنگی پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ محفوظ ہیں لہذا وہ اس عمارت کا رخ کرنے کی ہست نہیں۔“

”بھاں فون بھی موجود ہے۔“

”میں نے کوشش کی تھی لیکن تارکتے ہوئے پائے تھے۔“

”ہوں تو.... یہ خیال غلط ہے کہ.... خر خر....!“

فریدی نے کچھ سوچنے ہوئے قیدی کو مخاطب کیا۔ ”یہاں نے یہ بھی لکھا تھا کہ عمارت میں
ہونے سے پہلے فون کے تارکات دینا۔“

”جی نہیں! اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔“

”تیر تو میرے خیال سے اسی وقت کا لگے تھے، جب اجنبی یہاں داخل ہوا تھا۔“ سر سجاد بولا۔
”ہو سکتا ہے....!“

”تو پھر یہ اجنبی.... حقیقتاً کسی بڑی سازش کا کوئی حصہ معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے حید کی
دیکھ کر کہا۔

”مگر آپ کو ان لوگوں کے بیان پر یقین ہے تو یہی کہا جائے گا۔“ حید نے کہا۔

”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا اور پھر قیدی سے بولا۔ ”اس کے
میں انداز اتم جیسے کئنے آدمی ہوں گے۔“

”ہو سکتا ہے کہ اور بھی ہوں۔ لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔“

”تم کچھ چھپا نے کی کوشش کر رہے ہو۔“ فریدی کا الجھیک بیک خست ہو گیا۔ وہ اسے گھور رہا تھا
”ایسے وقت میں کیا چھپاؤں گا جب کہ مجھے یقین ہے کہ اس بار دس سال سے کم کی نہیں۔“

”آپ نے بڑی عکلندی سے کام لیا سر سجاد۔“ فریدی بولا۔

”مگر.... اب! اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“ سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میری دانست میں تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود کو پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح کام کرنے میں
انی ہو گی.... اور تم....!“ فریدی قیدی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”آپ نے مجھے اجنبی میں ڈال دیا ہے سر سجاد۔ اگر
کسے ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو گیا تو مسئلہ بدستور موجود رہے گا۔ آپ کے نامعلوم دشمن کو،
اکی گلشنگی پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ محفوظ ہیں لہذا وہ اس عمارت کا رخ کرنے کی ہست نہیں۔“

کرے گا۔ آپ نے غالباً یہ سب کچھ اسی لئے تو کیا تھا کہ اسے بے ناقاب کر سکیں۔

”قطیعی! اسی لئے کیا تھا۔ چھپ کر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے۔“

”پھر اس کا بھی غائب ہو جانا کہاں تک مناسب ہو گا۔“

”یہی تو سب سے بڑی الجھن تھی اور اسی لئے میں آپ سے ملا چاہتا تھا۔“

”تو اب آپ اسے الجھن میں بتلا کر دیجئے۔“

”بھلا وہ کیسے؟“

”اس آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ بدستور اپنے اُسی قلیٹ میں قیام کرنے۔“

”لیکن ایک الجھن اور بھی ہے۔ کر قتل۔ میں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا تھا، بہت جلد میں کیا تھا۔ بس اس ساری اسکیم کا ایک سایہ میرے ذہن میں آیا تھا اور میں یہ سب کچھ کر گز تھا۔ لیکن اب کتنی الجھنیں سامنے آگئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے لاش کے متعلق اسے کہا ہدایت نہیں دی تھی، پھر لاش کہاں غائب ہو گئی۔“

”یہی چیز تو اسے الجھن میں ڈالنے والی ہو گی سر سجاد۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ آدمی اسے بتا۔“

”گاکہ اس نے آپ کو قتل کر کے لاش خواب گاہ ہی میں چھوڑ دی تھی۔“

”اوہ.... تو وہ لاش کوئی اور وہاں سے لے گیا۔ مگر کیوں؟“

سر سجاد نے تشویش کن لمحے میں کہا۔ پھر کہ۔ بیک ہنس پڑا۔ ”بالکل ٹھیک وہ یقیناً کئی الجھن میں پڑ جائے گا۔“

”تو پھر اب تم جاؤ۔“ فریدی نے قیدی سے کہا اور وہ ہکا کارہ گیا۔

”جاو۔۔۔ مگر احتیاط سے۔ میرا نام فریدی ہے۔ شاید تم نے نہا ہو۔ تم اب میرے لئے کا کرو گے۔ سمجھے اور اس سے بھی بدستور رابطہ قائم رکھو گے۔ اسے شہر نہ ہونے پانے کے کہ تم اس کے احکامات کی تعییں نہیں کر سکے اور ہاں تمہارے پاس وہ تحریریں تو محفوظ ہی ہوں گی جو تمہیں وہ فوتفا اس سے ملتی رہتی ہیں۔“

”اس کا حکم تھا کہ ہر تحریر پڑھنے کے بعد جلا دی جائے مگر پھر بھی میں نے کچھ بچالی ہیں۔“

”اس عمارت کا وہ نقشہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہی ہو گا، جو اس نے بھیجا تھا۔“

”جی ہاں اور تحریر بھی موجود ہے۔ کوٹ کی اندر وہی جیب میں۔“ قیدی نے کہا۔ لیکن اس

پہنچے پرسر اسکی کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

جید نے اس کی جیب سے تہہ کے ہوئے کاغذات نکالے اور فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ لمحے نہیں بخورد دیکھا رہا پھر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”اس کے ہاتھ کھول دو۔“

”س..... سنئے تو جتاب۔“ وہ ہکلایا۔ ”میں اتنا برا خطرہ مول یعنے پر ہرگز تیار نہیں، اس کی پہلی کوتیرجیج دوں گا۔“

”کیوں.....؟“

”وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسے یقینی طور پر صحیح حالات کا علم یا تو ہو چکا ہو گا یا ہو جائے گا۔ تو پھر کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔“

”تمہاری حفاظت کی جائے گی۔“

”اتھی بڑی سزا نہ دیجئے۔“ وہ گھکھلایا۔ جیل میں سکون سے مر تو سکوں گا۔

فریدی نے سر سجاد کی طرف دیکھا اور حیدر اپنی پیشانی رکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ آخر فریدی کیا کر رہا ہے۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا نہ کہ ایک فلم ڈائریکٹر۔ سر سجاد سے ترس زد ہوئی تھی کہ اس حادثے کو کہانی بنانے کی کوشش کی اور اب مزید حماقت یہ نہ والی تھی کہ اس کہانی کو رومانی میخ دینے کے لئے ایک مجرم کو چھوڑا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا دردی تھا کہ سر سجاد کی بیان کردہ کہانی پر یقین ہی کر لیا جاتا۔

”چلو بھی سکی!“ فریدی کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ ”میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا۔“

اتم اپنابیان تبدیل نہیں کر دے گے۔“

”کون سایبان۔“

”یہی کہ تم نے سر سجاد کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن لاش تم نے وہاں سے نہیں بنائی تھی۔“

”پھر..... پچانی.....!“ قیدی کا پ کیا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم بے داغ بری ہو جاؤ گے۔ میرا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا۔“

”آپ بڑے آدمی ہیں..... مم..... میں جانتا ہوں..... جتاب..... مم..... مگر....!“

”پرواہ مت کرو۔“ فریدی نے اس کے شانے پر تھکی دی اور پھر سر سجاد سے بولا۔ ”آپ کو

عمر فرادر کیا گیا تھا۔ مجرم نے اقبال جرم کرتے ہوئے تباہ کارکہ لاش اس نے خواب گاہ ہی میں پہنچ دی تھی اُسے وہاں سے کس نے ہٹایا تھا؟ اس پر وہ روشنی نہ ڈال سکا۔ اس کے بیان کے ساتھ اس ہا معلوم آدمی کی کہانی بھی شائع ہوئی تھی جس نے اُسے حیرت انگیز طور پر ملازم رکھا تھا۔ رضوانہ شہر واپس آگئی تھی۔ اس نے قاتل کا بیان پڑھا تو ایک بار پھر اس پر پہلی سی کیفیت ابڑی ہو گئی۔ ابھی تک تودہ شبہات میں بتلاری ہی تھی اور کیپشن حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق لہ شبہات کو مزید تعویت پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن قاتل کے بیان کے بعد سے اسے سننجالہ شاد شوار پر علیما تھا اور یہ دشواری آج بھی حمید کی تقدیر بنی ہوئی تھی۔ یعنی اس کی دلکشی بھال کے فراپنچ شے ایسا کے سامنے تھے۔

مگر وہ اس توقع پر اُسے ساتھ لے باہر نکلا تھا کہ شاید کبھی اس حق لیبرے سے مدد بھیز
وچائے۔ رضوانہ اُسے دیکھ چکی تھی اور دوبارہ نظر آنے پر بہ آسانی پہچان سکتی تھی۔

آج بھی اس کے ساتھ باہر نکلنے کا مقصد بھی تھا ورنہ اس روئی ہوئی لڑکی سے حمید کو کیا پچھا ہو سکتی تھی، ویسے یہ اور بات ہے کہ وہاب خود ہی حمید کی تلاش میں رہنے لگی اور حمید اس کے کئی امیدواروں کی چڑھی ہوئی تیوریاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اس نے اکثر سوچا تھا کہ اپنے اخیر میں اسے کوئاً وہ بنا معلوم آدمی اسے ہو جس نے سے سجادہ حملہ کرما تھا۔

”مجھے ان لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔“ رضوانہ نے کہا۔ اور گرین اسکواڑ سے گذر رہے تھے
”لاہیں انہیں میں نے کوئی وہی نامعلوم آدمی نہ ہو جس نے سر سجاد پر حملہ کرایا تھا۔
”مجید نے انہیں کانڈ کر کہ چھیڑ دیا تھا۔

”حالانکہ آپ پہلے بھی ان سے ملتی رہتی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ملنا جلنا تو یہ تھی ہے۔ آدمی اکیلے تو نہیں رہ سکتا۔“

”تو پھر میں آدمی ہی نہ ہوں گا۔“ حمید نے بُرا اسم نہ بنانے کا کہا۔

”کیوں...؟ کیوں؟“

”میں تہار ہنا چاہتا ہوں۔“

”تب تو پھر میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہوگی۔“

”قطعی نہیں! ہم دونوں تھاہی تو ہیں۔“ حمید کے لہجے میں بڑی مخصوصیت تھی۔ اس کے بواں نے موضوع سے گرپن کرنے کی کوشش کی۔

اس وقت تک چھپے رہنا پڑے گا جب تک کہ میں آپ کا ظاہر ہو جانا مناسب نہ سمجھوں۔ ” مجھے منظور ہے۔ لیکن میری حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہو گی۔ ”

”قطی.....!“ فریدی نے سر ہلا کر کہا اور اسی کی ہدایت پر فی الحال وہ دونوں تہ خانے میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی حمید پھوٹ پڑا۔ جتنے بھی شکوک و شبہات اس کے ذہن میں تھے اُہ چلا۔ فریدی سکون کے ساتھ متارہ۔

”ہو سکتا ہے کہ مجھ سے حماقت ہی سرزد ہوئی ہو۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”لیکن سرسری سے وہی آدمی یہ عمارت خالی کرنا چاہتا ہے، جو پہنچ آف کینٹیڈا کی ذمکنی کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ جس آدمی کے قتل کی تفتیش میں کر رہا تھا اس نے بھی مجھے ایسی ہی کہانی سنائی تھی اُسے بھی اس طرح کسی نے چھانسنا تھا اور اسے بھی ایک کالے کتے ہی کے ذریعہ پیغامات ملا کرتے تھے۔“

تکلیف

حید کو صرف اس احمد لشیرے کی فکر تھی جس کی زبردستیوں کی روپرٹیں اب بھی مل رہیں، وہ اُسے احتقانی سمجھتا تھا کیونکہ اس کا طریقہ کار خودا سی کے لئے بے حد خطرناک تھا لیکن اس سے کیا فائدہ اٹھاتا تھا؟ کبھی سُگر نہیں، کبھی ٹافیاں اور کبھی وزنی پرسوں سے صرف دس یا پانچ کانوٹ کھینچ لیا۔

اب تو یہ عالم تھا کہ شہر کی اکثر خوش مزاج اور امارات قسم کی لڑکیاں سر شام ہی اُس للاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ بس وہ ایک ایجھا خاصا ہیر و بن کر رہ گا تھا۔

پہلے پولیس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ مگر اب سر سجاد والے کیس کے باقاعدہ طور پر اس کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

سر جاد کے قاتل کی گرفتاری اور فریدی کی واپسی کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ اس کی خبر نہ یادہ کرٹل فریدی کی واپسی ” کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اخبارات کی حاشیہ آرائیوں کا چھٹا۔ کسی نے کچھ لکھا تھا اور کسی نے کچھ۔ لیکن قیدی کے متعلق فریدی کی رپورٹ میں کوئا نہ تقریب تھیں ہونے پائی تھی۔ رپورٹ کے مطابق اسے سر جاد کی کوئی تھی کے قریب بجلگا

"میں نے سنا ہے کہ مجرم سعید نے کچھ کار و باری الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔"

"خدا کے لئے ان کا تذکرہ نہ چھیڑیے۔ میرے لئے تو الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، جنمیں ہی اپنے قانونی مشروں ہیں تک محدود رکھنا چاہتی ہوں۔"

سعید نے خاموشی اختیار کر لی اور کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ رضوانہ غور ڈرائیور کر رہی تھی۔

سعید نے مر جانے کی حد تک بور ہو کر سوچا کتنی انوکھی ڈیوٹی ہے۔ اس ڈیوٹی سے تو کہیں، یہ تھا کہ اسے کسی مردہ الجھنیں کے ساتھ دفن کر دیا جاتا۔۔۔ مگر یہ لڑکی۔۔۔ خدا کی پناہ! امداد و امداد تفریجی گفتگو اس آتی تھی اور نہ ان سوالوں سے وچپی تھی، جو اس وقت درپیش تھے۔ بن خاموش رہتی اور شاید یہی چاہتی تھی کہ سعید بھی اپنے ہونٹ بند ہی رکھا کرے۔

پھر آخر وہ اس کا پیچھا ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔ عالم یہ تھا کہ جہاں سعید کو اس تک پہنچنے؛ دیر ہوتی، کال پر کال آنے لگتی۔ بعض اوقات تو وہ جھنجھلا امتحا اور رسیور کریڈل سے نکال کر پڑاں دیتا۔ اسی صورت میں کچھ دیر بعد وہ گھر ہی پر آدھکتی۔

فریدی نے آج کل دفتر کی حاضری اس کے لئے غیر ضروری قرار دے رکھتی۔

اسی بور لڑکی سے ساتھ باہر نکلنے سے بہتر تو یہ تھا کہ گھر ہی بیٹھ کر افیون سے دل بہلاتا دلبگتی کے لئے دوچار بکریاں پال لیتا۔۔۔ کبھی کبھی تو یہ سوچنے لگتا کہ آخر سے اس حقیقتی ہی کی تلاش کیوں ہے؟ جہنم میں جائے۔ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ناٹک اڑائے پھرنے سے فائدہ! جتنا کہا جائے اتنا ہی کرے۔ رہ گئی اس لڑکی کی نگہداشت تو یہ بھی ممکن ہے کہ اسے موہ کا نجکشن دے کر کہیں سلا دیا جائے اور خود سرہانے بیٹھ کر سازھے تین کوڑھائی سے ضرب د کر حاصل ضرب کو پانچ سے تقسیم دے اور خارج قسمت کا عاداً عظم مشترک معلوم کرنے کو شش کرے پھر پانچ جو تے اپنے سر پر لگائے اور گانا شروع کر دے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

غاک میں کیا صورت ہوں گی جو پہنباں ہو گئیں

وہ سوچتا ہا اور دل میں کھولتا رہا۔ پھر جب یہ الجھن برداشت سے باہر ہو گئی تو اس جھلانکر پوچھا آخراں طرح بھکتے پھرنے کا کیا مقصد ہے۔

"شام کیں وہ مل جائے۔" رضوانہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کون....!"

"وہی لشیرا جس نے اُس رات ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟"

"محض یقین نہیں آتا کہ ذیہی کے حادثے سے حقیقتاً اس کا کوئی تعلق ہو گا۔"

"تو اس الو کے پٹھے کے لئے مجھے کیوں نچالی پھر زمی ہو۔"

"اُرے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟ کیا وہ آپ کے لئے وچپی سے خالی ہو گا۔"

"میری وچپی کے لئے آپ ہی کیا کم ہیں مختصر...!" حمید کے لمحے میں جھلاہٹ تھی۔ بن

"ایک مغموم لڑکی سے اس لمحے میں گفتگونہ کیجئے۔ اچھا چلتے ہم وابس ہو رہے ہیں۔ میری وجہ

آپ کو یقیناً بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ ویسے آج کل میرے لئے آپ کا وجود بہت ضروری ہے۔"

"جس طرح صحت کے لئے موبائل آئیں اور گرلزیں ضروری ہے۔"

"خدا را ایسی باتیں نہ کیجئے جنمیں سن کر ہنسی آئے۔ بالکل جی نہیں چاہتا ہے کہ"

"خیر.... ہاں تو آپ میرا وجود اپنے لئے ضروری کیوں سمجھتی ہیں۔"

"آپ کو ساتھ دیکھ کر ہمدردی جانتے والے راستے کاٹ جاتے ہیں۔ مجھے ہمدردوں سے بڑی زندگی کے لئے بہتر نہیں۔"

"لیکن مجھے ساتھ دیکھ کر وہ بھی بھڑک کے گا جس سے آپ کو ہمدردی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتی۔"

"وہی گھاٹر لیتا۔"

"آپ غلط سمجھے! مجھے اس سے ہمدردی کیوں ہونے لگی۔ میں تو بس.... ہائی یہ کیا۔"

حمدید چوک مک پڑا۔ گاڑی کو ٹھی کی کپاڑوں میں داخل ہو رہی تھی۔

"یکوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ سرخ بلب کیوں روشن ہے۔"

حمدید کو پورچ میں ایک سرخ بلب روشن نظر آیا۔ ابھی شام کے پانچ ہی بجے تھے، چاروں

(اف دھوپ پچھلی ہوئی تھی۔)

بنے پر بادھ لئے تھے، وہ یہاں کے ملازموں میں سے توہر گز نہیں تھا۔
”یہ.... یہ تو.... وہی لشیرا ہے۔“ رضوانہ سنجھلا لے کر آہستہ سے بڑھا۔ ساتھ ہی
بھی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی۔ شرارت آمیز مسکراہٹ اچھے وہ انہیں چڑھا رہا ہو۔
جیداں وقت غیر مسلح تھا۔ اس لئے اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی نہ کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال ہی
دے۔ لیکن اگر وہ غیر مسلح نہ ہوا تو؟ اُس کی جیب خالی نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے ایک عمارت میں
غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی ہمت کی تھی۔ نہتے لوگ اس کی جرأت کم ہی کرتے ہیں۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“ دفعدار ضوانہ نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔ ”میرے تو کہاں ہیں۔“
”میں مطالعہ کر رہا ہوں۔“ پر سکون لمحے میں جواب دیا گیا۔ ”اور وہ باور چی خانے میں سو
رہے ہوں گے، شریف بچوں کی طرح! بات یہ ہے کہ میں مطالعہ کے دوران شور و غل برداشت
کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”تمہارا دماغ مجھ ہے یا نہیں۔ کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔“

”تمہارے ہی باپ کا سہی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”تم ڈیڑی کے قاتل ہو.... قاتل۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”کس ڈیڑی کی بات کر رہی ہو.... اور شائد میں پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ یاد
نہیں پڑتا کہاں۔“

”سر سجاد کے قتل کی سازش میں تم بھی شریک رہے ہو۔“ حمید بولا۔

اس پر لشیرے نے بڑی فراغدی سے ایک طویل قبھر لگایا اور پھر بولا۔ ”سر سجاد! اور اب یاد
آیا۔ ہاں شاید ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے تارجام میں تم لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔
مگر سر سجاد کا قاتل تو جیل میں ہے۔“

”اور اسے تم نے ہی اکسیا تھا۔“

”اس کی ضرورت مسٹر علمند۔“ وہ تنخیک آمیز لمحے میں بولا۔ ”کیا میں اسے کھانے کی میز پر
قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہی ہے کہ وہ اُسی رات کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن لاش
کھلانگی مسٹر علمند۔“

”بکواس مت کرو۔ تم زیر حرast ہو۔“

”تو اس میں پر بیانی کی کیا بات ہے۔“

”کوئی لا بسیری میں موجود ہے؟ کون؟“ اس نے پورچ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہ
آس پاں کوئی ملازم موجود نہیں تھا۔

”یہ سب کم بخت کہاں مر گئے۔“ وہ کار سے اترتی ہوئی بڑھا۔

”ذرا ٹھہریے۔“ حمید بولا۔ ”بھلا اس سرخ بلب کا کسی کے لا بسیری میں موجود ہو
سے کیا تعلق....؟“

ڈیڑی مطالعہ کے اوقات میں کسی قسم کی بھی دغل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ مر
بلب یہاں دراصل اس نے لگایا گیا تھا کہ ملازم میں بھی باخبر رہ سکیں کہ وہ اس وقت لا بسیری
ہیں، لہذا اگر کوئی ان سے ملتا چاہے تو وہ اُسے یہ کہہ کر تال دیں کہ ڈیڑی گھر ہی پر موجود نہ
ہیں۔“

”ہو سکتا ہے کسی ملازم کو مطالعہ کا شوق چرایا جو۔“

”نا ممکن! ملازم میں سے کوئی بھی بھی پڑھا لکھا نہیں! مگر آخر یہ سب گئے کہاں۔“

”ممکن ہے۔ کبھی لا بسیری میں موجود ہوں۔ لیکن ان سے سرخ بلب روشن کرنے
حافت کیوں سرزد ہوئی۔“ حمید بولا۔

ڈیڑی کی مخصوص میز کے لیپ کا سوچ آن کرنے سے یہ سرخ بلب بھی روشن ہو
ہے۔ اگر وہ کوئی نوکری ہے تو بڑی طرح خبر لوں گی اب آہنگی آئیے۔“

اس نے نوکروں کو آوازیں نہیں دیں ورنہ پہلے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ جیسے ان کے نام
لے کر پکارنا شروع کر دے گی۔

اندر سنا تاہی سنا تاہا۔ کہیں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ حمید کو ہاں پانچ یا چھ ملازم
موجود گی کا علم تھا۔ وہ بے پاؤں راہداریوں سے گذرتے رہے! آخر وہ ایک جگہ رک گئی!
دروازے کے سامنے رکی وہ بند تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اس پر ٹھوکر لگائی۔ دونوں
آواز کے ساتھ کھلے اور سامنے ہی ایک آدمی اچھل پڑا۔... وہ ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔

”اڑے....؟“ رضوانہ بھی اس کے ساتھ ہی اچھل پڑی۔

حمد چپ چاپ اس آدمی کو گھور تارہ، جواب میز سے لک کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں

"یہ بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔ مگر میں شاعر نہیں ہوں میر علمند کے زلفیں مجھے ایر کر کیں، دیے میں جانتا ہوں کہ تمہاری جیب خالی ہے اور میری جیب میں اعشاریہ دوپائچ کا تھام سا کھلوٹا موجود ہے۔"

حید کو شش کر رہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے، ورنہ یہ آدمی تو شاید اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح اُسے جذباتی طور پر غیر متوازن کر کے نکل ہاگئے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے لمحے کی شوخی حقیقت اُسے غصہ دلاری تھی۔

"آج تم بیکار نہیں جاسکتے۔" حید زہر خند کے ساتھ یولا۔

"یہ شائد تیر نظر کے مل بوتے پر کہہ رہے ہو۔" اُبھی نے پھر قہقهہ لگکر اس پر حید نے جلاہٹ میں اس پر چھلانگ لکائی، لیکن بڑی صفائی سے میز سے جا گکرایا۔ حقیقت دیر میں مژتا اُبھی راہبری میں نظر آیا۔ اس نے بڑی بیدردی سے رضوانہ کو بھی دھکا دیا تھا اور وہ ایک طرف لڑک گئی تھی۔ پھر دونوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا۔ حید دوسرا دروازے کی طرف چھپنا۔ تیزی سے پینڈل گھما کر اسے کھونا چاہا لیکن وہ شاید پہلے ہی مقفل تھا۔ دونوں دروازے پیٹھے جانے لگے، لیکن کہنی سے بھی جواب نہ ملا۔ اُبھی تو انہیں پہلے ہی اطلاع دے پکا تھا کہ سارے نوکر بادر پی خانے میں سو رہے ہوں گے۔

رضوانہ نے بتایا کہ وہ شام کی چائے باور پی خانے ہی میں پیتے تھے۔

"تو پھر کیا ب دروازہ تو زنا پڑے گا۔" حید نے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس قسم کی ہر بیت اُسے پہلی بار اٹھانی پڑی تھی۔ پہنچنیں وہ گوشت پوست کا آدمی تھا یا بر قائم سے تحرک ہونے والی کوئی مشین۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے ایک جانب گھورے جا رہی تھی۔



رات تاریکی اور جگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مطلع غبار آکو ہونے کی وجہ سے ستارے بھی بے جان سے نظر آرہے تھے۔

سر جادا کی تاریجات والی کوئی اندر سے میں نہیں کھڑی تھی۔ شاید اب وہاں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ ورنہ کسی نہ کسی حصے میں روشنی تو ضروری نظر آتی۔

سردی شباب پر تھی۔ اندر ہمراپھیتے ہی سار جنت طاہر اور سار جنت زیدی عمارت سے لمبھتے ہیں کے دو مختلف گوشوں میں جا چھپے تھے۔ آج ہی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہر رات کو تھی کی مگر انی کی یہ نہیں۔ اس کا سلسلہ تو اسی رات ہے شروع ہو گیا تھا، جب غیر متوقع طور پر سر جادا پتی کو تھی کہ تھے خانے سے زندہ برآمد ہوا تھا۔

طاہر اور زیدی اسماں قسم کے آفسروں میں سے تھے اور ان کی تربیت زیادہ تر فریدی ہی ہے انہوں ہوئی تھی۔

زیدی نے تھیک ڈیڑھ بجے کسی کو کمپاؤٹر میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک محترم سایہ تھا، جو ایک ساکن بھی نظر آنے لگتا۔

زیدی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ جھک کر چل رہا تھا۔ مقصد ایسی پوزیشن میں آ جانا تھا کہ وہ لپر ابر نظر رکھ سکے۔

فریدی سے ملی ہوئی ہدایات کے طبق انہیں صرف یہ دیکھا تھا کہ کوئی چھپ کر عمارت میں ٹھی ہونے کی کوشش تو نہیں کرتا۔ یعنی انہیں صرف اس کی نقل و حرکت ہی پر نظر رکھنی تھی۔ زیدی کو یقین تھا کہ طاہر نے بھی اُسے دیکھ لیا ہو گا۔ سایہ عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔ باس کا انداز ٹھیٹھے کا ساتھ۔ زیدی کچھ اور آگے بڑھ آیا۔

یک بیک وہ اچل پڑا کیونکہ اس نے اپنی پشت پر تکلی کی غراہت سنی تھی۔

پھر کوئی سیاہ کی چیڑا اچل کر اس پر آرہی۔ یہ ایک قد آور کتا تھا۔ زیدی نے اُس کے اگلے پیچے پکڑ لئے تھے۔ لیکن ہر لمحہ خدشہ تھا کہ اب زمین ہی دیکھنی پڑے گی۔ وہ خود کو اس کے دانتوں پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دور پر اس نے کسی دوسرے کتے کی آواز بھی سنی تھی لیکن اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اس کے متعلق بھی کچھ سوچ سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محض وابستہ رہا ہو۔

اُس جدد و جهد کے دوران وہ تو اپنے قرار نہ رکھ سکا۔ کتے کے پنجاب بھی اس کی گرفت ہی ماتھے اس لئے گرتے گرتے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف اچھال دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر اس سے ذرا سی بھی غفلت ہوتی ہوتی تو اس کی گردن یقینی طور پر کتے کے جزوں میں نظر لاؤ دہنے صرف پھر تی سے اٹھا تھا بلکہ ہو لشہ سے رو اور کھینچ لینے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

مدد کی طالب

”اور پھر ہم اسی وقت کرے سے نکل سکے تھے، جب نوکروں کو ہوش آیا تھا۔“ حید نے
ی سانس لے کر کہا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ”تو تمہیں اس کی
نفعی ہوئی گئی۔ میں تو آج تک بھکتا پھر رہا ہوں۔“
”مجھے شبہ ہے کہ لڑکی اسے بہت پہلے سے جانتی ہے۔“
”شے کی وجہ۔“

”ویا تو اس کے کسی امیدوار کے لئے کام کر رہا ہے یا خود ہی امیدوار ہے۔ سر جادا اس کے
مردوں کی بھیز دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی اس کے لئے شہر کا
ب کرے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رضوانہ نے راستہ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود
رکھا ہو۔ وہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”اس پر منحصر نہیں۔ آج تک کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی ورنہ تم بھی ذیہی بن گئے ہوتے۔“
”بہر حال اب آپ مجھے ذیہی کے طور پر کسی اندرھے کنوں میں الٹا لکھا دیجئے، مجھے کوئی
اضف نہ ہو گا۔ لیکن یہ ذیوٹی میرے بس سے باہر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس کی
اشت کی فکر آپ کو کیوں پڑ گئی ہے۔“

”سر جادا مر تو نہیں گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا دھیان بٹائے رکھو۔“
”اکرے وہ میرا ہی دھیان اس طرح بنا کر رکھ دے گی کہ میں درود یو اس سے گلکر اتا پھر ہوں گا۔“
یک بیک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے رسیور
لایا۔

”بیلو... ہاں... ہاں... ٹھیک ہے... گڑ... فکر نہ کرو۔ میں آرہا ہوں... اچھا۔“
رسیور رکھ کر وہ حید کی طرف مڑا۔ ”چلو شام کے آج میں تمہیں ایک ایسی لڑکی سے بھی
کوئی جو بہت جلد تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔“
”حید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نکن کمپاؤٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ فریدی نے یہ نہیں بتایا
اکرے جانا کہاں ہو گا۔ حید نے پوچھا بھی نہیں۔“

لیکن کتنا شاید سیئی ہی کی آواز پر پلٹ گیا تھا اس لئے وار خالی گیا۔ پھر وہ دوسرا فائزہ کر سکتا کہ
کتنا قریبی میں گھاٹیوں میں گھس کر نظر وہ غائب ہو چکا تھا۔

چند لمحے وہ اندھیرے میں آنکھیں چھاڑتا رہا پھر چوک کر اُس جانب بڑھا جہاں ظاہر کے
کی موقع تھی۔

وہ سایہ تو بھی کا غائب ہو چکا تھا جس کے ساتھ ہی کتنا بھی بازل ہوا تھا۔
سنائی میں وہ اپنے ہی قدموں کی آوازیں سنارہل۔

”ظاہر.....!“ اس نے کچھ دور چل کر آہستہ سے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ اب وہ
روشن کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن یہ حدود روشنی والی تاریخ تھی۔ اس نے اُن تمام بھجوں کو
ڈالا جہاں وہ پہچلی راتوں میں چھپے رہے تھے۔ لیکن ظاہر کا سراغ نہ ملا۔ پھر وہ ان مجاہذوں
طرف پٹلا جہاں اپنی موڑ سائکل چھوڑی تھی۔

”زیدی....!“ کسی نے اُسے آواز دی اور وہ اچھل پڑا۔ آواز ظاہر ہی کی تھی لیکن ایسا ما
ہورہا تھا جیسے وہ آواز گھنٹی ہوئی سانس کے ساتھ ایک پل کے لئے آزاد ہوئی ہو۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی اس نے ہوائی فائر کیا اور شور چاہتا ہوا آواز کی طرف دوڑا
”ہاں.... میں آرہا ہوں.... جانے نہ پائے۔“

”احمق ٹھہر وو....!“ اس بار آواز پر سکون تھی۔ زیدی ایک حصے کے ساتھ رک گیا۔
وala قریب پہنچ کر بولا۔ ”یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔“

”اوہ.... جتاب۔ وہ نکل گیا۔“ زیدی ہانپتا ہوا بولا۔ ”ظاہر خطرے میں ہے۔ اپنی آٹا
چھوڑ کر بھاگ گیا اور میں نے غلطی سے اُسی بیچارے کی گردن پکڑ لی تھی۔“

”کیا اُس پر کتنے حملہ نہیں کیا تھا جتاب۔“
”نہیں!“ کرٹل فریدی نے جواب دیا۔



”پچھلی رات خاص الطیف رہا۔“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

حیداب بھی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ ”کیوں کیا ہو گیا تھیں۔“

”سر سجاد ہو گیا ہے مجھ۔“ حید غایل۔

”اگر تمہاری یہ غراہت زیادی سن پائے تو شاید یہی سمجھے کہ پھر گرون دبائی کرنے نے۔“
”کیا مطلب....!“ حید چوک پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ زیادی اور طاہر سر سجاد کی تاریخ والی
کوٹھی کی گمراہی کرتے ہیں۔

”پچھلی رات ایک کتنے نے اس کی گرون دبائی تھی۔ وہ آدمی بہت چالاک ہے۔ یہ انداز
کرنے کے لئے کہ کوئی باغ میں موجود تو نہیں ہے۔ کتابی ساتھ لایا تھا۔ جیسے ہی کتابیزی پر جمپا
وہ ہوشیار ہو گیا۔ لیکن طاہر بھی اُسے دیکھ چکا تھا۔ میں دیر سے پہنچا۔ طاہر نے کوشش کی تھی کہ
اُسے پکڑ لے، شاید ایک ہاتھ اُس کی گرفت میں آ جبی کیا تھا لیکن پھر آستین ہی گرفت میں رہ گئی
اور وہ نکل گیا۔“

”یہ کیسے ہوا۔“

”آستین پر آستین چڑھا کی تھی جس کا کپڑا غیر معمولی طور پر چکنا تھا۔ شاید اُسی آستین پر ان
کا ہاتھ پڑا تھا۔“

”بس تو اب وہ گیا ہاتھ سے۔ شاید کوٹھی کا رنگ بھی نہ کرے۔“

”میرا بھی تھی خیال ہے۔“

”آپ کی دانست میں وہ کوٹھی کیوں خالی کرنا چاہتا ہے۔“

”کیوں خالی کرنا چاہتا ہے۔“ فریدی نے حیرت سے دہر لیا۔ پھر بولا۔ ”ارے وہ تو نیا دوز
خالی ہی پڑی رہتی ہے۔ خالی نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس پر سر سجاد کا لامانہ قبضہ پسند نہیں کرتا۔“

”گویا.... وہ اُسے خریدنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس کے لئے اُسے سامنے نہ آنا پڑے گا۔ سر سجاد اس
کی شخصیت سے واقع نہ ہو جائے گا۔“

”لیکن اُس کا بیان یاد نہیں۔ سر سجاد کے کچھ ایسے راز بھی اُسے معلوم ہیں جن کی پہلی پر
انہیں بیک میں بھی کر سکتا ہے۔ اس نے یہی اندازہ لکایا ہوا گا کہ اس کی شخصیت طاہر ہو جائے کے
باوجود بھی سر سجاد اپنی زبان بند ہی رکھے گا۔ اس کا یہ اندازہ خلط بھی نہیں تھا۔ جب تک سر سجاد

”ہاتھ حملہ نہیں ہوا۔ اس نے زبان نہیں کھوی۔“

”لیکن وہ تو اس کی بیک میلنگ کی دھمکی سے بھی مر عوب نہیں ہوا تھا۔“

”نہ ہوا ہو۔ مگر کیا اس نے وہ راز نہیں بھی بتا دیا ہے جس کی بناء پر کوئی اسے بیک میلنگ کی
تمدی سکے۔“

”نہیں....!“

”تو اس کا بھی مطلب تو ہوا تاکہ وہ اس کا ظاہر ہو جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ بات وہ آدمی بھی
تھا ہو گا کہ سر سجاد مر عوب ہوا ہوانہ ہوا ہو لیکن وہ اس راز کے حوالے سے پولیس کو متوجہ
نہ کی ہوت نہ کر سکے گا۔“

”ہوں! اگر اسے قتل کر دیجئے سے اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔“

”کیوں نہیں!... کیا یہ ضروری ہے کہ یہ عمارت رضوانہ کو بھی پسند ہو اور پھر اس حادثے
بعد تو وہ اس سے اور زیادہ بیزار ہو گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ تو اسے بہت سے دامون پر
نکت کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ ایک بات اور بھی ذہن نہیں کرلو۔ یہ بھی ضروری نہیں
کہ یہ قاتلانہ حملہ اسی آدمی کی طرف سے ہوا ہو جاؤں عمارت کو اُس سے خریدنا چاہتا تھا۔“

”کیا بات ہوئی۔“

”سر سجاد کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے! چونکہ ایک بارے کسی نامعلوم آدمی کی
رف سے قتل کردیجئے کی دھمکی مل چکی تھی اس لئے اس موقعہ پر اس کی طرف خیال ضرور
لے گا۔“

”تو پھر ہم کس کے پیچے ہیں۔“

”اُس کے.... جو کینڈا بیک کی ذکریت کا ذمہ دار ہے۔ میں پہلے بھی تمہیں بتاچکا ہوں کہ حملہ
ورنے ملازم رکھنے کے جس طریقہ کا تذکرہ کیا تھا وہی طریقہ وہ آدمی بھی اختیار کرتا ہے۔“

”اور وہی آدمی بعض نامعلوم وجہ کی بناء پر اُس عمارت میں بھی دلچسپی لے رہا ہے۔“

”اُس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ سر سجاد کو قتل
واریت کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔“

”آہا ٹھہریے.... وہ تو ہوشیار ہو ہی گیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد زندہ ہے۔ وہ سوچے گا کہ

”کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ اس کا تعلق فوج سے نہ رہا ہو گا۔ یہ تو میری دریافت ہے۔“
 ”پھر اور ہر جھک مارتے پھر نے کیا ضرورت ہے، اسی پر نظر کھی جائے۔“
 ”اور ہر اور جھک مارے بغیر اُس کے خلاف شہوت نہیں بہم پہنچائے جاسکتے۔“
 ”تو خصوصیت سے اسی پر نظر ہے۔“

”نہیں.... اور بھی ہیں۔ تمہارا یہ مشورہ بھی قول کر لیا گیا ہے کہ رضوانہ کے امیدواروں پر بھی نظر کھی جائے۔ لیکن بنیادی چیز ہے کہ نینڈ اپنے کی ڈیکٹی۔ سر سجاد کا قتل نہیں۔“
 ”تو ہزاری دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“
 ”نی الممال دولت آباد کا ایک ریستوران منزل ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کے کچھ بچھ آدمی یقینی طور پر آپ کی نظر وہ میں ہیں۔“
 ”تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔“

”تو پھر وہ بھی اُسی طرح ختم کر دیجے جائیں گے جیسے آپ کو ڈیکٹی کی اطلاع دینے والا ختم کیا یا تھا۔“

”اگر اب بھک ختم نہیں کئے گے تو تم اسے کیا سمجھو گے؟“
 ”بھی کہ وہ نہیں سمجھتا کہ آپ ان کے ذریہ اس تک پہنچ سکیں گے۔“
 ”پھر اس آدمی کے قتل کا کیا مقصود ہو سکتا ہے۔“

”اوہ.... وہ شاید اس تک پہنچنے میں مدد سے سکتا؟“ حمید بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ خیال بھی درست ہی ثابت ہو۔“ فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں پاگی۔

”سر سجاد کہاں ہے۔“ حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
 ”شہر ہی والی کو ٹھی میں۔“

”میں نے تو نہیں دیکھا۔“

”ابھی حال ہی میں رضوانہ نے ایک نیا ملازم رکھا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”ظاہر ہے کہ تم ملازم کو کیوں گھوڑنے لگے۔“

”ملازم....!“ حمید آنکھیں چھاڑ کر رہ گیا۔

قتل تو اس نے کرایا مگر لاش کس نے غائب کر دی! نہیں جتاب وہ اتنا بد ہو تو نہیں ہو سکتا معمول ذہانت کا آدمی بھی ایسے حالات میں یہ ضرور سوچے گا کہ کہیں اس کے لئے جاں تو نہیں بچایا گیا۔ آپ خود سوچئے۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی وہ پچھلی رات اس عمارت کے آس پاس بیا گیا تھا۔“
 ”کمال ہے۔“ حمید نے پلکش بچا کیں۔ ”آپ کسی دوسرے آدمی کے امکانات کی بھی بات کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے آنکھیں بھی بند کر لیتے ہیں۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ ملکن ہے قاتل وہ نہ رہا ہو جس نے قتل کی دھمکی دی تھی۔ یعنی وہی آدمی جو عمارت خریدنا چاہتا تھا تو ہو سکتا ہے پچھلی رات وہی رہا ہو۔“

”وہ آدمی بھی اس عمارت میں دچپی لے سکتا ہے جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ کیا وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے جین نہ ہو گا کہ لاش کس نے غائب کرائی.... اور کیوں؟“
 ”قدرتی بات ہے۔“

”بس تو پھر وہ محتاط ہو جانے کے باوجود بھی غلطیاں کرے گا۔ اگر وہ اسے کسی حرم کا جال سمجھا ہے تو بھی یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ یہ جاں پولیس نے بچایا ہے یا کسی....!“
 ”فریدی جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے“
 ”اب اس مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔“

”آپ نے میر سعید کو بھی چیک کیا یا نہیں۔“
 ”ہاں.... آں۔ اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ وہ کتوں کا بڑا اچھا ٹریز بھی ہے۔ اس کے پاس کئی اچھی نسل کے کتنے بھی ہیں لیکن تم اس کے بیہاں سے کوئی ایسا کتابر آمد نہیں کر سکو گے جس کا رنگ سیاہ ہو۔“

”اوہ.... تو آپ شبہ کر رہے ہیں اُس پر۔“
 ”کسی کیس کے دوران میں صرف شبہات ہی حقیقت کی طرف زہماں کرتے ہیں اور سنو۔ مجرم سعید کا ماضی بھی داغدار ہے۔ ابھی تک یہ بات پاپیہ شہوت کو نہیں پہنچ سکی کہ اُس نے کبھی فوج میں ملازمت کی ہو۔“

”اور اس غلط بیانی کے باوجود بھی وہ آزادانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔“

یہ شہر میں بدنام نہ ہوا تو کچھ بھی نہ کیا۔



وکی نے اسے دور سے دیکھا تھا اور پھر اپنی رفتار اتنی تیز کر دی تھی کہ زراہی کی دیر میں کر رہ گئی۔ لیکن بلا آخر اس تک پہنچ کر ہی دم لیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کینے میں داخل ہو رہا تھا اور معمولی سائیکل تھا جہاں اُس سیکسی ٹپ ٹاپ لڑکیاں جھانکنا بھی پسند نہ کرتیں۔ مگر وہ زراہی کی سائیکل تھی۔ نہ جانے کتنی تحریز دہ سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ لیکن وہ ماحول سے پرواہ اس کے پیچے بڑھتی رہی۔ اس نے ایک غالی میز منتخب کی اور بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس طرف پہنچ کر لڑکی نے بھی کریں گے کام کا کامی اور وہ جو ٹک کر اسے گھورنے لگا۔

لوکی مسکراتی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہا تھا۔
”یہاں میں تمہاری جیب کاٹوں گی۔“ وہ آہستہ سے بولی۔
”اوہ....!“ وہ بھی جو اباً مسکر لیا۔

”باؤں یو لیس کو۔ سامنے ہی ڈیوٹی کا نیشنل موجود ہے۔“

”بالبوب....!“ اجنبی نے لاپرواٹی سے کہا۔ مکنٹوواتی آہٹی سے ہوری تھی کہ آس پاس لے آوازیں تو سن سکتے تھے لیکن کچھ سمجھنا نہ سکتے۔

”تین حار دون ہوئے تم نے میرے برس سے ٹافاں نکالی تھیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”میں تمہارے جسم سے روح نکال سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“
”ہوں.....شاید اسی لئے تمہارا نام ایک قتل سے سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔“ لوکی کی مسکراہٹ
اگرذ ہوتے ہوئے بھی خاصی دلکش تھی۔

”بیکوں ہے۔ میں نے اس کی میز پر کھانا خرو رکھا یا لیکن... قتل! اے قتل تو میں اُسے دلت بھی کر سکتا تھا جب پیٹھے ہٹھر کر رخصت ہو رہا تھا۔“

”مگر ہام تو لیا جا رہا ہے۔ یوں تھاری تلاش میں ہے۔“

تو پسکر، می کام جس دنیا کو کارہتی ہے۔ جلد ہمارے منگو اؤ میرے میں سے نہیں۔“

314

”ہاں... آں! اس نے کہا تھا کہ وہ رضوانہ سے قریب ہی رہنا چاہتا ہے، اس نے مجھے اس کے چہرے پر خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ تم اسے قریب سے دیکھنے پر بھی پہچان نہ سکو گے“
”آخر وہ رضوانہ پر خود کو ظاہر کیوں نہیں کر دیتا۔“

پھر سن لوکہ میں نے یہ درود سرخپن اس آدمی کے لئے مول لیا ہے جو پینک آف کینڈیا کی ڈکیٹیا
”اس صورت میں وہ معموم نہ رہ سکے گی۔ سر سجاد خود ہی اس پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار
ذمہ دار سے۔“

”اس سلسلے میں یہ ضرور سوچتا پڑے گا کہ وہ سر سجادے کیوں پر خاش رکھنا ہے.... آہ! ٹھہریے.... دیکھئے.... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے! سر سجاد تو بظاہر مردی چکا ہے، اب اس عمارت کو فروخت کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے! بلکہ طریق کار کی حیثیت سے نیلام زیادہ سود مند ثابت ہو گا۔ سب سے اوپری بولی لگانے والے پر نظر رکھی جائے۔“

”احقانہ خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ خود ہی بولی لگانے دوڑا آئے گا جب کہ اس کا پورا کروہ اس کام کے لئے موجود ہے۔“

”یہ بھی تھیک ہے۔ پھر کیا صورت ہو سکے گی۔“
 ”چھوڑو....“ فریدی گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے فٹ پاٹھ سے لگاتا ہوا بولا۔ ”بل از
 جاؤ، وہ سامنے ہے کلی بار اینڈرستھور ان! کاونٹر پر تمہیں ایک ایسی ہی لڑکی نظر آئے گی جسے دیکھ کر
 تھی خوش ہو جائے گا۔ اس سے دوستی پیدا کرنے کی لوشن کرو۔“

”اگر اسی طرح ڈیوٹیاں بدلتی رہیں تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ حمید خوش ہو کر
کاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

فریدی نے کچھ کہنے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ حمید چند لمحے وہیں کھڑا ریسٹوران کے سامنے ورژ کو گھورتا رہا پھر آہستہ سے آگے بڑھا۔

وہ جیسے ہی ریستوران میں داخل ہوا اس کی کھوپڑی ناچ کئی۔ کیونکہ کاؤنٹر پر اُسے ایک بد عمل بوزہ میں عورت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دل ہی دل میں فریدی کو ہزاروں سنائیں اور پھر کیک بیک تھے کیا کہ اب اسے زج ہی کرڈا لے گا۔ اگر اس بوزہ میں عورت سے والہانہ عشق کر کے

”شہر کی بیتیری لاکیاں تمہارے لئے آئیں بھرا کرتی ہیں۔ مگر میں ان میں سے نہیں ہوں۔“
 ”بیرے لئے آئیں بھرا کرتی ہیں... لاکیاں۔“ لیرے کے لجھ میں حرمت تھی۔
 ”ہاں... ہاں...“ لئے ہی کے لئے سر شام گھروں سے نکل آتی ہیں اور ان کے پینڈ بیک
 ہوں اور جو کلیٹ کے پیکنوس سے پُر ہوتے ہیں۔ لیکن جھمیں میرے پر س میں اعشاریہ دوپائچ کا
 نالٹے گا۔“

”خوب....! لیکن تم مجھے مر عوب کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔“

”غلط سمجھے۔ میں جھمیں اپنے متعلق بتاری ہی تھی جانتی ہوں کہ تم مر عوب ہونے والوں میں
 نہیں ہو۔ لیکن کیا تم اپنا واقعہ برباد نہیں کر رہے ہو۔ ان حرکتوں سے کیا فائدہ جو تم کرتے پھر
 ہو۔“

”اپنے معاملات میں خوب سمجھتا ہوں۔“

”کسی حد تک میں بھی سمجھتی ہوں۔“ لڑکی مسکراہی۔ ”تمہارا طریقہ کار سائنسیک ہے۔ تم نے
 کی ہدایاں بھی حاصل کی ہیں۔ اب اسی معاملے میں دیکھ لوا۔ سرجاود قتل کر دیا گیا۔ تم پر
 ناشہمہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن بیتیرے لوگ تمہاری طرفداری کر رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض اخبارات
 نااں میم میں شریک ہو گئے ہیں۔“

”کیوں کان کماری ہو میرے۔ اگر مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہو تو نہیں اسی جگہ کوشش کر کے
 ہو۔“

”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“ لڑکی آہستہ سے بولی۔

”کوئی جال بچاؤ گی میرے لئے۔“ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”پھر غلط سمجھے! حالات ہی ایسے ہیں کہ میں پولیس سے مدد نہیں لے سکتی۔“

”کیا بات ہے۔“

”مجھے ایک بیک میلر کے پنج سے رہائی دلاؤ۔“

”ہوں! کون ہے؟“

”یہ میں نہیں جانتی۔ میں نے صرف ایک بار اس کی بکھری سی جھلک دیکھی تھی۔ سرے سے پیر
 سیاہ تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آتی تھی اور اس کے ساتھ ایک کتاب بھی تھا۔

”اس مسکراہٹ کا مطلب....!“ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”اوہ.... سمجھا تم شاید پولیس سے
 تعلق رکھتی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مجھے زندہ گرفتار کرنے والا آج تک پیدا ہونے کی کوشش تو کر رہا
 ہے لیکن ہو نہیں چکتا۔“

”بڑے جیا لے ہو۔“

”ذمکھی رہی ہو کہ اس شہر پر میرا ران ہے۔“

”ہاں دیکھ رہی ہوں! کیا تمہاری پشت پر کوئی قوت ہے۔“

”میں خود ہی ایک بہت بڑی قوت ہوں لڑکی! تم میری توہین کر رہی ہو۔“

”تم آخر خود کو خطرات میں کیوں ڈالتے ہو جبکہ کوئی بڑا فائدہ بھی نہیں اٹھاتے۔“

”کھانا ہضم کرنے کے لئے میں خود کو خطرات میں ڈالنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کھانے کے
 بعد چھل قدمی کرنے والے تمہاری نظروں سے بھی گزرے ہوں گے۔ مقصد کھانا ہضم کرنا ہوا
 ہے اسی طرح خطرات میں پڑنا ہی میری تدرستی کا خاص من ہے۔“

”ہاں.... اتنا تدرست تو ہونا ہی چاہئے کہ پہنچی کا پہنچا بے آسانی لگ سکے۔“

”کیا میں جھمیں اٹھا کر باہر پہنچنے دوں۔“ وہ غصیلے لجھ میں بولا۔

”کیا فائدہ ہو گا اس سے؟“

”تیری بدل ملاقات نہ ہو سکے گی میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی سے دوسرا ملاقات بھی ہو۔“

”اگر دوسرا یا تیری بار پر میں متن صرف ٹانیاں ہی ٹانیاں ہوں تو۔“

ویژر چائے لایا اور وہ خاموش ہو گئے۔ لوگ اب بھی اُن دونوں کو گھورے جا رہے تھے۔
 لڑکی نے پیالیاں سیدھی کیں اور چائے بنانے لگی۔ لیرے نے سکریٹ سلاکتے ہوئے
 آہستہ سے کہا۔ ”میں صرف ایک چچو ٹکر پیتا ہوں۔“

”عادتی تو شریفوں ہی کی ہیں۔“ لڑکی بولی۔

”تم میرا مٹھکہ اڑا رہی ہو۔ کہیں میں تھپڑنے سید کر دوں۔“

”یہ ہوئی کمینہ پن کی بات! اویسے میں بھی تمہاری ہی طرح کریک ہوں۔ تھپڑ کھانے کے
 بعد شاید میں تمہارے سر پر چائے دانی توڑ دوں۔“

”اوہ.... کیا واقعی۔“ لیرے نے اُسے جھمیں آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

وہ مجھے بلک میل کر کے مجھ سے بعض غیر قانونی کام کرانا چاہتا ہے۔ ابھی کلی ہی مجھے اس کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ میں سر سجاد کی لڑکی رضوانہ سے دوستی پیدا کروں۔“
”میں بھی انہیں لوگوں میں سے ہوں، جو تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔“
”یہ اور بات ہے لیکن....!“ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”اچھا تو تم مجھ سے کیا کیا ہتھی ہو۔“

”مجھے اس سے چھکارہ پانے میں مددو۔ ابھی تک میں اس کے لئے چھوٹے موٹے کام کرتی ہی ہوں۔ مگر یہ قتل کا معاملہ ہے۔ آخر وہ مجھے سر سجاد کی لڑکی سے دوستی کرنے کا مشورہ کیوں رہا ہے۔ میں پولیس کی مدد بھی لے سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں مجھے دوسرے معاملات میں بھی الجھالیا جائے گا۔ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ وہ مجھے کس سلسلہ میں بلک میل کر رہا تھا۔“
”اور میں تم سے یہ پوچھ نہیں سکتا۔ کیوں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سکریا۔
”تمہیں بتادینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔“

”میں نہیں معلوم کرنا چاہتا۔“

”پھر بتاؤ.... دو گے سہارا۔“

”سوال یہ ہے کہ میں اسے کہاں تلاش کرنا پھر دوں گا۔ ایک بار بھی نکرا جائے تو پھر دیکھو۔“
”بڑی مصیبت ہے تو پھر میں کیا کروں۔“
”سر سجاد کے قاتل کے بیان کے مطابق وہ کافی باخبر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وہ ہمارے حالات سے بے خبر ہو گا۔“

”تبھی تو بلک میل کر رہا ہے۔“

”احمق! مجھے کی کوشش کرو۔ کیا وہ اس سے بے خبر ہی رہے گا کہ تم مجھ سے مل بیٹھی ہو۔“
یک بلک لڑکی خوفزدہ نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا مجیسے کسی نے اس کے رگوں سے لان کا آخری قطرہ تک نچوڑ لایا ہو۔ لیکن اسے ٹوٹنے والی نظر دوں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی چند لمحے پنکھ کھونٹوں پر زبان پھیرتی رہی پھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ ”تم تھیک کہہ رہے ہے۔“
”مجھے تم سے اس طرح نہ ملنا چاہئے تھا.... اُوہ.... اُب کیا ہو گا۔“

”لیکن ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم اسے کیسے ہو سکے گا۔“ لیکرے نے اس کی ٹکموں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تو بس قیمت ادا کرو اور چپ چاپ چل جاؤ۔ سر سجاد کو قتل کرانے والا مجھے بھی پہنانا چاہا۔“

لیکرے کی انگلیاں میز پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے ٹانپ رائٹر پر چلتی ہیں۔

ناکامی

لڑکی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی اور وہ سر سجاد کے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ سر اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم مجھے اسی آدمی کی کہانی سناؤ گی جس کی سر سجاد کے قاتل نے سنائی تھی۔“

”ہو سکتا ہے اور یہ ہو وہ مجھ سے صرف ایک بار ملا ہے۔ یہ کچھلی رات کی بات ہے ورنہ اس سے پہلے تو مجھے اپنے قیمت میں کسی نہ کسی جگہ اُس کے خطوط ملے رہے ہیں۔“

”ارے وہ پیغام رسال کتا کہاں مر گیا تھا۔“
”میں نہیں جانتی! مجھے کسی کہتے کے ذریعہ بھی اس کے خطوط نہیں ملے۔“

”بہر حال وہ خطوط یعنی طور پر تاپ میں نہوتے ہوں گے۔“
”نہیں.... ہاتھ کی تحریر۔“
”بڑا گدھا معلوم ہوتا ہے یہ آدمی بھی۔“

”کیوں؟“
”مکام کرنے کا طریقہ تو اتنا عقلمندانہ ہے، لیکن وہ احمد بھی ہے کہ اپنی تحریریں تھیں کہ پھر تاہے تاکہ کبھی نہ کبھی ضرور پکڑا جائے۔“

”ہاں.... یہ بات تو ہے۔ اس نے کبھی مجھے اس پر مجبور نہیں کیا کہ اس کی تحریریں محفوظ کر دی جائیں۔“
”چاۓ پی چکیں تم۔“ لیکرے نے پوچھا۔
”ہاں.... آں....!“

جسے، پھر وہ جلدی سے آٹو بیک سکٹل کی طرف دیکھنے لگی۔
کچھ دیر بعد وہ شہر کے باہر ایک دیران مڑک پر تھی۔ ایک بار پھر مڑنا پڑا۔ تھوڑے ہی
تاصل پر ایک نیکی نظر آئی۔ اور اس نے دابنے ہاتھ سے اسٹریگ سنبلے ہوئے بائیں سے
دینی بیک کھول ڈالا۔

دینی بیک سے ایک کیمہ نماڑا نسیمیر نکال کر اُسے منہ کے قریب لے جاتی ہوئی بولی۔
”تھری سکس.... تھری سکس اسپلینگ... ہو ہو ہو.... ہو۔“ تر نسیمیر کے ڈائل کے
گوشے پر نقطے کی شکل میں ایک سبز روشنی نظر آتے ہی اُس نے اسے ایک کان سے لگایا۔ شاید
دوسری طرف سے یونٹے والے کی آواز سنتی رہی۔ پھر اُسے دوبارہ منہ کے قریب لا کر بولی۔
”کپٹن حید میر اتعاقب کر رہا ہے۔ کھیل بگڑ گیا۔ آج وہ مل گیا تھا۔ میں اسے شنشے میں اتار رہی
تھی کہ وہ کم بخت آپنکا وہ تو نکل گیا لیکن اب وہ میرے پیچھے ہے۔“
وہ تر نسیمیر کو پھر کان کے قریب لے گئی۔



حید نے محسوس کیا کہ ٹو سیمیر کی رفتار کم ہو گئی ہے۔ اُس نے ڈرائیور کو بھی رفتار کم کرنے
کی ہدایت دی اور مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچے بھی ایک کار تھی۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی
رفتار بھی کم کی گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ پیچھے والی گاڑی کو نکل جانے کا موقع دے۔
لیکن مڑک کے بائیں کنارے سے لگ کر چلنے لگی۔ اس طرح پیچھی گاڑی کے آگے نکل جانے
کے لئے کافی بگہ بقیر ہی تھی۔

لیکن چینے ہی وہ گاڑی قریب سے نکلی حید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ پیچھی سیٹ پر اُسے کلی بار
کی وہی بودھیا مالکہ نظر آئی تھی جس سے وہ پچھلے تین دنوں سے عشق کرتا رہا تھا اور ہبھٹل تمام
اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا تھا کہ اگر وہ بھی جو ابا اس سے عشق نہیں کرے گی تو وہ کسی
کنوئیں میں چلا گا کر خود کشی کر لے گا۔

فریدی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اس سے جان پچان پیدا کرے۔ لیکن حید جھلاہٹ
میں عشق ہی کر بیٹھا تھا۔ حید ہی تھیر۔ کھو پڑی یا تو بالکل سیدھی چلے گی یا اتنی اٹھی چلے گی کہ کسی
صورت سے کھو پڑی ہی نہ معلوم ہو سکے۔

”میں کیا جانوں! تم نے ہی یہ سوال انھیا تھا۔ تم ہی جواب دو۔“

”چلو کوئی بات نہیں! اگر تم اس دوران میں قتل کر دی گئیں تو جواب مل ہی جائے گا۔“
”قتل.... نہیں۔“ لڑکی کا پت گئی۔

”اوہ.... ہو....!“ یک بیک لٹیرا ایک جانب جھک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے
چھپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لڑکی چونکہ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک اسارت قسم کا وجہہ نوجوان رستوران
میں داخل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پلکیں جھپکائیں اور پھر لٹیرے کی طرف دیکھنے لگی۔
نوجوان نے شاید اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ وہ سید حاکا وزیر کی طرف چلا گیا۔
لڑکی نے اس کی آواز سنی۔ وہ پرنس ہزری کی تمباکو طلب کر رہا تھا۔

لٹیرا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف ٹرکیا۔ لڑکی نے پھر کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے
نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے مڑا تھا۔ اب لڑکی کو احساس ہوا کہ اس دوران میں دوسرے
آدمی لٹیرے کی ٹکٹل دیکھ لینے میں کامیاب ہوا ہو گا۔ کاؤنٹر کی دو نوں جانب لے لے جائیں گے
ہوئے تھے۔

لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ شائد وہ اس دوسرے آدمی کو بیچانی تھی، جو لٹیرے کے
تعاقب میں گیا تھا۔

اس نے کاؤنٹر ہی پر جا کر مل ادا کیا اور تیزی سے باہر نکلی۔ لیکن یہاں معمول کے خلاف بکھر
بھی نہ دکھائی دیا۔ مڑک پر ٹریک کا نظام بدستور برقرار تھا۔ اس پاس کہیں بھی کسی قسم کی اترہ
نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ لٹیرا صاف نکل گیا۔

وہ اس طرف چل پڑی جہاں اپنی ٹو سیمیر چھوڑی تھی۔ لیکن ٹو سیمیر میں بیٹھنے سے پہلے ہی اُتے
خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ نوجوان جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا، تیزی سے اس کی طرد
برہتتا ہوا نظر آیا۔

لڑکی نے انجن اسارت کیا اور اس کے قریب چھپنے سے پہلے ہی ٹو سیمیر حرکت میں آگئی۔
پھر تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد اُسے ایک چورا ہے پر کنپا ڈال۔ اس کے پیچھے کاروں اور
دوسری گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹریگ پر کامیاب

”اوہ....!“ وہ یک بیک چونک پڑا ”ناممکن... وہ اس طرح نہیں جا سکتی۔“
پھر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بڑھا بڑی پھرتی سے جھٹ کر راہ میں حائل ہو گئی۔
”بڑے... سانے سے۔“

”ارے وہ....!“ وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ ”ہوش ٹھکانے میں یا نہیں! تم مجھ سے ایسی باتیں
کرتے رہے تھے۔“

”میں زندگی بھر تم سے وسیعی باتیں کرتا ہوں گا مگر اس وقت ہٹ جاؤ۔“
”یہ دیدہ دلیری.... تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔“

”بڑوں کا کہنا مانتے ہیں صاحب۔“ حمید کے ڈرائیور نے نہس کر کہا۔
”تم محکم اڑاکنی ہو میرا اور اپنا....!“ حمید آنکھیں نکال کر آہستہ سے بولا۔

”میں سارے زمانے میں چینی پھروں گی تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔“
”پھر کروں گا! تم نہیں جانتیں! اوہ.... اب تو پتہ نہیں وہ کہاں پہنچنی ہو گئی۔“

”ارے پھر اسی کی باتیں! تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔“
دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور نہس رہے تھے۔

”تکلی ڈار انگ سکھنے کی کوشش کرو۔ وہ کوئی شریف لڑکی نہیں تھی۔“

”شریف ہی ہوتی تو تمہیں گولی کوں نہ مار دیتی۔ اف فوہ! لمحنی تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کر
شریف لڑکی نہیں ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس کے پیچھے جانے دوں گی۔ یعنی غیر شریف
اکے ساتھ تم رنگ رلیاں مناتے پھر گے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گی۔ اف فوہ...!“
”اف فوہ....!“ حمید نے جھلاہٹ میں دانت نکالے۔ پھر سخبل گیا۔ غصہ اس مصیبت سے
نہ دلا سکتا بلکہ بات بدھتی ہی رہتی اور دونوں ڈرائیور ہنستے رہتے۔ اُس کی زبان سے کہیں لکھ
نکل گیا تھا اس پر وہ دونوں چونک کرا ایک دوسرا کی طرف دیکھنے لگے تھے اور اب ایک
نانی دلچسپی کے ساتھ اگلی طرف متوجہ تھے۔ ہو سکتا ہے پہلے وہ بھی اسے مال ہی سمجھے ہوں۔
اچھا.... چلو.... واپس چلتے ہیں۔“ اس نے مردہ کی آواز میں کہا۔ اب اسے فریدی پر تادا

”میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گی۔ اس گاڑی کا کربا یہ ادا کر دو۔“

مگر اس وقت انقاد طبع چھانی کے پھنسے کی طرح گردن میں آپڑی تھی اور وہ سوچ رہا
تھا کہ اس وقت یہ نبڑی طرح حارج ہو گی۔
گاڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس طرح رکی کہ ٹو سیٹر کی ڈرائیور کو بھی رکھی جانے میں
عافیت نظر آئی۔

”روک دو....!“ حمید نے اپنے ڈرائیور سے کہا اگلی دونوں گاڑیاں کچھ اس انداز میں رکی
تھیں کہ آگے نکل جانے کا امکان ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ حمید اسی حماقت نہ کرتا۔
برھصا گاڑی سے اتر رہی تھی۔ ٹو سیٹر والی نے اسکے ڈرائیور کو لکھا۔ ”گاڑی ہٹاؤ راستے سے۔“
اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”میں قانون کے نام پر تم سے اس لیئے کاپتے پوچھتا ہوں۔“ اس نے کہا۔
”کیا مطلب.... آپ کون ہیں۔“ لڑکی نے غصیل لہجے میں کہا۔
”میں کوئی بھی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ اس لیئے کو
قانون کے حوالے کرنے میں مدد کرے۔“

”میں نہیں جانتی آپ کس لیئے کی بات کر رہے ہیں۔“
”ارے یہ خود لٹیرا ہے۔“ برھصا قریب آکر دہاڑی۔ ”مکار فریبی۔“
لڑکی نے تھیمہ انہیں پلکیں جھپکائیں۔

”جااؤ تم.... یہ اسی طرح لڑکیوں سے جان پیچان پیدا کر کے انہیں پھانستا ہے۔“
”کیوں کیوں کروں کر رہی ہو۔ خاموش رہو۔“ حمید کو غصہ آگیا۔
اسنے میں ڈرائیور نے گاڑی کا رخ بدل دیا۔ اور لڑکی نے اپنی ٹو سیٹر کا بھن اشارہ کر دیا۔
”میں کہتا ہوں ٹھہر و....!“ حمید دہاڑا۔

”اسنے ہی نامعقول معلوم ہوتے ہو کہ والدہ محترمہ ہر وقت پیچھے گلی رہتی ہیں۔ شرم کرو۔“
لڑکی نے مضمکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔
پھر ٹو سیٹر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید کھڑا سر سہلا تارہ گیا۔ ویسے اس نے گاڑی کے نمبر
توڑہ بن نشین کر ہی لئے تھے یہ اور بات ہے کہ اب اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات ہونے کے
امکانات نہ رہ گئے ہوں۔

"اب کرایہ بھی میں ہی ادا کروں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔
وہ تواہی کرتا پڑا۔ سبی کیا کم تھا کہ اس طرح ہنسنے والوں میں سے ایک ہی رہ جاتا۔
تیکی پھر شہر کی طرف واپس ہوئی۔ لڑکی غالباً تار جام گئی تھی۔ حمید کا یہی اندازہ تھا۔
"اب.... آج میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھیا ٹھنک کر بولی۔
"میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"
یہی کہ یہ دنیا بڑی داہیات جگہ ہے۔ کوئی نہ ہم دونوں خود کشی کر لیں۔ اس طرح دوسرے
دنیا میں پہنچ کر تم ہوٹل کھول لینا اور میں جوتے گا نھیں گا۔ دونوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتا۔
ہاں۔"

"فضل باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھانے جلا کر کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ
تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں دیکھوں گی اب۔ تمہاری باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"
میں نے کہ کہا ہے کہ یقین کرو۔ دیکھو یہی۔ مجھ پر بعض اوقات دورے پڑتے
یہاں دونوں اسے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ سر سجاد نے حقیقتاً خود کو
لپڑھتے دونوں میں ایک بھیں خرید لایا تھا اور اسے بڑے پیار سے درداہنے بیگم کہا کرتا تھا۔
"کیا مطلب...!"

"بھیں کا مطلب بتاؤں یاد روانہ بیگم کا۔"
"تم میرا معنکھ اڑا رہے ہو۔" بڑھا بچر گئی۔ آخر تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔
"باتیں کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں، خواہ وہ کسی قسم کی ہوں۔ اب کیا بتاؤں! میں نے تو ہم اسکتا تھا۔
ال عمارت کی اہمیت پر ذرہ برا بر بھی روشنی نہیں ڈالی تھی۔" مگر تم نے سنا تھا کیا تھا اس لڑکی نے۔
"وہ حرافہ کیوں نہ کہتی۔"

"حرافہ...!" حمید اور پری ہونٹ بچھنچ کر بولا۔ "اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"
"تم بد معاشر ہو۔" وہ کھیانی سی نہیں کے ساتھ ہوئی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے لکھا ہے
تھا لئے کافی تھا کہ وہ آدمی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا
کیوں کی تھیں۔"

"کیا میں تمہیں اپنے ان پڑوسیوں سے ملا دوں، جو آئے دن مجھے پاگل خانے پہنچاوائیں؟" ناس بھیں سمجھا تھا۔
وہ اہم معاملہ کیا ہو سکتا تھا؟ یا تو اسے اس کی فکر تھی کہ سر سجاد کی لاش کس نے غائب کر دی
وہ مکملیاں دیتے رہتے ہیں۔"

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اب یہ بڑھیا ناموش ہی رہے ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ
بڑی سے باہر ہو کر کوئی اور حماقت کر بیٹھتا۔ آخر اس سے دوستی پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اس
میں شروع سے اب تک اسے ایسی ہی اللئے سید ہی ڈیویٹیاں ملتی رہی تھیں۔ کبھی کسی غزدہ
کی کاول بہلا و اور کبھی ہزاروں لڑکیوں کی والدہ محترمہ سے راہ رسم بڑھا۔ دوسری طرف زیدی
رطابر میں بیٹے غیر اہم لوگ اس آدمی سے نکراتے پھر رہے تھے جس نے خود فریدی کو چکرا کر کہ
انہیں کھل شروع ہوا تھا پہنک کی ڈیکھتی سے جس کی اطلاع فریدی کو پہپا ہی مل گئی تھی۔ اطلاع
انہیں کھل شروع ہوا تھا پہنک کی ڈیکھتی سے جس کی اطلاع فریدی کو پہپا ہی مل گئی تھی۔ اطلاع
بڑے والا ڈیکھتی سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہزار اعتیاق کے باوجود بھی بینک اٹھ ہی گیا۔ پھر
یہی غائب۔ موت تک کی قیاس آرائیاں ہو گئیں۔ لیکن وہ حضرت اس غیر اہم آدمی کی فکر میں
نہ ہو لڑکیوں کے ہذوں سے تاغیاں جھپٹتا پھرتا تھا۔ پھر سر سجاد کے قتل کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا۔
یہی کہ یہ دنیا بڑی داہیات جگہ ہے۔ کوئی نہ ہم دونوں خود کشی کر لیں۔ اس طرح دوسرے
دنیا میں پہنچ کر تم ہوٹل کھول لینا اور میں جوتے گا نھیں گا۔ دونوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتا۔
ہاں۔"

علامت کسی قدم بم عمارت کے کھنڈروں پر تعمیر کی گئی تھی اس لئے خزانے وغیرہ کا بھی چکر
باتیں کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں، خواہ وہ کسی قسم کی ہوں۔ اب کیا بتاؤں! میں نے تو ہم اسکتا تھا۔
ال عمارت کی اہمیت پر ذرہ برا بر بھی روشنی نہیں ڈالی تھی۔" مگر تم نے سنا تھا کیا تھا اس لڑکی نے۔

فریدی نے اس کی دانت میں عمارت کی ٹنگری اسی لئے شروع کرائی تھی کہ سر سجاد کے قتل
کا خبر شائع ہونے کے بعد سے کوئی وہاں دیکھا جاتا رہا تھا۔ فریدی پر کتنے کا حملہ اس نتیجے پر پہنچے
"حرافہ...!" حمید اور پری ہونٹ بچھنچ کر بولا۔ "اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"
"تم بد معاشر ہو۔" وہ کھیانی سی نہیں کے ساتھ ہوئی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے لکھا ہے
تھا لئے کافی تھا کہ وہ آدمی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا
کیوں کی تھیں۔"

"کیا میں تمہیں اپنے ان پڑوسیوں سے ملا دوں، جو آئے دن مجھے پاگل خانے پہنچاوائیں؟" ناس بھیں سمجھا تھا۔
وہ اہم معاملہ کیا ہو سکتا تھا؟ یا تو اسے اس کی فکر تھی کہ سر سجاد کی لاش کس نے غائب کر دی
وہ مکملیاں دیتے رہتے ہیں۔"

یا پھر اس عمارت میں کسی اور چیز کی تلاش تھی اور وہی چیز سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرنے کا باعث بھی نہیں ہوگی۔

”میساوج ہر ہے ہو۔“ یک بیک بڑھیا نے اس کا سانہ جھٹپٹ کر کہا۔

”بھوں....!“ حمید کتے کی طرح بھوٹ کا اور وہ بوکھلا کر دوسرا طرف کھکھ لگئی۔

اس وقت اس کی ذہنی حالت ایسی ہی تھی کہ اپنی اس پکانہ حرکت پر ذرہ برابر بھی شرمند نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔“ اس نے بُرا اسم نہ ملا کر کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کہانی میں تمہیں کہاں فٹ کروں؟“

”کیسی کہانی....؟“

”اگر میں کی ماں کی شادی.... مجھوں کے ابا سے ہوئی ہوتی تو پھر وہ کہانی کیسے جنم لیتی۔“

”کیا کواس کر رہے ہو۔“

حمید ہارن کی آواز سن کر چونک پڑا۔ پیچھے شائد کوئی گازی تھی۔ وہ مڑا۔۔۔ تھوڑے فاصلے پر وہی ٹوپی نظر آئی جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ اس طرف آیا تھا۔

”راستہ دو....!“ حمید نے ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور نے گازی ایک طرف کرلی۔ ٹوپی اسکی کے ساتھ ہی دوڑھی تھی۔

”ڈرائیور ہے....!“ ڈرائیور کرنے والی لڑکی نے کہا۔

”ارے.... خدا غارت کرے تمہیں حرفا۔“ بڑھیا لکھلائی اور حمید نے ڈرائیور سے گذا رونے کو کہا۔ وہ بھی شاید دوبارہ اس جھگٹے سے لطف انداز ہونا چاہتا تھا اس لئے بڑھیا۔ چھکھڑانے کے باوجود بھی اس نے گازی روک ہی دی۔

حمدید بڑی تیزی سے پیچے اتر آیا۔ ٹوپی بھی رک گئی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا ”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پچھا نہیں تھا لیکن یہ سوچتی رہی تھی کہ کہاں دیکھا ہے آپ کا آپ کیپن حمید ہیں تا! پچھلے سال آپ نے رائل کلب کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔“

”ہوں! تواب آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”وہ لیٹر اجھے اتفاقاں لگایا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ یہ میری اس سے دوسری

اٹات تھی۔ کچھ دن ہوئے اس نے میرے پر س پر بھی ہاتھ صاف کیا تھا۔“
”لیکن تم شہر سے باہر کیوں نکل بھاگی تھیں۔“

”روز ہی آتی ہوں ادھر ہو اخوری کے لئے۔“
”ارے ہو چکیں باتیں....!“ بڑھیا لیکسی سے دہڑی! وہ پیچے نہیں اتری تھی۔

”والدہ صاحبہ بڑی خونخوار معلوم ہوتی ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”یہ میرے پڑوس کی ایک پاگل عورت ہے، اسے وہم ہو گیا ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں!
ل تھا انام اور پتہ۔“ حمید نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی سے نام اور پتہ زیر لیک۔ پھر ٹوپی آگے بڑھ گئی اور حمید نے سڑک کے نشیب میں چلا گئا۔ وہ پوری قوت کے کچھ راستے پر دوڑ رہا تھا۔۔۔ تین میل.... اس نے سوچا اس جہنمی لی سے پچھا چھڑانے کے لئے یہ تین میل میل بُرے نہیں رہیں گے۔ خواہ شہر پہنچتے پہنچتے دم ہی کیوں نہ نکل جائے۔

لٹیرا

”اب آرام کرو۔ تمہارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تمام ہو چکا ہے! فرمائیے۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آخر سبھیا کا کیا چکر تھا۔“

”میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے حماقتوں روک دیں۔“

”میں تو ابھی قبروں سے مردے الکھاڑا کھاڑا کر اُن سے بھی دوستی پیدا کرنا پھر دل گا۔ خدا پ کے اس ساننیلک طریق کار کر ترقی دے۔“ حمید جل کر بولا۔

”ہاں تو.... وہ لٹیرا تمہیں پھر جھکائی دے گی۔“ فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔ ”جنہم میں گیا وہ لٹیرا.... مجھے اس بڑھیا کا علاج بتائیے۔“

”نظر ناک عورت ہے تجھ سڑک پر گرباں پکڑ لینے والی! اچھا ہے بھگتو! شاید اسی طرح بچنا نصحت ہو سکے۔ میں تو تھک ہار چکا ہوں۔“

”میں پوچھتا ہوں! مقصد کیا تھا وہاں بھیجنے کا۔“

"محض یہ ظاہر کرنا کہ ہم جاگ رہے ہیں۔ تم روئیستور ان کو کیا سمجھتے ہوا وہ بھی ایک لڑکہ ہے اس آدمی کے گروں کا۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ تو نتاچ ظاہر ہونے کے بعد ہی نظر آئے گا۔ فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔"

"تواب میں دہا نہ جاؤ۔"

"اگر تم جانا چاہو تو تمہیں روکے گا کون! یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر سکار سلاکانے لگا۔

"میجر سعید کے لئے کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہاری دانست میں کیا ہوتا چاہئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کوئی ایسی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ سرجاد کی موت کا خواہاں ہو جائے۔"

"کئی وجوہات موجود ہیں۔ مشترکہ بزنس کے کاغذات مشتبہ ہیں۔ ان کی تحریر کچھ اسی قیمت ہے کہ مشترکہ بزنس ایک پارٹنر کی موت کے بعد سارا کاسار ادوسرے پارٹنر کی طرف منتقل ہو جائے گا اور مرنے والے پارٹنر کے درثانیہ اس میں سے ایک جب کے بھی حصہ ادا نہ ہوں گے۔"

"اس قسم کے معاملے آج تک سننے میں آئے۔"

"مگر اسے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ قاتلانہ حملہ اُسی نے کرایا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مجرم کے سلسلے میں سراج رسانی سے زیادہ دعا تعویز مفید رہے گی۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ آرام کر سی کی پشت گاہ سے نکا ہوا سکار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا آدھ کھلی آنکھوں سے گھرے تھکر کے آثار متربخ تھے۔

انتہے میں ملازم شام کے اخبارات لایا اور انہیں میز پر رکھ کر چلا گیا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کیا اخبار اٹھایا۔۔۔ اور پھر شائد وہ پہلی ہی سرخی تھی جس پر نظر پڑتے ہی اس کی آدھ کے آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ....!" اس نے اخبار چھوڑ کر کرسی کے ہتھے مضمونی سے جکڑ لئے۔ چہرے پر طیش۔ آثار تھے۔ میجر بوکلا کر اسے گھومنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔ دوسرا ہی لمحے میں فریدی فون کی طرف جھپٹا۔

اس نے تیزی سے کسی کے نمبر رنگ کئے اور ماٹھ پیس میں دہاڑا۔ "ایس۔ پی صاحب ہیں۔ نہیں اطلاع دیجئے کہ فون پر فریدی ہے۔"

پھر لمحے خاموشی رہی۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔ ہی ہاں! شام کا کرامہ رپورٹ دیکھا آپ نے.... لیٹرے کے متعلق ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی من و عن چھاپ دی گئی ہے.... جی ہاں! دیکھئے اس لئے میں کسی کی تقاضی کے دروازے اپنی زبان زیادہ تر بند ہی رکھتا ہوں۔ آپ نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا کہ میں آپ کو حالات کے خبر نہ رکھا کروں.... آپ دیکھئے تو اس میں پوری تفصیل موجود ہے.... آپ صرف نہیں ہوتے رہیں گے اور مجھے استحقی پیش کر دینا پڑے گا.... سننے میں ابھی اور اسی وقت آپ کے ذمہ کی تلاشی لینا چاہتا ہوں.... جی ہاں! یہ بہت ضروری ہے.... آپ نے اپنے دفتر ہی میں مجھ سے اسکے متعلق گفتگو کی تھی اور وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ میں آرہا ہوں۔"

فریدی نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کھ دیا۔ اس کا موڑ بہت خراب نظر آ رہا تھا۔

"کیا قصہ ہے....!"

فریدی نے کرامہ رپورٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ایسا یار از ظاہر ہو گیا ہے کہ اب مجرم کے ہاتھ آنے کی توقع نہیں رہی۔ اگر کسی طرح گرفت میں آبھی جائے تو ہم اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کر سکیں گے۔ چلو.... جلدی کرو۔ میں ایس۔ پی کے آفس کی تلاشی لوں گا آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھتا۔"

"خاموش رہو! چلو کے سمجھا تاپھروں۔ بعض اوقات دماغ کی چولیں تک مل کر رہ جاتی ہیں۔"

حمدی حیرت سے پلکیں جھکا کتارہا۔

بہر حال اس نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اتنے شدید غصے میں اس نے اسے شاذ و نادر ہی دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد ان کی کار ملکہ سراج رسانی نکے دفاتر کی کپاٹوں میں داخل ہوئی۔ ایس۔ پی کا بغلہ بہاں سے قریب ہی تھا اس لئے وہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی اسی مدد میں معلوم ہوتا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ میرے دفتر کی تلاشی کیوں لیں گے۔" اس نے غصباں لے لجے مل پوچھا۔

”مجھے شہر ہے کہ آپ کی لاملی میں کوئی آپ کے پوگراموں سے واقع ہوتا رہتا ہے۔“
”میرا بیکھیں گے آپ...!“

”ایک بار پہلے بھی انہیں دفاتر سے ذکر افون برآمد کر چکا ہوں۔“
”اوہ...!“

”ایس۔ پی کا آفس کھلوایا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ہائی سارہ
انداز میں سرہلا کر بولا۔“ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

”وہم بہت مردی بیاری ہے۔“ ایس۔ پی کے ہونوں پر تینی مسکراہٹ نظر آئی۔

”ہمارے پیشے میں اسے فنی ضرورت بھی کہتے ہیں۔“ فریدی بھی جواب مسکرا لیا۔

”کرام رپورٹ کو یہ خرکن ذرائع سے مل تھی؟ یہ بھی معلوم کیا؟“ ایس۔ پی کے لمحے میں
اب بھی اشتغال موجود تھا۔

”بھی کچھ ہو گا۔ ازسر نو محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب مجرم ہاتھ نہیں
آسکے گا۔ آج کل میں اس لیٹرے کی لاش کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔“

حمدی نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑیں لیکن یہاں وہ تفصیل کا مطالہ کیسے کر سکتا تھا۔ ویسے اس
کی ابھن بڑھتی ہی جاری تھی۔

” مجرم کیوں نہ ہاتھ آسکے گا۔“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”چلتے! لال پر... میں یہاں اس کمرے میں گستاخوں نہیں کرنا چاہتا۔“

وہ باہر آگئے اور فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ” مجرم اگر اس وقت
یہاں آجائے اور لکار کر کے کہ وہی بینک کی ڈسکنی کا ذمہ دار ہے اور ہم اسے گرفتار بھی کر لیں
لیکن وہ عدالت میں مکر جائے تو ہمارے فرشتے بھی اس کے خلاف ثبوت نہ مہیا کر سکیں گے۔“

”آخر نے والے کے پاس کس قسم کے ثبوت رہے ہوں گے۔“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”خدا جانے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ” اس نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کے پاس کچھ
ایسی چیزیں ہیں، جو سرگروہ تک رہنمائی کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ قتل کر دیا گیا تھا۔“

”مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اب وہ لیٹر اُن چیزوں کا مالک ہے۔“

” دیکھتے... میرا خیال ہے کہ خود مقتول سرگروہ کو بلیک میل کرنے کے پکڑ میں قہ۔ ممکن
ہے اس نے اسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو اور یہ جانتے کے لئے کہ وہ اسے بلیک میل کر سکتا ہے۔“

تی کی اطلاع مجھے قبل از وقت دے دی۔ سرگروہ کے طریق کار کے بارے میں بھی مجھے اُسی سے
لوم ہوا تھا۔“

” یہ میری بات کا جواب تو نہ ہوں میں نے لیٹرے کے متعلق پوچھا تھا۔“

” مقتول نے مجھے ایک پتہ دیا تھا... ارجمند پور کے ایک مکان کا اور کہا تھا کہ اگر اسے کوئی
بیٹھ پیش آجائے تو وہ آدمی جو اس مکان میں رہتا ہے میری مدد کرے گا۔“

” اور آپ منتظر ہے ہوں گے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آجائے۔“ ایس۔ پی نے طنزی بجھے
کہا۔

”جی نہیں! میں نے اُسی وقت سے اس مکان کی گمراہی شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ نہیں مل
اگا۔ پھر اس آدمی کے قتل کے بعد تو شاید اس نے مکان کا رخ ہی نہیں کیا۔ جیبور افضل تو زکر
ہے، مکان کی تلاشی لئی پڑی۔ ایک سوٹ کیس اور ایک ہولڈال کے علاوہ وہاں کچھ اور نہیں تھا۔
ن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی۔ البتہ چند تصویریں تھیں، ان
ہے اسے ایک خود اسی کی ثابت ہوئی۔ بقیہ تصویریں مختلف لاکیوں کی تھیں۔“

” یہاں بات ہوئی۔ ایک طرف آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی، جو اس کی
میت پر روشنی ڈال سکتی اور دوسری طرف اس کی تصویر کا بھی تذکرہ ہے۔“

” ہاں تو پھر.... کیا اس تصویر نے مجھے اس کا نام بتا دیا تھا۔ شخصیت مخفی بڑیوں اور گوشت
لے ذہیر کو تو نہیں کہتے۔ اس کے پڑوی بھی اس کا نام نہیں بتا سکتے تھے، البتہ تصویر دیکھ کر
دریق کر دی تھی کہ وہی آدمی اس مکان میں رہتا ہے۔“

” یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہی لیٹرے ہے۔ کل ہی آپ کہہ رہے تھے کہ آج تک آپ سے
بھیز نہیں ہوئی۔“

” رضوانہ اسے دیکھے چکی ہے.... حمید سے بھی ایک بار نکل رہا ہوا تھا۔“

حمید کے لئے تو یہ اطلاع ہی نئی تھی کہ فریدی کے پاس اس لیٹرے کی کوئی تصویر بھی ہے۔

” اگر آپ نے وہ تصویر پریس میں دے دی ہوتی تو وہ بھی کاپکڑ لیا گیا ہوتا۔“ ایس۔ پی کا الجھ
اغصیلا ہو گیا۔

” گویا اس طرح میں اس مجرم کے حوالے کر دیتا جس کے لئے اتنے دنوں سے
گرواؤ ہوں اور وہی ایک کارڈ ہے میرے ہاتھ میں۔“

ایس۔ پی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ” آخر وہ اس قسم کی مختصر خیز حرکتیں کیوں

اب میں چلوں! کرامر پورٹ کے دفتر میں بھی پوچھ گئے کرنی ہے لیکن اس سے پہلے....!"
یک بیک فریدی نے مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے چلا گئی لگائی اور وہ دونوں بوکھلا کر
لپٹے۔

پھر حمید نے بھی دوسری طرف چلا گئی تھی۔ اس نے فریدی کو چار دیواری کے
بیچ کھاؤا اس طرح پیچھے کی طرف گرتے گرتے سنبھل رہا تھا جیسے اس نے کسی کو پکڑنے کی
شکی ہو، لیکن بھائی نے والا چہار دیواری پھلا لگتے وقت اسے ایک لات بھی رسید کر گیا ہو۔
وہ سنبھل کر پھر اچھلا اور چہار دیواری سے سراہجارت کرو دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد
دنے اسے لکھن کی طرف دوڑتے دیکھا۔
”کیا بات.... کیا ہے۔“ ایس پی چین۔

”ایسا.... پھر نکلا جا رہا ہے۔“ اس نے دوڑتے ہوئے جواب دیا۔
جب تک حمید پنچتا لکھن فرائے بھرتی ہوئی چھاک سے گذر چکی تھی۔

پھر ذرا سی دیر میں وہاں جم غیر نظر آیا۔ رات کی ڈیونی والے اپنے اپنے دفاتر سے نکل آئے تھے۔
ایس۔ پی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تو احساس ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی چھپ کر ہماری
گلوں رہا ہے۔“

”کرٹل اپنی چھٹی حس کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں جتاب۔ وہ کسی بھی یہے ہی کی طرح
ہاکی بوس گئتے ہیں۔“ حمید نے جواب دیا۔

”تھی وجہ ہے کہ ایک معمولی اچکا زک پر زک دے رہا ہے۔“ غالباً فریدی کے کسی حادثے
باتا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہا گیا۔ اگر ایس۔ پی وہاں موجود نہ ہوتا تو شاید وہ اس آدمی کو کپا
ماہجا جاتا جس نے یہ بات کی تھی۔

ویسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ایس پی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ
یا بعد اس نے حمید سے کہا۔ ”تم کرامر پورٹ کے دفتر جاؤ اور نہیں کھٹھ لاؤ۔ نبیر ایڈیٹر اور اس
پورٹر کو جس کی وساطت سے وہ خبر آئی ہو۔ میں فریدی کی واپسی تک آفس ہی میں بیٹھوں گا۔“
ایک گھنٹے کے اندر ہی حمید نے معلوم اخخاص کو ایس۔ پی کے سامنے پیش کر دیا اور انہوں
نے جو کہانی سنائی اور پچھ بھی تھی اور ایس۔ پی کو غصہ دلانے والی بھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج صبح
یک بادر دی سب ایکٹر نے ایڈیٹر کو کرٹل فریدی کا خط دیا تھا اور خود کرٹنی ہی کی ایجاد پر وہ خبر

کرتا پھر رہا ہے۔“
”غالباً اب وہ خود اس چکر میں ہے کہ مجرم کو بیک میل کرے۔“
”آپ کا جواب غیر متعلق ہے۔“

”بھی نہیں! ایک احمد آدمی نے شائد اسے بیک میل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ مارڈا
گیا۔ لیکن یہ لیٹر اسے اپنی چالا کیوں اور پھر فی کے نمونے دکھاتا پھر رہا ہے۔ جلد رہا ہے کہ اس نے
کھلم کھلا شہر میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے لیکن پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی پھر وہ اس کا کیا کہا
لے گا۔ وہ اپنی پیٹھی کر رہا ہے جتاب اور میراد عویٰ ہے جتاب کہ مجرم اس سے مر جو بھوگ
ہے لیکن اب وہ اسے ٹھکانے لگادینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادے گا، اس خیال کے تحت کو
کہیں وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ ادا! ٹھہر یے! مجھے سوچنے دیجئے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ ایس پی کی جواب طلب آنکھوں سے جلاہٹ بھی جھاٹک رہی تھی۔
”یہ بھی ممکن ہے کہ کرامر پورٹ میں یہ براں لیٹرے ہی نے چھوائی ہو۔ مجرم کو من
خوفزدہ کرنے کے لئے... اوہاں ٹھہر یے! آج ہی حمید نے اسے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ دیک
تھا جو اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔“

حمد اس اطلاع پر بھی چوک پڑا۔ فریدی اب یہاں ایس۔ پی کے سامنے کھل رہا تھا۔ اسے
نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی اس گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

ایس۔ پی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ ”جی ہاں! مگر میں آج بھی اسے نہ پکڑ سکا
بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی جن کی طرح ہوا میں تخلیل ہو گیا ہو۔ ایک گلی میں گھسا اور غائب
”بڑی حرمت اگنیز باتیں سناتے ہیں آپ لوگ۔ کیا پورا اگروہ آپ کی نظروں میں ہے
فریدی۔“

”میں اس کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ سر سجاد کا قاتل میرے لئے اجنبی تھا۔ میرا خدا
ہے کہ سر سجاد کا قاتل زیر تربیت تھا۔ اسلئے اسے گروہ سے الگ ہی رکھا گیا تھا۔ ممکن ہے اس
علاوہ بھی کچھ اور آدمی زیر تربیت ہوں۔ مجرم بہت چالاک ہے۔ تربیت کے بعد امتحانا کوئی ایہم کا
لے کر ہی باقاعدہ گروہ میں شامل کرتا ہو۔ اس آدمی کا امتحان ہی لینے کیلئے سر سجاد پر حملہ کر لیا ہو۔“
”ہاں.... آں!“ ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ممکن ہے! لیکن لاش کس نے غائب کی۔
معنے بھی آج تک حل نہ ہو سکا۔“

”خداجانے... بہت دونوں بعد ایسا پیچھہ کیس ملا ہے۔ دیکھئے کب تک ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں

چھالپی گئی تھی۔ اس نے فریدی کا دھن بھی پیش کیا۔

”ہرگز نہیں جتاب۔“ حید نے سرہلا کر کہا۔ ”اگر کوئی اسے کرتل کی تحریر ثابت کروے میں اپنا سر قلم کراؤں گا۔“

”ہاں! رائٹنگ تو فریدی کی نہیں ہے۔“ ایس۔ پی بولا۔

”اس سال کا پہلا سب سے بڑا فراڈ ہے یہ بخط۔“ حید ایٹھیر کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر اس انپکٹر کا حلیہ پوچھنے لگا جس سے خط ملا تھا۔

ایٹھیر بیان کر رہا تھا اور حید کی آنکھیں حرمت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ حلیہ سو فیصد اور لیٹرے کا تھا۔ ایس۔ پی کی نظر حید کے چہرے ہی پر تھی۔

”کیوں....؟“ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”یہ حلیہ اسی لیٹرے کا ہے۔“

”اوہ....!“ ایس۔ پی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس۔ ریسیور اٹھا لیا۔ حید نے گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ دوسری طرف سے فریدی ہی بول رہا ہے۔

ایس۔ پی اس خبر سے متعلق نئی دریافت کا تذکرہ کر رہا تھا۔ پھر وہ خاموش ہو کر سننے لگا۔ کہا دیر بعد ”اچھا“ کہہ کر سلسہ مقطوع کرتا ہوا ایٹھیر کی طرف مڑا۔

”اس خبر کی بناء پر محلے کی بدنتای ہوئی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”آپ کو صبح ہی اپنے اخبار کا ضمیم نکال کر اس بات کی تردید کرنی پڑے گی کہ یہ خبر آپ کو براہ راست کسی ذمہ دار آفیسر سے تھی۔ آپ پولیس کے حوالے سے یہ لکھنے کے مجاز ہوں گے کہ سب انپکٹر کا حلیہ لیتے۔ مطابقت رکھتا ہے۔“

”ہم ضرور نکالیں گے ضمیم۔“ ایٹھیر نے پر سرت لجھ میں کہا۔ ”اگر نہ نکلا تو خسار۔ میں رہیں گے لیکن ایک رعایت چاہوں گا۔ یہ تردیدی خبر صرف ہمارے ہی اخبار کے ا مخصوص ہونی چاہئے۔ پولیس کے لئے اسے عامنہ کیا جائے۔“

”چلتے.... یہی سمجھی۔“ ایس۔ پی مسکرایا۔

وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ایس۔ پی نے حید سے کہا۔ ”وہ ہاتھ نہیں آسکا۔“

”اس کا پھر جیلان بن گئے حرمت میں ڈال دیتا ہے۔“ حید آہستہ سے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ خبر اس لیٹرے ہی نے شائع کرائی تھی تو اس کا مقصد کیا تھا؟

خبر کے مطابق ریالٹی میں مردہ پائے جانے والے آدمی اور اس لیٹرے کے درمیان کوئی گہم

نہ تھا۔ یہ واقعہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ بینک آف کینیڈا کی ڈیکیٹی کی اطلاع قبل از وقت اُسی ہے میں تھی جس کی لاش ریالٹی میں پائی گئی تھی۔ وہ گروہ کے سر غز کے متعلق کوئی اہم بات اخفاض کا علم اس لیٹرے کو بھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح پولیس کے ہاتھ آجائے تو گروہ کا نہ ہے آسانی پکڑا جائے گا اور پھر اس کی شخصیت راز نہ رکھے گی۔

غرضیکہ خبر کے تیور ایسے تھے کہ اس پر ہمکی ہی کامگان ہوتا تھا۔ تو پھر فریدی کا یہ خیال تھا، ہو سکتا تھا کہ لیٹرے اس گروہ کے نامعلوم سربراہ کو بینک میں کوشش کر رہا ہے۔ اب تمہیں تھل جام جاتا ہے۔“ ایس۔ پی کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ ”فریدی نے فون پر کہا طاہر اور زیدی ملے سے ملو۔ تمہیں ظاہر کی جگہ لئی ہے کیونکہ وہ بخار میں مبتلا ہو گیا ہے۔“ حید اٹھ گیا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور ایس۔ پی کچھ بڑا تباہی بیڑ کی طرف پلٹ گیا۔

کال ریسیور کرتے وقت حید نے اس کے چہرے پر جذباتی بیجان کے آثار دیکھے۔ وہ سنتا رہا۔ ریسیور رکھ کر حید کی طرف مڑا۔ ”پلو..... میرے ساتھ۔“ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تار جام کے ان اچارج کی کال تھی۔ سر جاد کی کوئی کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ زیدی نے وہاں کسی کی روگی کی اطلاع دی تھی۔ انچارج کا خیال ہے کہ زیدی نے غلطی نہیں کی۔“

یہ خبر اور زیادہ بیجان انگیز ثابت ہوئی۔ تو گواہی کیل ختم ہونے والا ہے۔ حید نے سوچا وہ اس کے علاوہ اور کون ہو گا، جو پہلے بھی کوئی میں داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ایک بار بیٹی اور ظاہر سے بھی مکروہ اور ہو گی تھا۔

کچھ دیر بعد ایس۔ پی کی کار تار جام والی سڑک پر تیر فتاری کے زیکارڈ تو ٹوڑی تھی۔

گرفتاری

حید محاصرے کا انداز دیکھ کر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سارا انتظام ایک پوری ننکے لئے کیا گیا ہو۔ مسلسل پولیس کے جوانوں نے اس طرح پوزیشن لے رکھی تھی جیسے تکے اندر ہر کھڑکی اور دروازے پر کم از کم ایک آدمی ضرور موجود ہو گا۔

روازے پر لگائیے جاتے کوئی نہ کوئی توٹوٹ ہی جاتا۔ آنسو گیس استعمال کی جاسکتی تھی۔
”یہاں ہمارے پاس سامان نہیں تھا۔“ انچارج کا مود گزرتا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس نے
نجلائے کر کہا۔ ”میں اسے زندہ گرفتار کرتا چاہتا تھا۔ اتنا برا مجرم...!“

”غیر.... بہر حال.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ آدمی اس دروازے پر ضرب میں لگاتے
ہیں۔ وہ ادھر متوجہ ہو جائے گا۔ میں اتنی ہی دیر اُسے الجھائے رکھنا ہے کہ میں اوپر پہنچ جاؤں۔
بے خیال تو یہ ہے کہ وہ نکل ہی گیا ہو گا۔“

”میں کہہ رہا ہوں تاکہ بندی کی کڑی گنگرانی کی گئی ہے۔“ انچارج کے لہجے میں پھر جھلابت
ہوا ہو گئی۔

جید کا اضطراب برھتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا اگر وہ اس کی سر کردگی میں پکڑ لیا گیا تو کم از کم
زیدی کو کبھی کبھی یاد لانے کیلئے تو ہو ہی جائے گا کہ ایک بڑے مجرم پر اس نے بھی ہاتھ ڈالا تھا۔
دو آدمی دروازے کی دونوں جانب کھڑے کر دیجئے گئے اور پہايت کر دی گئی کہ وہ راکھلوں
کے کندے دروازے پر مارتے رہیں۔ جید جوتے اتار کر دیوار کے قریب آگیا تھا۔ درسرے ہی
لمحے میں اس نے پاپ پکڑ کر اپر پڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی دروازے پر رائٹل کے کندے
پہنچ گئے۔ اور پہنچ جانے کے بعد بھی وہ ضربوں کی آوازیں سننا رہا۔



کرٹل فریدی طوفان کی ہی تیز رفتاری سے اپنی گاڑی دہاں سک لایا تھا۔ اُسے اس محاصرے کی
اٹلاع دیر سے ملی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ٹھیک اُسی وقت دہاں پہنچا تھا جب جید عمارت کی پشت پر
انچارج اور ایس۔پی سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن وہ ان کی طرف نہیں گیا۔ یہ معلوم ہوتے تھے کہ
محاصرے کوڈھائی گھنٹے گزر چکے ہیں اس نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

تقریباً یہ فرلاگن سک دوڑتے رہنے کے بعد اس کی رفتارست نہ ہو گئی اور پھر وہ آہستہ آہستہ

پڑے لگا۔ یہاں چاروں طرف جہاڑیوں سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔

وہ ایک جانب نشیب میں اترتا چلا گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک ٹیلے کے قریب رکا ہوتی ہوئی

جمہاڑیوں سے آواز آئی۔ ”میرے ہاتھ میں نای گن ہے۔“

فریدی نے بے تھاشہ چھلانگ لگائی اور قریب ہی کے درسرے ٹیلے کی اوٹ میں جا گرا۔

وہ جہاڑیوں کی سرسر اہٹ سے رہا تھا۔ لیکن جہاڑیوں پر قارٹ کرنے کے لئے اسے ٹیلے کی اوٹ

جید نے اس پر حیرت ظاہر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اٹیشن انچارج ایس پی سے کہ
رہا تھا۔ اس کے پاس نای گن ہے جتاب۔ اس محاصرے کوڈھائی گھنٹے گزر چکا ہے۔ ایک بار اس
نے راستہ بانے کے لئے قارٹ گی بھی کی تھی۔

”قارٹ گ کو کتنا عرصہ گزرا ہے۔“ ایس پی نے پوچھا۔
”تقریباً دو گھنٹے۔“

”وہ نکل بھی گیا ہو گا۔“ جید بول پڑا۔

”ناممکن....!“ انچارج نے پہاڑ اعتماد لجھ میں کہا۔ ”چاروں طرف آدمی موجود ہیں۔“
”تو یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔“ ایس۔پی نے طنزیہ لجھ میں پوچھا۔ لیکن قتل از
کے انچارج کوئی جواب دیتا جید بول پڑا۔ ”میں ختم کئے دیتا ہوں یہ سلسلہ۔“

”کس طرح....!“ ایس۔پی نے جید کو ٹیکھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”خواہ کوئی صورت اختیار کرنی پڑے۔ ورنہ پھر دیر بعد انہیں اپھل جائے گا۔ پھر اُسے کوڑا
روک سکے گا۔“

ایس پی پکھنہ بولا۔ یہ عمارت جید کی اچھی طرح دیکھی بھائی ہوئی تھی۔ وہ عقینی ہے کہ
طرف آیا۔ ایس۔پی اور انچارج بھی ساتھ ہی تھے۔

”اسے دروازے تھے، ان میں سے کوئی بھی توڑا جاسکتا تھا۔“ جید بول دیا۔ وہ اس دروازے
طرف دیکھ رہا تھا، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

”یہ بھی کر کے دیکھ لیا گیا ہے۔“ انچارج بیزاری سے بولا۔ ”جس دروازے پر بھی ضرب
پڑتی تھیں اسی کے پیچے وہ آموجود ہوتا تھا۔ دھمکی بھی ہوتی تھی کہ وہ تو جان دینے پر تک ہی
ہے۔ دروازہ توڑنے والوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اب آپ خود سوچنے نای گن۔
سامنے....!“

”ختم کرو۔“ ایس۔پی غریباً اور جید سے بولا۔ ”ہاں تو تم کیا کرو گے۔“

”اس پاپ نے سہارے چھت پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔“ جید نے اس موٹے سے پا
کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے بارش کے پانی کے اخراج کے لئے لگایا تھا۔

”نای گن ہے اس کے پاس۔“ ایس۔پی نے گویا یاد بانی کرائی۔

”اُسے الجھائے رکھا جاسکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے بھی بھی تدبیر کیوں نہیں اٹا
کی گئی۔ دڑاصل ہمارے آدمی اس کی کہانیاں سن سن کر مر عوب ہو گئے ہیں۔ ورنہ دو جوان

سے نکل آتا پڑتا... پھر وہ تو پہلے ہی سن چکا تھا کہ مجرم کے پاس ٹائی گن جیسا مہلک حربہ موجود ہے۔ ویسے اس نے ریو اور تو نکال ہی لیا تھا۔

یک بیک اس نے ریو اور زمین پر ڈال دیا اور بڑے بڑے پھر اٹھا کر دوسرا ٹیلے کی طرف اچھانے لگا۔ دوسرا ہی لمحے میں اس نے غصیل آواز میں ایک گندی سی گالی سنی تھیں لیکن کچھ بوج نہیں۔

پھر ٹائی گن کے فائزوں سے جنگل کو بنجئے لگا۔ گولیاں فریدی سے صرف ڈیڑھ گز کے قائم سے گزرا رہی تھیں۔ اس نے تیزی سے باسیں جانب بڑھنا شروع کیا۔ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ کس جگہ سے فائز کر رہا ہو گا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور سینے کے مل رینگتا ہوا اسی ٹیلے پر چڑھنے لگا جس کی اوٹ فائرنگ ہو رہی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں عمارت کا حماصرہ کرنے والے دستے کے پکھ جو جوا ادھر بھی نہ دوڑ پڑیں۔ ایسی صورت میں دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اسے قطعی توقع نہیں تھا کہ اس طرف آنے پر مجرم سے مذکور ہو جائے گی۔ وہ تو محض اس نے آیا تھا کہ جدوجہد کا کو پہلو باتی نہ رہ جائے۔ سر سجاد نے اسے عمارت کے تھہ خانوں سے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ جانتا تھا کہ اُن سے ایک راستہ سرگنگ کی شکل میں جنگل کی طرف بھی گیا ہے وہ اس راستے سے گز بھی چکا تھا لیکن حید اس سے لا علم تھا۔ ورنہ وہ بھی یہاں پہنچنے پر جنگل ہی کا رخ کرتا۔

یک بیک فائرنگ بند ہو گئی۔ فریدی ٹیلے پر پہنچ چکا تھا اس نے لیٹھی ہی لیٹھے دوسرا جاہب جھانکا لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آدھیوں بھی آئیں اور اس فائرنگ کرنے والے کو انہیں جھاڑیوں کی طرف پلتے دیکھا جو سرگنگ کے دہانے پر جل ہوا تھیں۔ فریدی نے اس کی پرواہ کے بغیر کہ اُس کے ہاتھوں میں ٹائی گن ہے اور پر ہی سے چلا گئے لگادی۔ فائرنگ کرنے والا اس کے نیچے دب کر کر لام۔ ٹائی گن فریدی کے پیروں کے قریب پڑا ہوئی تھی۔

❖

حید چھت پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن نہ تو ابھی تک دروازہ توڑنے والوں کو دھمکی ملی تھی اور نہ فائزوں کی آوازیں ہی سنائی دی تھیں۔ پوری عمارت کی ویران مقبرے کی طرح سنان تھی۔“ نیچے اتر گیا۔ دروازے پر اب بھی رانقل کے کندے نک رہے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے ایک

ایک کمرہ دیکھنا شروع کیا۔ پھر ہال میں آیا۔ تھہ خانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ تو وہ تھہ خانے تھی میں ہو گا۔ اس نے سوچا، لیکن وہ تھہ تھہ خانے میں اتنے کا خطرہ نہیں مول لیتا چاہتا تھا۔

ہال کے سارے دروازے باہر سے بھی بولٹ کے جاسکتے تھے۔ اس نے بڑی پھر تی سے انہیں بند کیا اور پھر اُسی دروازے کی طرف پلٹ آیا جس پر اب بھی رانقل کے کندے بر س رہے تھے۔

”ٹھہر جاؤ۔“ اس نے بلند آواز میں کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی انچارج اور ایس۔ پی اس کی طرف چھپئے۔

”وہ شاید تھہ خانے میں اتر گیا ہے۔“ حید نے کہا۔

”ایس۔ پی نے وہاں کسی تھہ خانے کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی۔ فریدی نے سر سجاد والا معاملہ اپنی اور حید ہی کی ذات تک محدود رکھا تھا۔

پھر وہ کوئی فیصلہ کرنے ہی والے تھے کہ جنگل کی طرف سے ٹائی گن کی فائزوں کی آوازیں آئیں۔

”یہ کیا مصیبت۔ انچارج مز کر آئکھیں چھڑانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

”تم پکھ جوانوں کو لے کر ادھر جاؤ۔“ ایس۔ پی نے اس سے کہا۔ ”ہم ادھر دیکھتے ہیں۔“

اگر وہ جنگل میں پہنچ گیا تھا تو چپ چاپ نکل ہی کیوں نہیں گیا۔“ حید بڑھا۔

”چلو.... چلو.... غور و گلر کا وقت نہیں ہے۔“ ایس۔ پی دروازے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ انہوں مسلسل کا شیبل بھی اُن کے ساتھ تھے۔ وہاں میں آئے اور پھر رک گئے۔

غالباً ایس۔ پی بھی سورج رہا تھا کہ کہیں وہ اندر احمد فائرنگ نہ شروع کر دے۔ پھر حید اُسکے برعکس۔ ایس۔ پی خاموش کھڑا رہا۔ حید نے تھہ خانے کے دروازے میں ہاتھ ڈال کر ایک فائرنگ کیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھاگئی۔ تھہ خانے سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

ایس۔ پی اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ یہاں آنسو گسی ہی کار آمد ہو گی، ورنہ مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی اندر اترے وہ فائرنگ شروع کر دے گا۔“

”میں یہ خطرہ مولے سکتا ہوں۔“ حید نے لاپرواں سے کہا۔

”میری موجودگی میں نہیں۔“ ایس۔ پی کا الجہ غصیلا تھا۔

یک بیک حید نے اندر ورنی زینوں پر قدموں کی چاپ سنی اور تیزی سے کھمک کر ایک

طرف ہوتا ہوا، ایس پی کی طرف مڑا۔ اس کی انگلی ہونٹوں پر تھی۔ ایس نے کاشیبلوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ میزوں اور کرسیوں کی آڑ سے پوزیشن لینے لگے۔ ایس۔ پی بھی فرش پر امپرے ہوئے دروازے کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا تھا۔

دھنٹا ایک نقاب پوش دروازے میں نظر آیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ حمید نے روپ اور الہام توڑا بڑھا کر کہا۔ ”خیردار۔“

”پرانی بات ہوئی۔“ نقاب پوش کے عقب سے آواز آئی۔ ”یہ غیر مسلح ہے۔“

حمدید بوكھلا گیا۔ کیونکہ آواز فریدی ہی کی تھی۔ ایس۔ پی بھی سامنے آگئی۔ نقاب پوش آئے پچھے جھول رہا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ سر سے ہبے ہون کے دبے تو سارے کپڑوں پر نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے اُسے دھکا دیا اور وہ باہر نکل کر فرش پر آپڑا۔

”آپ کہاں۔“ ایس۔ پی بھوچ کارہ گیا تھا۔

”ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو ہم اس کی گزد کو بھی نہ پاسکتے۔“ فریدی نے کہا۔

کاشیبلوں نے نقاب پوش کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فریدی نے چند لمحے اس کی طرف دیکھنے کے بعد کہا۔ ”تہہ خانے سے ایک سرگن جنگل کی طرف بھی گئی ہے۔ یہاں پہنچ پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ محاصرہ ڈھائی گھنٹے سے جاری ہے تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نکل گیا ہو۔ لیکن پھر بھی میں احتیاطاً وہیں چلا گیا جہاں سرگن ختم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے تہہ خانے میں سرگن کا راستہ تلاش کرنے میں دیر گی ہو۔ ورنہ یہ اتنا حق تو نہیں ہو سکتا کہ ڈھائی گھنٹے تک یہاں پر اونکھا رہتا۔“

”یہ ہے کون۔“

”میں نے تو ابھی تک نہیں دیکھا۔“ فریدی نے لاپرواں سے شانوں کو جبش دی۔ پھر جیسے ہی ایک کاشیبل نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا، حمید بے ساختہ جنپڑا۔ ”سید۔“

”محمد سعید غالباً زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بیووش ہو گیا تھا۔“ فریدی کے ہونٹوں پر تیزی مکراہٹ تھی۔

دوسرے دن صحیح کے اخبارات کے لئے بہترے لوگ مارے مارے پھر رہے تھے۔ کیونکہ پس سے باہر آنے کے بعد ہر اخبار کی کامیاب ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر فروخت ہو گئی تھیں۔ وہ مجرم کپڑوں پر لیا گیا تھا جس کی وجہ سے بینک آف کینیڈا کی ڈکیٹی کے بعد شہر میں دھشت پھیل گئی۔ اس کا طریق کار ایسا تھا کہ ان دونوں بینکوں کے آس پاس کی عمارتیں خالی ہوئی شروع ہمی تھیں اور دولت منڈ طبقہ تو نوری طرح سہارا تھا۔

اخبارات نے کریم فریدی کے اس کارناٹے پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی تھی۔ لیکن خود رئی فریدی کی پیشانی پر تھکری گھبری کیسیں اب بھی موجود تھیں۔

محمد سعید کی کوئی تھی سے بہت زیادہ قوت والے تین ڈاٹا نامہت بھی برآمد ہوئے تھے اور نف فرم کی نشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا تھا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے پیوس میں نشیات کا ناجائز کاروبار بھی شامل تھا۔

”پھر اب آپ کس گلری میں ہیں۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”میں کیسے ثابت کروں کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیٹی میں اسی کا ہاتھ تھا۔ انتہائی تشدید کے وجود بھی اُس نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔“

”اور وہ ڈاٹا نامہت۔“

”ہاں اودھ ناہی گئ۔ وہ ڈاٹا نامہت اور نشیات کا وہ ذخیرہ..... سمجھی کچھ ہے لیکن یہ چیزیں اسے پہنسی کے تختے تک نہیں پہنسی سکتیں! ناہی گئ کی فارنگ سے کوئی زخمی نہیں ہو سکتا تھا۔“

”آخر وہ سر جادو کی کوئی میں کیا کر رہا تھا۔“

”اس کا جواب بھی نہیں دیا اُس نے اور نہ بھی تسلیم کرنے پر تیار ہے کہ اس نے سر جادو کو قتل کر رہا تھا۔“

”اوہ..... سر جادو! مگر اب کیوں وہ سامنے آنے سے گریز کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اخبارات بھی اس سلسلے میں خاموش ہی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا انحصار تو صرف آپ ہی پر ہے۔“

”تم کب سے نہیں گئے اس کے گھر۔“

”شاید تمیں دن ہوئے گیا تھا۔“

”وہ بہت بیمار ہے۔ گھٹھا اور نروس بریک ڈاؤن کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ چل پھر نہیں

سکتا۔ اپنی بیٹی کو ہی موت پر روتے دیکھنا کئی عجیب پھوٹش ہو سکتی ہے۔ مضبوط ترین وقت اڑاکی
کے لوگ بھی پاگل ہو سکتے ہیں۔ ”

”مگر اب کیا دشواری ہے اُسے ظاہر کرنے میں۔ ”

”رضوانہ کو مجبور آئیا گیا ہے، لیکن وہ ابھی تک نوکری کے میک اپ میں ہے! میں فی الحال
اس کی خرابی صحت کی بجائے پر مناسب نہیں سمجھتا کہ اُس کا راز ظاہر کیا جائے۔ بڑی بھیرنا اکثر
ہو جائے گی اُس کے گرد اور پھر یہ دیے بھی بڑی غیر داشمند نہ حرف کت ہو گی کیونکہ ابھی تک اس
کے سلسلے میں ملزم نے اقبال جرم نہیں کیا۔ میں خود بعض نئی الجھنوں میں پڑ جاؤں گا۔ ”

”بھر آخرہ کیسے اقبال جرم کرے گا۔ ”

”جہنم میں جائے۔ ” فریدی جھنچھلا گیا۔ ”تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اس لیے ہی کو
ڈھونڈ نکالو۔ ”

”اے بھی آپ ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔ ” حمید نے ہوا سامنہ بیلای۔ ”میں اگر کبھی کچھ کرنا
بھی چاہتا ہوں تو آپ گویا آسمان ہی سے پلک پڑتے ہیں۔ اب میجر سعید ہی کے معاملے کو لے
لیجئے، میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی ہاتھ مار دوں گا مگر تھہ خانے سے برآمد ہوئے آپ! اگر آپ نے
محسے سرگم کے متعلق بتایا ہو تو کیا ہرج تھا۔ ”

”خیال نہیں رہا تھا! اہ تو اب وہ لیٹراہی آخری کارڈ ہے۔ ”

”بھیلی شام آپ اُس کے پیچے تھے وہ ہماری گفتگوں چکا ہے۔ اس نے شاید ہی ہاتھ آکے
مگر اب وہ بلک میل کے کرے گا۔ ” فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلکار ہاتھ۔ لیکن گھرے تنکر کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر
نظر آرہے تھے۔ ”

”میسر سجاد کو میجر سعید کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ ”

”ہاں! رضوانہ کی حماتت سے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ اسے ابھی نہ بتایا جائے! سنتے ہی غشی کا
دورہ پڑ گیا تھا۔ ”

”حید پھر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ واقعی اس سے بڑی بے بھی اور کیا ہو گی کہ مجرم ہاتھ آئیا
ہے لیکن کسی خاص معاملے میں اُس کے خلاف کوئی ثبوت بھی نہیں پہنچایا جاسکتا۔ ”

”تو گویا یہ کیس صحیح معنوں میں آپ کی ذہانت کی کسوٹی ثابت ہو گا۔ ” اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔
”ویکھو....!“ فریدی نے لاپرواٹی نے کہا اور انھوں گیا۔ ”



امی شام کو حمید نے سوچا۔ اب رضوانہ سے ضرر دلانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے اب اس کی قوطیت
نہ ہو گئی ہو۔ ممکن ہے اب سورتے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہوں کی لرزشیں دھکائی دیں۔

اُس کے خدو خال بڑے دلکش تھے۔ لیکن غم کی پر چھایاں انہیں بگاڑ کر رکھ دیتی تھیں۔
کوئی میں بہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ رضوانہ میں یہاں ملازم کو سر سجاد کی خواب گاہ میں
واری گئی ہے۔ اطلاع دینے والے ملازم نے ایسے تشویش کن لمحے میں اس کا تذکرہ کیا تھا جیسے
اُن زیادی کی وجہ سے اس کی دانست میں رضوانہ کا داروغہ ہی خواب ہو گیا ہو۔

بادی انظر میں بات تھی بھی اجنبی تھی۔ بھلا بیار ملازم کو مالک کی خواب گاہ میں کیا سروکار۔
اُب رہو شیش کوارٹر ہی خاصے آرام دھتے۔ اتنی انسانیت تو ان پیچاروں نے بڑے بڑے اللہ والوں
لہی نہیں دیکھی تھی۔

حمدی نے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی اور رضوانہ نے اسے دہیں بلوالیا جہاں وہ سر سجاد کی
لاروی میں مصروف تھی۔

سر سجاد جاگ رہا تھا۔ اس نے خفیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کیا۔
رضوانہ نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”مجھے آپ سے شکایت ہے کیپن! آپ مجھے روتے دیکھتے
ہے لیکن اشارہ بھی کبھی کچھ نہ بتایا۔ ”

”یہ سب کچھ تو سر سجاد خود ہی دیکھتے اور برداشت کرتے رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔
”ختم کرو۔“ سر سجاد ہاتھ اٹھا کر نحیف سی آواز میں بولا۔ ”اس کا تذکرہ بھی میرے لئے
لپڑا ہے۔“

حمدی نے مسکرا کر رضوانہ کی طرف دیکھا اور پھر سر سجاد سے پوچھا۔ ”کبھی آپ کو میجر سعید پر
بھی ہوا تھا۔“

”ہرگز نہیں! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”آخر اس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کرایا۔“

”وہ کیا کہتا ہے۔“

”اُس نے آپ کے معاملے میں قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے۔“

”اوہ.... تو پھر مجھے خود ہی دیکھنا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔“

”ذیلی خدا کے لئے ابھی خود کو الجھنوں میں نہ ڈالنے۔“ رضوانہ نے کہا۔

سر سجاد گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔ وہ چلتا ہوا تھا اور جیر سکوڑ رکھے تھے۔

”دیکھو! اب یہ بیدار بھی چھیلتے بھی ہیں یا نہیں۔“ سر سجاد پھر کراہا۔ ”حدار حم کرے مجھ پر۔“

”اوہ تو کیا بیرون نہیں پھیلا سکتے۔“ حیدر نے حیرت سے کہا۔

”قطعاً نہیں! اس سے پہلے بھی مجھے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔“

”ڈاکٹر کا خیال کیا ہے۔“

”خود اسے بھی حیرت ہے کہ اپنے اس مرض کا حملہ کیسے ہوا۔ جبکہ پہلے سے علامات بہ موجود نہیں تھیں۔“

”ڈیڑی! بھوک تو نہیں لگی۔“ رضوانہ نے پوچھا۔

”ہاں کچھ ہے تو... مگر صرف شور بہ۔“

رضوانہ کرے سے چلی گئی۔ حیدر خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”بھی میں نہیں آتا کہ وہ جان ھتھیلی پر رکھ کر کوئی میں کیوں گھسا تھا جبکہ ایک بار پہلے بھی وہاں میرے چوکے دو آفیسروں سے ٹکرا چاکا تھا۔“

”کیا اس سے پہلے بھی۔“ سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں! کیا کتل نے آپ کو نہیں بتایا۔“

”جی نہیں....!“

حیدر نے تاہر اور زیدی والا واقعہ دہر لیا اور سر سجاد کچھ دیر بعد بولا۔ ”سعید کتوں کا بڑا ایم ٹرینر ہے۔“

”حملہ آور کی کہانی سننے کے بعد بھی آپ کا ذہن میحر سعید کی طرف نہیں گیا تھا۔“

”ہرگز نہیں۔ بھلا کیوں جاتا۔ ایسی توکوئی بات ہی نہیں تھی۔ ہاں ہمارا کچھ بزنس ایسا ضرور ہے جس کے معاملات کی رو سے ایک دوسرے کے ورثاء حقدار نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ تو ایک؟ تھا باہمی سمجھوتہ تھا۔ ہم دونوں ہی جوئے کے شائق ہیں۔ ہم میں تو معمولی معمولی باتوں ہار جیت ہوتی رہتی تھی۔“

”اُسے فینوں سے تو ڈپچی نہیں تھی۔“

”کیوں؟“

حیدر جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفتار رضوانہ دوڑتی ہوئی کرے میں داخل ہوئی۔

”وہ.... وہ.... کیپشن....!“ رضوانہ بُری طرح ہاپ رہی تھی۔ وہ پھر لا بہری میں میونگ

””کون....!“ حیدر چھپل کر کھڑا ہو گیا۔

”وہی لشرا۔“

”اوہ....!“ حیدر دروازے کی طرف چھپل۔ رضوانہ بھی اُسکے ساتھ تھی۔ سر سجاد اسے آوازیں لاد دیا گیا۔ دونوں ساتھی لا بہری میں داخل ہوئے۔ لیکن آج پھر حیدر غیر مسلسل ہی تھا۔

لیبر ایڈے خوشناشائیل میں ان کی طرف مڑا۔

”آج آپ غالباً توب باندھ لائے ہوں گے کپتان صاحب۔“ اس نے تھیک آمیز انداز میں سن کر کہا۔

”میں آج بھی نہتا ہوں لیکن تم فتح کرنے نہیں جا سکو گے۔“ حیدر دروازہ بند کرنا ہوا بولا۔

”لڑکیوں کی موجودگی میں انتہائی سمجھیدہ لوگ بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔“

”بہتری اسی میں ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔ ابھی تک تمہارے خلاف کوئی غمین الزام نہیں ہے۔“

”سر سجاد اسی رات قتل کر دیئے گئے۔ جب میں نے ان کی میز پر کھانا کھایا تھا اسے آپ کیوں بول رہے ہیں کپتان صاحب۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ اپنا کھیل ظاہر کر دو۔ تم یہاں کیوں آتے ہو۔“

”اور اسی وقت آتا ہوں جب آپ کی موجودگی کا بھی امکان ہو جاتا۔ میرے کھیل عموماً لبے ہوتے ہیں اس لئے میں نہ خود پتے شوکرتا ہوں اور نہ شوکر اتا ہوں۔ اس وہم میں بھی نہ پڑیے گا.... کہ....!“

”یہ بھر سعید کو بیک میل کرنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔“

”میرے لئے نئی اطلاع ہے کپتان صاحب۔ پتہ نہیں آپ نے کس گدھے کو بھر سعید کے دھونکے میں پکر لیا ہے۔ اس کا ایک سوتیلا بھائی بھی اُسی کا مشکل ہے.... یہ بھر سعید نے اُسی کو داؤ پر لگایا تھا۔“

”اپنے ہاتھ اوپ اٹھاو۔“ یک بیک بائیں جانب سے آواز آئی۔ حیدر چوک کر مڑا۔ تحڑے ہی فاصلے پر ایک آدمی سرتاقدم سیاہ رنگ کے چست لباس میں بوس ریا اور تانے کھڑا تھا۔ وہ غالباً بڑی الماری کے پیچھے سے نکلا تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ دوسرا خ نظر آرہے تھے۔

”تم سب ہاتھ اٹھاو۔“ اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ حیدر اور رضوانہ کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔

پاں ہو گا.... اُوہ.... ہلا.... آہی گیا۔"

اب پوش بوكھلا کر زینوں کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ لیٹرے نے اس کے روی اور پر ہاتھ ریو اور دور جا گرا اور نقاب پوش اس سے لپٹ پڑا۔ حمید نے روی اور پر قبضہ کر لینے میں دیر لی۔

جاوے... رضوانہ... تم ڈیڈی کے پاس جاؤ۔" حمید نے کہا۔
اہا... ڈیڈی۔" لیٹرے نے تھہبہ لکایا۔ اس نے نقاب پوش کو فرش پر گردایا تھا اور اب رہا تھا کہ اس کی نقاب نوچ پھیکے۔

بیوی...! رضوانہ کی جیجی بڑی دلخراش تھی۔ نقاب چھرے سے الگ ہو چکی تھی اور سر سجاد کے پیچے دبا ہوا امری طرح ہاتھ رہا تھا۔

اہ... ڈیڈی! جو گھنیا کے مریع تھے ابچارے.... چلنے پھرنے سے معدود را جو اپنے جرم لئے کے لئے شاید تمہیں بھی موت کی نیند سلانے سے گریز کرتے۔
سک... سمجھو تو۔.... کرلو۔" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "کیپشن حمید تمہارے لئے بھی ثابت ہو گا۔"

ساپر حمید نے تھہبہ لکایا اور روی اور کو جھکا دیتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش ذکھو پڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

ساکا ذہن گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ اس نے رضوانہ کو چکرا کر گرتے دیکھا لیکن اسے ذرہ پاپ وادہ نہ ہوئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اب عین موقع پر فریدی نہ آئے۔ لیکن اسے سوچنا ہادنوں کو کیسے قابو میں کیا جائے۔

یکھا تم نے دیکھا....! سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "احق نہ بنو! پہلے اس سے نہ! پھر ہم مطیعنہ میں تمہیں.... خوش.... کروں گا۔"

کس سے پہنچے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے سجاد کہ اس کی شادی کر دی جائے۔ یہ بالکل سمجھدا گائے گا۔" لیٹرے نفس کر بولا۔ لیکن اس بار حمید کو اپنی آنکھیں حلتوں سے نکتی محوس ہیں۔

میں نکت وہ جس جنباتی یہ جان میں جتلارہا تھا۔ اس پر تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بر فہری سی۔ یہ آواز بھلا کر گئی فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

نے وہ۔ کامیاب۔ ۲۰۰۴، کرعی فریدی....! آواز بد نہ کہا ہر۔ میک اپ کامیاب۔ جس۔

"تم کون ہو۔" حمید کی زبان سے میساختہ نکلا۔

"بکومت! دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیا بکتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

"دھیر ج پکتان صاحب۔" لیٹرے نے آہستہ سے کہا اور پھر نامعلوم آدمی سے بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"تمہاری موت۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ جس طرح وہ سارے شوت میرے پاس آئے تھے اسی طرح وہ اب ایک تیرے آدمی کے پاس ہیں! تم مجھے گولی مار دو، کل سے وہ تمہارے پیچے لگ جائے گا۔ اس نے ٹھنڈنہ بننے کی کوشش کرو۔ ورنہ اگر میں نے اس سرکاری جاؤس کا ساتھ دے دیا تو تم جنم رسمید ہو جاؤ گے.... گولی چلا کر بھی دیکھ لو۔ میں یونہی اتنے خطرات نہیں مول لیتا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ اس بے چاری لڑکی کو تو جانے دو۔ مگر شاید تمہارے دل پر بھی تمہارے لباس ہی کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

نقاب پوش کھلکھلتا ہوا پھر الماری کے قریب چلا گیا تھا۔ بیان ہاتھ پیچے لے جا کر اس نے کسی میکنزیم کو حرکت دی اور کمرے کے وسط میں فرش پر ایک بڑی سی خلاء نظر آنے لگی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فرش کا ایک ٹکڑا بہت آہنگی سے پیچے دھنٹا چلا گیا ہو۔

"چلو....! نقاب پوش غریا۔" چپ چاپ پیچے اتر جاؤ تم تینوں۔"

رضوانہ بڑی طرح کا پر رہی تھی۔ آگے بڑھنے میں لیٹرے ہی نے پہلی کی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یہاں اس تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ہوئی ہو۔

"پرواہ مت کرو۔" حمید نے رضوانہ سے کہا۔ "چلو....!"

وہ خود کو متر دیا پر بیان نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ سامنے ہی زینے دکھائی دیئے، جن پر اچھی خاصی روشنی تھی۔ لیٹرے آگے گئے تھا اس کے پیچے رضوانہ تھی اور پھر حمید! نقاب پوش کہتا جا دیا تھا۔ "تمہاری ذرا سی لغرض تمہیں موت کے منہ لے جائے گی۔ لہذا زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا۔"

پیچے پیچ کر لیٹرے نے کہا۔ "بس اب جاؤ! اس تیرے آدمی کو ٹلاش کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں طے گا۔" نقاب پوش غریا۔ "تم مجھے بلف نہیں کر سکتے۔"

حمدید چاروں طرف تجسسنا نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لیٹرے کو کہتے سنا۔ "سودا کرو... یہی بہتر رہے گا تمہارے لئے! جلدی کرو! ایسی بہتر ہے! ورنہ تھوڑی ہی دیر میں کرنی

پڑا کہ ہی پڑا تو گروہ کے آدمیوں کو اس کا وقت نہیں معلوم ہو سکے گا کیونکہ سربراہ اصل کام اکرتا ہے۔ دوسرے صرف باہر کے انتظامات کے لئے ہوتے ہیں، عموماً نہیں یہ بھی نہیں ہوتا کہ ان سے جو کام لیا جا رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ تو کچھ ہو جانے کے بعد ہی پڑے چلتا ہے سربراہ کیا کر گزرا۔ بہر حال جب ہمارے ہی مجھے سے یہ بات پھیلی کہ بینک میں ڈاکہ پڑنے ہے تو وہ بیچارہ ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اسی نے مجھے گروہ کے دوسرے آدمیوں کے بارے میں بتایا تھا اس بھری نظرؤں میں تھے۔ لیکن سرگروہ تو انہیم سے ہی میں تھا۔ آپ اُس آدمی کی کہانی ہی پچھے ہیں جسے سرجاد نے میرے حوالے کیا تھا۔ کہانی سو فہمدی پچھی تھی۔ یعنی وہ اپنے کام آدمیوں کا اسی طرح انتخاب کرتا تھا، اور مختلف طریقوں سے انہیں الجھائے رکھتا تھا اور ہر کو جو اثر رثینگ ہو عام گروہ سے الگ ہی رکھتا تھا۔ گروہ میں اسی وقت شامل کرنا تھا جب وہ کسی انتخاب میں پورے اترے تھے۔ اسے جس قسم کے آدمیوں کی تلاش رہتی تھی انہیں اس لیبرے کو بھی سمجھ لجئے جو انوکھے انداز میں اپنی پہلوی کر رہا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اس تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہوتی۔

اس ایک بار سلسلہ ہنجانی ہوتی اور میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتا۔۔۔ ہاں تو اس اسے قتل کے بعد بھی ڈاکہ پڑی گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی ہمت نہیں کرے گا۔ اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ شاید اس کے اعصاب پر بھی ناگوار اثر چھوڑ گیا تھا۔ بس اس بعد ہی سے اس نے حاقدیں شروع کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد پولیس تیزی سے تھیں پھرلا کر کسی دوسری خلی میں تبدیل کر دینے کا موقع نہیں مل سکتا۔ وافر تعداد میں غیر ملکی بھی برآمد ہوئی تھی اور یہ بھی بینک آف کینیڈا ہی کی لکیت تھی۔

دوسرے دن فریدی اپنے مجھے کے ایس۔ پی سے کہہ رہا تھا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہوئی نہیں سکتا تھا۔“ مخفی سید ہمی سادی نقشیں اس تک کیے پہنچ سکتی۔

”تو اس لیبرے کا وجود دوسرے سے تھا ہی نہیں؟“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”می نہیں۔ اس آدمی سے ذکری کے پروگرام کی اطلاع ملتے ہی اور سر غندہ کا طریقہ کار ملعون ہوتے ہی لیبرے کا روں ادا کرتا پڑا تھا۔ مقتول اس گروہ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اس کے ذمہ پر کام فرم کر وہ سربراہ کے لئے معلومات فراہم کرے۔ مثلاً بینک آف کینیڈا کا نقشہ اسی نے تیار کیا تھا۔“

ٹکسی کے راستوں کا تعین بھی کیا تھا۔ یعنی وہ نقشہ اسی قسم کا تھا کہ اگر بینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تب بھی ڈاکہ یقینی طور پر پڑتا اور وہ لوگ صحیح و سلامت نکل بھی جاتے اور پھر اس نے مجھے بتایا کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ نقشہ کس لئے تیار کرایا گیا ہے۔ اگر بینک آف

نے کچھ ایسے لوشن ایجاد کئے تھے جن سے وقت طور پر آنکھوں کی بناوٹ تک بدل جائی تھی۔ سرجاد اس کی گرفت میں بے بھی سے ہاتھ چیر مار رہا تھا۔ آواز کی اچانک تبدیلی اس نے بھروس کر کے جھٹ سے آنکھیں چھاڑ دی تھیں۔

”آپ....!“ حید محظی گھٹی سی آواز میں بولا۔

”ہاں.... میں۔“ وہ سرجاد کی دہشت زدہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھ سے فراز کرنے کی کوشش ہمیشہ پہنچی کے تھنے ہی کی طرف لے جاتی ہے سرجاد اس خوش تھنے کو مجھے انوئی نے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم مر گئے تھے لیکن میں شروع ہی سے لیواہ رہا تھا۔ تم تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہوتی۔“

”لک.... کر لیں.... فریدی۔“ سرجاد ہکلا کر بولا۔

”اس میں شہبے کی مخالفت نہ ہوئی چاہئے۔“ فریدی مکریا۔



ایک بار پھر شہر میں بھوپال سا آگیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ مقتول سرجاد نہ صرف زندہ ہو گی۔ تھا بلکہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا مجرم بھی وہی تابت ہوا تھا۔ اس کی شہری کوٹھی کے تھہ خدا سے سونے کی ایسی ایشیں برآمد ہوئی تھیں جن پر بینک آف کینیڈا کی مہمیں تھیں۔ شاندار انسپکٹر کسی دوسری خلی میں تبدیل کر دینے کا موقع نہیں مل سکتا۔ وافر تعداد میں غیر ملکی کرنی بھی برآمد ہوئی تھی اور یہ بھی بینک آف کینیڈا ہی کی لکیت تھی۔

دوسرے دن فریدی اپنے مجھے کے ایس۔ پی سے کہہ رہا تھا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہوئی نہیں سکتا تھا۔“ مخفی سید ہمی سادی نقشیں اس تک کیے پہنچ سکتی۔

”تو اس لیبرے کا وجود دوسرے سے تھا ہی نہیں؟“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”می نہیں۔ اس آدمی سے ذکری کے پروگرام کی اطلاع ملتے ہی اور سر غندہ کا طریقہ کار ملعون ہوتے ہی لیبرے کا روں ادا کرتا پڑا تھا۔ مقتول اس گروہ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اس کے ذمہ پر کام فرم کر وہ سربراہ کے لئے معلومات فراہم کرے۔ مثلاً بینک آف کینیڈا کا نقشہ اسی نے تیار کیا تھا۔“

ٹکسی کے راستوں کا تعین بھی کیا تھا۔ یعنی وہ نقشہ اسی قسم کا تھا کہ اگر بینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تب بھی ڈاکہ یقینی طور پر پڑتا اور وہ لوگ صحیح و سلامت نکل بھی جاتے اور پھر اس نے مجھے بتایا کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ نقشہ کس لئے تیار کرایا گیا ہے۔ اگر بینک آف

معوی طریقوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ دوسرا طرف لیرے کی حیثیت سے واقعی کام کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ تحریریں بھی تھیں، جو سرگردہ نے اکثر اپنے گروں کو بھیجی تھیں۔ میں ان کی تکمیل میں تھا۔ سر سجاد نے قریبی تعلق رکھنے والوں کی تحریریں چیک کرتا پھر رہا تھا۔ یہ بتادوں کہ اس دوران میں سر سجاد کے ذریعے میں بعض خامیاں نظر آجائے پر میں اس کی طرف سے بھی غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے اس کی لا بہری یہی میں بھی گھٹا پڑا۔ لیکن وہاں مجھے کچھ نہ مل سکا اور یہ بہت اچھا ہوا تھا کہ میں لیرے ہی کے روپ میں وہاں پہنچا تھا بعد میں یہی چیز کام آگئی۔ کرام رپورٹ کی وجہ سرخ میں نے ہی دی تھی اور یہاں دفتر میں لیرے والی حرکت کی پہلی کا یہی مطلب فکر کر یہ بات چیلے۔

”مگر مجھے تو یہاں معلوم ہوا تھا جیسے سچ ہج دو آدمی ٹکرائے ہوں۔“ ایس۔ پی بولا۔

”اینگ ہی ٹھہری۔“ فریدی مسکرا کیا۔ کرام رپورٹ نے اس خبر کی تردید کر دی اور خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے وہ تحریر لیرے ہی کی طرف سے بھی گئی ہو، اس مقصد کے تحت کہ وہ ہا معلوم آدمی مر عوب ہو کر بیک میل ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی میں مختلف طریقوں سے اس کی پہلی کراتا رہا تھا کہ نامعلوم مقتول کے پاس سرگردہ کے خلاف کافی ثبوت تھے، جو اب لیرے کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے ذریعہ اسے پہنانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور سر سجاد پر اچانک گھٹایا کے جملے نے بھی میرے شبہات کو مزید تقویت دی۔ میجر سعید کی گرفتاری کے بعد تمیдан ہی صاف ہو گیا تھا۔ سر سجاد نے سوچا کہ بس یہ اب سر سجاد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میجر سعید کو ٹھی میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے کوئی کی گرفتاری ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ درست ہی لکھا تھا کہ وہ طاہر اور سعید سے گرانے کے بعد نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد سعید آپھسا۔ اس نے محض دھکائے عکے لئے تای گن سنبھال رکھی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے جہازیوں میں ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اس نے صرف دھکا کر نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال وہ پکڑ لیا گیا۔ گواں نے ڈیکھی کا عزاف نہیں کیا لیکن پھر بھی کیا آپ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور جرم ہو گا جب کہ اتنی واپر مقدار میں مذیقات اس کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں اور وہ ڈاٹا نامائیت قطعی طور پر کوئاں گئے تھے جب کہ بینک کی ڈیکسی کا شہر تو یہاں سے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی تمیز تر کر دی تھی۔ جید کو اسی جگہ پر بھیجا رہتا تھا جاہاں اس کے گرے اکٹھا ہوا کرتے تھے، خود بھی فریدی کی بھیت سے اُن لوگوں کا تعاقب کرتا پھر تھا، مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سرگردہ بھی سمجھے کہ میں

ملازموں نے کروں سے نکلنے کی ہمت نہ کی اور پہلے میں سے ہوئے سے یوں کہ لیرے کے پڑا جانے پر سر سجاد نے کسی اندیکی تھے آدمی کو مخاطب کر کے کچھ اوت پانگ باشیں کی تھیں... دوسرا رات سر سجاد اتفاقاً تھے نہیں لکھا بلکہ وہ حق تھے میری ہی تلاش میں نکلا تھا اس کا نام تھے اپنی کہانی سنائی اور اس وقت کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں اس پر یقین نہ کر سکتا۔ اب آئیے میجر سعید کی طرف۔ وہ مذیقات کی ناجائز تجارت کرتا تھا اور اس سے کبھی ایک قتل بھی سرگردہ واحد مر پہنچ کے پاس اس کے خلاف بھیرے ٹھوٹ تھے اور اس نے اسے بیک میل ہی کر کے اپنا بڑی نسل پارٹی بنایا تھا۔ اُسے شروع ہی سے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جسے وقت پڑنے پر کسی چکر میں پہنچ کر خود اگل ہو سکا۔“

”مگر میجر سعید خود کو خطرے میں ڈال کر اس عمارت میں گھنسنے کی کوشش کیوں کرتا رہا؟“ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”وجہ تھی! اگر نہ ہوتی تو سر سجاد اس قسم کا ذرا سامد کیوں اٹھ کر تھا۔ میجر سعید کا بیک میل کرنے کا مواد کچھ کاغذات اور مستلزمات کی خلیل میں تھا جس کے متعلق سر سجاد نے اسے کہہ رکھا تھا وہ انہیں ہر وقت ساتھ ہی رکھتا ہے۔ لہذا جب سر سجاد کے قتل کی خبر مشہور ہوتی تو اس نے سوچا کہ وہ سب کچھ یقینی طور پر اس کے ساتھ کوئی ٹھی میں رہا ہو گا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لہذا جان پر کھیل کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرنا تھا۔ لیکن وہ شخص جس کے کے نے زیدی اور طاہر پر حملہ کیا تھا میجر سعید ہرگز نہیں قل میں خود سر سجاد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میجر سعید کو ٹھی میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے کوئی کی گرفتاری ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ درست ہی لکھا تھا کہ وہ طاہر اور سعید سے گرانے کے بعد نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد سعید آپھسا۔ اس نے محض دھکائے عکے لئے تای گن سنبھال رکھی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے جہازیوں میں ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اس نے صرف دھکا کر نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال وہ پکڑ لیا گیا۔ گواں نے ڈیکھی کا عزاف نہیں کیا لیکن پھر بھی کیا آپ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور جرم ہو گا جب کہ اتنی واپر مقدار میں مذیقات اس کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں اور وہ ڈاٹا نامائیت قطعی طور پر کوئاں گئے تھے جب کہ بینک کی ڈیکسی کا شہر تو یہاں سے تھے کہ ان کی موجودگی کا شہر ہو جانے کے باوجود بھی انہیں دریافت نہ کیا جاسکتا۔ یہ بھی مغض اتفاق ہے کہ وہیں سے لوٹ کامال بھی برآمد ہو گیا۔“ ”میں کہتا ہوں میجر سعید کے بیان کے بعد اس ڈھونگ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“

ایس۔ پی نے کہا۔

”ی مجرم سعید کا بیان کوئی عدالت اسی وقت تسلیم کرے گی، جب وہ دستاویزات پیش کی جائیں جن کے ذریعہ سر سجاد اسے بلیک میل کرتا رہتا تھا لیکن سر سجاد نے تو انہیں اسی رات کو تکف کر دیا تھا جب مجرم سعید کو پہنانے کی اسکیم بنائی تھی۔ بہت ضروری تھا جتاب کہ سر سجاد کو رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ورنہ اس کے خلاف ثبوت کہاں تھے ہمارے پاس۔ یہ کیس صرف دکلاء کی ذہنی جمناسٹک کا شکار بن کر رہ جاتا۔ کیونکہ سر سجاد نے اپنے قتل کے سلسلے میں جو فراڈ کیا تھا اسے بھی ایک ذمہ دار آفسر پر ظاہر ہی کر دیا تھا اور خود آفسر ہی کے مشورے کی بناء پر روپوٹی اختیار کی تھی۔ اتنے چالاک مجرم صرف ضابطہ کی کاروائیوں سے قابو میں نہیں آیا کرتے ان کے ساتھ فراڈ بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہی ہے میر اعام طریق کا رہنے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ اور اب کبھی خاموش تھے۔ حمید اس معصوم لڑکی کے لئے معموم تھا جواب شاید یہی سوچتی ہو کہ اے کاش اس کا باپ یقین تھا کہ قتل کر دیا گیا ہوتا۔

پھر.... تیسرے دن وہ آدمی بھی پکڑ لیا گیا، جو سراغ رسانی کے دفاتر کی خبریں سر سجاد تک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے لئے اُسے سر سجاد سے بھاری رقوم ملتی تھی۔ مگر وہ بھی اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ بس گروہ کی ایک لڑکی کے چکر میں پھنس کر وہ ضمیر فروٹی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ حمید ان تحریروں کے متعلق الجھن میں تھا جو گروہ کی طرف سے مختلف لوگوں کو ملا کرتی تھیں۔ کیا وہ سر سجاد کی تحریریں ثابت ہو سکی تھیں؟ کئی دنوں بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتا تھا اور بائیں ہاتھ کی تحریر داہنے ہاتھ کی تحریر سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ نذر ہو کر بائیں ہاتھ کی تحریر کو پیغام رسانی کا ذریعہ بناتا تھا۔

ختم شد